گفتارِ اقبال

مرتبہ

محمد رفیق افضل

ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

گفتارِ اقبال

مرتبہ

محمد رفیق افضل

ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہِ پنجاب، لاہور۔

انتشارات ادارہ تحقیقات پاکستان

شمارہ ۱۰

ادارہ تحقیقات پاکستان متروکہ اوقاف بورڈ حکومت پاکستان کی مالی امداد کا ممنون ہے جس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا کام آسان ہو گیا ہے۔

طبع اول : جنوری ۱۹۶۹ء
طبع دوم : نومبر ۱۹۷۷ء
قیمت : ۲۵ روپے

مطبع : نفیس پرنٹرز ، ۲۶ پٹیالہ گراؤنڈ ، لاہور

فہرست

	صفحہ
مقدمہ	ہ—ف
۱- شہنشاہ انگلستان پر اظہار اعتماد ...	۱
۲- مسٹر گوکھلے کے مسودہ تعلیم لازمی کی تائید میں تقریر...	۳
۳- اسلام اور بالشوزم ...	۵
۴- انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں تقریر ...	۸
۵- سلطان ابن سعود اور حکومت حجاز پر اظہار خیالات ...	۱۰
۶- مسٹر چنتامنی کی قوم پرست جماعت کے متعلق بیان ...	۱۳
۷- کونسل کی امیدواری کے لیے اعلان ...	۱۴
۸- انتخابی جلسوں میں تقاریر ...	۱۶
۹- " " " ...	۱۷
۱۰- " " " ...	۱۸
۱۱- سپاس تبریک ...	۱۹
۱۲- علامہ اقبال کے اعزاز میں دعوت ...	۲۰
۱۳- جلسہ عام سے خطاب ...	۲۰
۱۴- مذہب اور سائنس ...	۲۲
۱۵- انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں تقریر ...	۲۴
۱۶- پنجاب پراونشل مسلم لیگ مئی ۱۹۲۷ء ...	۲۶
۱۷- ہنگامہ لاہور پر بیان ...	۲۸
۱۸- مدیر ''انقلاب'' کے نام مکتوب ...	۳۳
۱۹- مسلمانان پنجاب کو تنظیم کی ضرورت ...	۳۴
۲۰- اخبار ''پرتاپ'' کے بیان کی تردید ...	۳۸
۲۱- تحریک سول نافرمانی کا التوا ...	۳۹
۲۲- شاہی مسجد میں تقریر ...	۴۱
۲۳- پنجاب کونسل میں تقریر ...	۴۶
۲۴- مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک انجمن کا قیام ...	۴۸
۲۵- آئینی کمشن کے متعلق اظہار رائے ...	۴۹
۲۶- لیگ کے اجلاس کے بعد آئینی کمشن کے متعلق اظہار رائے...	۵۲
۲۷- آئینی کمشن سے تعاون ...	۵۳
۲۸- مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۷ء کے انعقاد کے متعلق بیان ...	۵۷

صفحہ

۲۹- ملکی حالات کے پیش نظر آئینی کمشن سے تعاون ... ۶۱
۳۰- سوراج اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ... ۶۳
۳۱- بنگال و پنجاب کی اکثریتیں ... ۶۵
۳۲- مدیر ''انقلاب'' کے نام مکتوب ... ۶۵
۳۳- نہرو کمیٹی رپورٹ پر تبصرہ ... ۶۶
۳۴- آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ کے فیصلوں کے متعلق بیان ... ۶۹
۳۵- آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی میں تقرر ... ۷۲
۳۶- انجمن ہلال احمر مدراس سے خطاب ... ۷۴
۳۷- شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ ... ۷۵
۳۸- ہنگامہ افغانستان کے متعلق بیان ... ۸۴
۳۹- لیگ کے اجلاس دہلی ۱۹۲۹ع کے متعلق بیان ... ۸۷
۴۰- برطانیہ کی یہود نوازی کے خلاف احتجاج ... ۹۱
۴۱- قانون ازدواج صغر سنی پر اظہار خیالات ... ۹۴
۴۲- نادر خان ہلال احمر فنڈ ... ۹۸
۴۳- گول میز کانفرنس ... ۱۰۰
۴۴- علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سپاسنامہ کا جواب ... ۱۰۲
۴۵- متحدہ سٹیج بناؤ ... ۱۰۵
۴۶- سائمن کمشن رپورٹ پر تبصرہ ... ۱۰۶
۴۷- سر آغا خان کے نام تار ... ۱۰۹
۴۸- آپر انڈیا مسلم کانفرنس ... ۱۰۹
۴۹- " " ... ۱۱۱
۵۰- " " ... ۱۱۲
۵۱- جلسہ عام سے خطاب ... ۱۱۶
۵۲- بھوپال کانفرنس پر بیان ... ۱۱۸
۵۳- " " ... ۱۱۹
۵۴- " " ... ۱۲۰
۵۵- جلسہ عام سے خطاب ... ۱۲۲
۵۶- مغلپورہ کالج تحقیقاتی کمیٹی ... ۱۲۳
۵۷- مظلومین کانپور کی امداد کے لیے اپیل ... ۱۲۴
۵۸- یوم کشمیر منانے کے لیے اپیل ... ۱۲۹
۵۹- گورنر پنجاب کے نام تار ... ۱۳۰
۶۰- یوم کشمیر پر تقریر ... ۱۳۰
۶۱- مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے اپیل ... ۱۳۲

صفحہ

۶۲-	اقبال اور وزارت کشمیر ...	۱۳۳
۶۳-	علامہ اقبال کا پیغام ...	۱۳۴
۶۴-	دہلی میں سپاسناموں کا جواب ...	۱۳۵
۶۵-	علامہ اقبال پورٹ سعید میں ...	۱۳۷
۶۶-	علامہ اقبال کا مکتوب ...	۱۳۸
۶۷-	مؤتمر عالم اسلامی میں تقریر ...	۱۳۹
۶۸-	مؤتمر عالم اسلامی کے متعلق تاثرات ...	۱۴۰
۶۹-	آل انڈیا مسلم کانفرنس ...	۱۴۷
۷۰-	بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت ...	۱۴۸
۷۱-	اسلامی تاریخ کو نصاب سے خارج کرنے کے متعلق ارشادات...	۱۵۱
۷۲-	گاندھی جی اور وزیر اعظم کی خط و کتابت پر تبصرہ ...	۱۵۵
۷۳-	پونا کا سمجھوتہ ...	۱۵۷
۷۴-	مسلمان جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ...	۱۵۸
۷۵-	لکھنؤ کانفرنس ...	۱۵۹
۷۶-	صدر خلافت کے نام تار ...	۱۶۰
۷۷-	ڈاکٹر انصاری کے نام تار ...	۱۶۰
۷۸-	لکھنؤ کانفرنس اسلام اور ہندوستان کے لیے مضر ہوگی ...	۱۶۱
۷۹-	تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت سے پہلے بیان ...	۱۶۲
۸۰-	مسلمان ہندوؤں میں جذب ہو جائیں یا اپنا مستقبل آپ بنائیں ...	۱۶۲
۸۱-	مدیر ''انقلاب'' کے نام مکتوب ...	۱۶۵
۸۲-	جاوید اقبال کے نام مکتوب ...	۱۶۵
۸۳-	جواب سپاسنامہ جمعیۃ الاسلام ...	۱۶۶
۸۴-	گول میز کانفرنس اور سفر سپین کے متعلق بیان ...	۱۶۷
۸۵-	اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ ...	۱۶۸
۸۶-	خطبہ صدارت، اجلاس ادارہ معارف اسلامیہ ...	۱۶۹
۸۷-	آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی اپیل ...	۱۷۳
۸۸-	وائسرائے کے نام تار ...	۱۷۷
۸۹-	''پین اسلامزم'' کی اصطلاح فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے ...	۱۷۷
۹۰-	وائسرائے کے نام تار ...	۱۷۹
۹۱-	جدہ مکہ ریلوے اور علامہ اقبال ...	۱۸۰
۹۲-	پیغام تعزیت، اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کے نام ...	۱۸۰
۹۳-	،، وزیر اعظم افغانستان کے نام ...	۱۸۱

		صفحہ
۹۴-	صدر نیشنل لیگ لندن کے نام تار	۱۸۲
۹۵-	وائسرائے کے نام تار	۱۸۲
۹۶-	جمعیت اقوام کو تار	۱۸۲
۹۷-	فرقہ وار اعلان کے متعلق بیان	۱۸۳
۹۸-	سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی	۱۸۴
۹۹-	" "	۱۸۶
۱۰۰-	علامہ اقبال اور سر فیروز خان نون کا فیصلہ	۱۸۸
۱۰۱-	جامعہ ملیہ کی اعانت کے لیے اپیل	۱۸۹
۱۰۲-	انڈیا بل کے متعلق بیان	۱۹۰
۱۰۳-	" "	۱۹۵
۱۰۴-	مسلمانان پنجاب کے نام اپیل	۲۰۲
۱۰۵-	یوم غالب پر پیغام	۲۰۷
۱۰۶-	مسلم انڈیا سوسائٹی اور مسلم لیگ	۲۰۸
۱۰۷-	انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے استعفیٰ	۲۰۹
۱۰۸-	پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام	۲۰۹
۱۰۹-	مسلم طلبہ کے نام پیغام	۲۱۰
۱۱۰-	علامہ اقبال سے ایک ملاقات کی روئداد	۲۱۱
۱۱۱-	علامہ اقبال جنوبی ہند میں	۲۱۵
۱۱۲-	گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کی مصروفیات	۲۳۲
	ضمیمہ	۲۶۷
	تحریک خلافت	۲۶۸
	علامہ اقبال کا شکریہ	۲۶۹
	انتخابی منشور	۲۷۰
	جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لیے اپیل	۲۷۱
	خواتین مدراس کے سپاس نامے کا جواب	۲۷۲
	اشاریہ	۲۷۳
	صحت نامہ	۲۹۲

مقدمہ

علامہ اقبال کی تقاریر، مضامین اور بیانات کے چند ایک مجموعے پہلے بھی چھپ چکے ہیں۔ سب سے پہلے ''شملو'' کا مجموعہ (Speeches and Statements of Iqbal) ۱۹۴۵ع میں شائع ہوا۔ اس کے بعد سید عبدالواحد معینی نے اسی مجموعہ کی بنیاد پر چند مفید اضافوں کے ساتھ ایک مجموعہ (Thoughts and Reflections of Iqbal) شائع کیا۔ معینی صاحب نے ''مضامین اقبال'' کے نام سے علامہ اقبال کے مضامین، تقاریر اور بیانات بھی ترتیب دئیے۔ ۱۹۶۷ع میں دو گراں قدر مجموعے ''انوار اقبال'' اور Letters and Writings of Iqbal ڈاکٹر بشیر احمد ڈار نے بڑی محنت سے ترتیب دے کر اقبال اکاڈیمی کراچی کی طرف سے شائع کرائے ہیں۔

مجموعہ زیر نظر میں جو مواد ترتیب دیا گیا ہے وہ کسی اور مجموعہ میں شامل نہ تھا۔ یہ سب کا سب لاہور کے دو روزناموں ''زمیندار'' اور ''انقلاب'' کی صرف ان جلدوں سے لیا گیا ہے جو ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ تقاریر، بیانات، مکاتیب وغیرہ کا یہ مجموعہ تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے سوائے آخر کی دو روئدادوں (''علامہ اقبال جنوبی ہند میں'' اور ''گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کی مصروفیات'') اور ضمیمہ کے، جن کا مواد بعد میں دستیاب ہوا۔

یہ مواد نہ صرف علامہ اقبال کے مستند سوانح حیات لکھنے کے لیے بلکہ پنجاب اور تحریک آزادی کی تاریخ کی ترتیب کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس مجموعے کی سب سے پہلی تقریر اس موقع پر کی گئی جب شہنشاہ انگلستان دربار دہلی میں تقسیم بنگال کی تنسیخ

کا اعلان کر کے انگلستان واپس گئے ۔ علامہ اقبال اور ان کے رفقاء نے شہنشاہ پر اظہار اعتماد کرنے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ جلسوں کے انعقاد کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے مسلمانوں کے علحدہ جلسوں کا اہتمام کیا ۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ بنگال سے متعلق دربار دہلی کے اعلان سے مسلمان مطمئن نہیں ۔ اس تقریر میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ''اپنے خدا ، اپنے رسول ، اپنے دین اور اپنے قوت بازو پر بھروسا'' رکھیں اور اپنی ترقی کے لیے خود ہاتھ پاؤں ماریں اور دوسری قوموں سے امداد کی کوئی امید نہ رکھیں ۔ دوسری تقریر اس وقت کے اہم مسائل میں سے ایک ، یعنی جی ۔ کے ۔ گوکھلے کے مسودہ تعلیم لازمی کی حمایت میں کی گئی ۔ ہندوستان کے باقی حصوں کی طرح پنجاب میں بھی لازمی تعلیم کے سوال پر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ۔ لاہور میں متعدد جلسے اس بل کے حق میں ہوئے ۔ علامہ اقبال بھی اس بل کے حامیوں میں سے تھے ۔ اس تقریر میں اس مسودے کے جبریہ پہلو کی حمایت میں آپ نے دلیل پیش کی کہ ''جس طرح چیچک کا ٹیکہ لازمی اور جبری قرار دیا گیا ہے اور یہ لزوم و جبر اس شخص کے حق میں کسی طرح مضر نہیں ہوسکتا جس کے ٹیکہ لگایا جاتا ہے ، اسی طرح جبریہ تعلیم بھی گویا روحانی چیچک کا ٹیکہ ہے'' ۔

تحریک خلافت اور ترک موالات کے بارے میں ایک تقریر جو بعد میں ملی ، ضمیمہ میں شامل کی گئی ہے (متن : صفحات ۲۶۸-۲۶۹) اس تقریر میں اظہار کردہ خیالات آپ کے مکاتیب میں بھی ملتے ہیں لیکن زیر بحث مسئلے کے بارے میں جو طرز استدلال اس تقریر کا خاصہ ہے ، وہ اور کہیں نہیں ملتا ۔ عام تاثر یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اسلامیہ کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ختم کرنے اور حکومت سے مالی امداد کے انقطاع کی تجویز کی مخالفت کی ۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں الحاق اور حکومت سے امداد

لینے کے مسائل کا فیصلہ دینی احکام معلوم کیے بغیر نہیں کیا جانا چاہیے۔

بالشوزم کے بارے میں علامہ اقبال کے خیالات اس مجموعہ میں شامل ایک مکتوب میں واضح طور پر ملتے ہیں۔ ۱۹۲۳ع میں جب 'لاہور بالشویک سازش' کے سلسلے میں گرفتاریاں عمل میں آئیں تو ایک شخص شمس الدین حسن نے علامہ اقبال سے بالشویک خیالات منسوب کیے۔ آپ نے فوراً پر زور الفاظ میں اس کی تردید کی اور فرمایا ''بالشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہوجانے کے مترادف ہے۔'' آپ نے بالشویک معاشی نظام سے متاثر ہونے والوں کو تلقین فرمائی کہ وہ ''قران کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس مقدس کتاب میں پائیں گے۔'' (۵ - ۸)

جولائی ۱۹۲۶ع میں آپ نے ملکی حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد پنجاب کونسل کے انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ میاں عبدالعزیز اور ملک محمد حسین آپ کے حق میں دستبردار ہوگئے لیکن ملک محمد دین نے انتخاب میں آپ کا مقابلہ کیا۔ آپ کا انتخابی منشور اور چھ تقاریر اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ان تقریروں کے دوران ایک ممبر کی صفات بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''ممبر کا سب سے بڑا وصف یہ ہونا چاہیے کہ ذاتی اور قومی منفعت کی ٹکر کے وقت اپنے شخصی مفاد کو مقاصد قوم پر قربان کردے۔'' ۵ دسمبر ۱۹۲۶ع کو آپ پنجاب کونسل کے رکن اور ۲۰ جنوری ۱۹۲۷ع کو پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ ان ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ عملی سیاست میں آپ کا دائرہ کار روز بروز وسیع ہوتا گیا۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے فوراً بعد فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے ۱۹۲۶ع اور ۱۹۲۷ع میں سنگین صورت اختیار کرلی۔ معمولی معمولی اختلافات پر ہندوستان کے کونے کونے میں

فرقہ دارانہ فسادات اور خون خرابے ہونے شروع ہوگئے ۔ پنجاب ان معاملات میں باقی صوبوں سے زیادہ حساس ثابت ہوا۔ اس صورت حال کے متعلق علامہ اقبال کی تقریباً ۹ تقاریر و بیانات (۲۰ - ۲۲ ، ۲۸ - ۲۸) شامل مجموعہ ہیں۔ ان میں حویلی کابلی مل لاہور کے فساد اور مقدمہ ''رنگیلا رسول'' کے پنجاب ہائیکورٹ سے خارج ہو جانے کے متعلق آپ کے ارشادات کے بغور مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کا ان کے ذہنی رجحانات پر کیا اثر پڑا ۔ ان حالات سے متاثر ہو کر ایک جگہ پر آپ فرماتے ہیں : ''لاہور کے حالات کو بہ چشم خود دیکھنے کے بعد میرے دل میں تو یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہم ان سیاسی ادارات کو سنبھالنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں جنھیں چلانے کے لیے دیانت ، مقصد اور خیر سگالی کے جذبات کی اشد ضرورت ہے '' (۳۲ - ۳۳) ۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں : ''ہمیں لاہور کے فسادات سے سبق حاصل کرنا چاہیے ۔ صرف یہ حقیقت کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اپنی حفاظت کے لیے برطانوی تحفظ کی ضرورت ہے ، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم کس منزل پر ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت نے مجھے اپنے سیاسی خیالات اور سیاسی عقائد پر ازسر نو غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے . . . . اس وقت مسلمانوں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنی داخلی تنظیم اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوں . . . . تنازعہ للبقا کے اس عالمگیر دور میں دوسری قوموں سے امداد کی توقع رکھنا فضول ہے ۔ سب کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے ۔ جب قومیں فی الواقع مضبوط ہو جائیں گی تو باہمی مفاہمت ہونا یقینی امر ہے ۔'' (۳۷) ان فسادات کے دوران علامہ اقبال نے نہ صرف حالات معمول پر لانے کے لیے سعی و کوشش فرمائی بلکہ فسادات سے متاثر ہونے والوں کی اعانت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سلسلے میں جو کمیٹی بنی ، آپ اس کی صدارت کے فرائض سر انجام دیتے رہے ۔ آپ مسلمانوں کو قانونی حدود کے اندر رہ کر جد و جہد کرنے

کی تلقین فرماتے رہے۔ جب ''رنگیلا رسول'' کا مقدمہ پنجاب ہائیکورٹ سے خارج کردیا گیا اور مجلس خلافت پنجاب نے سول نافرمانی شروع کرنے کا اعلان کیا تو یہ بڑی حد تک آپ کے اثر اور کوششوں کی وجہ سے تھا کہ اس تحریک کو ملتوی کردیا گیا۔

پنجاب میں ایسے فرقہ دارانہ مناقشات میں یہاں کے مسلمان رہنماؤں کی اکثریت جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس لیے جب ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ع کو دہلی میں ۳۰ مقتدر مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کی طرف سے چند شرائط پر مخلوط انتخاب منظور کرنے کی پیش کش کی تو مسلمانان پنجاب نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا ایک اجلاس بلا کر جداگانہ طریق انتخاب کو چھوڑنے کی مخالفت کی۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے جو قرارداد پیش کی اور اس کی حمایت میں جو تقریر فرمائی، وہ اس مجموعہ میں شامل ہے (۲۶ - ۲۸)۔

ان حالات میں نومبر ۱۹۲۷ع میں حکومت کی طرف سے سائمن کمشن بھیجنے کا اعلان ہوا جس میں کسی ہندوستانی ممبر کو نمائندگی کا موقع نہ دیا گیا۔ علامہ اقبال کے نزدیک ''بلا شبہ کمشن میں کسی ہندوستانی کا نہ لیا جانا ہندوستان کے وقار پر حملہ'' تھا لیکن آپ کے خیال میں اس حملے کی وجہ وہ ''بے اعتمادی اور بدظنی'' تھی جو ہندوستان کی مختلف اقوام کو ایک دوسرے کے متعلق تھی۔ مزید برآں اگر کمشن میں ہندوستانی ممبروں کو نمائندگی دی جاتی تو اس کے لیے مسلمانوں میں سے ایسے آدمی چنے جاتے جو مخلوط انتخاب کے حامی تھے اور علامہ اقبال کے خیال میں ''یہ امر پنجابی نقطہ خیال سے موجب اطمینان نہ تھا۔''

سائمن کمشن سے تعاون کے سوال پر مسلم رہنماؤں میں اختلاف پیدا ہوا جس نے مسلم لیگ کے دسمبر ۱۹۲۷ع کے اجلاس کو متاثر کیا۔ مسلم لیگ کا ایک گروہ سائمن کمشن سے تعاون اور دوسرا بائیکاٹ کا حامی تھا۔ پہلا گروہ، جس میں اقبال شامل تھے، یہ چاہتا

تھا کہ لیگ کا اجلاس لاہور میں ہو۔ دوسرا گروہ، جس میں محمد علی جناح شامل تھے، کلکتہ میں اجلاس منعقد کرنے کا حامی تھا۔ اس طرح مسلم لیگ دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی ــ جناح لیگ اور شفیع لیگ۔ دونوں گروہوں کے رہنماؤں نے اپنے اپنے موقف کی حمایت میں اخبارات میں بیانات دئیے۔ علامہ اقبال نے جو چھ بیانات اس سلسلے میں دئیے وہ اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ (۴۹ - ۶۴)

دوسری طرف کانگرس نے ایک آل پارٹیز کانفرنس بلا کر پنڈت موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ہندوستان کا دستور اساسی مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی کے تیار کردہ مسودہ آئین کو لکھنؤ میں ایک اور آل پارٹیز کانفرنس بلا کر منظور کیا گیا۔ علامہ اقبال اور ان کی جماعت ان سرگرمیوں سے علحدہ رہے۔ علامہ اقبال نے نہرو رپورٹ کے مسودے کے متعلق اور آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ (۶۶ - ۷۲)

نہرو رپورٹ میں جس ہوشیاری سے مسلمانوں کے حقوق کو پس پشت ڈالنے اور پنجاب و بنگال میں ان کی اکثریتوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس نے مسلم رہنماؤں کو خبردار کر دیا۔ انہوں نے اپنی منتشر قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور متحدہ مطالبہ پیش کرنے کے لیے دسمبر ۱۹۲۸ء میں دہلی میں ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں سر محمد شفیع نے مسلم مطالبات سے متعلق ایک جامع قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کی حمایت میں جو تقریر علامہ اقبال نے فرمائی وہ ان کے آئندہ طریق کار کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے اس تقریر میں مسلمانوں کو تنبیہہ کی کہ اگر انہیں بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے تو جلد از جلد علحدہ سیاسی پروگرام مرتب کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: ''ہندوستان میں بعض حصے ایسے ہیں، جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور بعض حصے ایسے ہیں، جن میں وہ قلیل تعداد

میں ہیں ۔ ان حالات میں ہم کو علحدہ طور پر ایک پولیٹیکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے ۔'' (۷۳)

مسلم کانفرنس میں حصہ لینے کے فوراً بعد جنوری ۱۹۲۹ع میں علامہ اقبال مسلم ایسوسی ایشن مدراس کی دعوت پر اپنے تین معرکۃ الآرا خطبات دینے کے لیے مدراس تشریف لے گئے ۔ جنوبی ہند کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ چوہدری محمد حسین کے علاوہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی بھی تھے ۔ اس سفر کے دلچسپ تفصیلی اور معلومات افزا حالات عبداللہ چغتائی صاحب اپنے خطوط میں مدیر ''انقلاب'' کو ''ہم سفر'' کے فرضی نام سے بھیجتے رہے ۔ اس مختصر سے سفرنامے کی اہمیت محتاج بیان نہیں کیونکہ اس سے زیادہ تفصیلی حالات کسی اور جگہ سے نہیں ملتے ۔ مدراس میں یہ خطبات دینے کے بعد علامہ اقبال نے میسور، بنگلور اور حیدرآباد میں ان کا اعادہ فرمایا ۔ آپ نے ان خطبات کے علاوہ مختلف مقامی انجمنوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے سپاسناموں کے جواب میں تقاریر فرمائیں ۔ ان انجمنوں میں صرف دو کے سپاسناموں کے جواب میں علامہ اقبال نے جو تقریریں کیں مل سکی ہیں اور وہ اس مجموعہ میں شامل ہیں (۷۴ - ۸۴) ۔ پہلی تقریر انجمن ہلال احمر مدراس اور دوسری انجمن خواتین اسلام مدراس کے سپاسناموں کے جواب میں کی گئی ۔ دوسری تقریر جب ''انقلاب'' میں شائع ہوئی تو علامہ اقبال نے ایک مکتوب مدیر ''انقلاب'' کو لکھا اور اس کی بعض غلطیوں کی تصحیح کی طرف اشارہ فرمایا ۔ یہ مکتوب ضمیمہ میں شامل ہے (۲۷۲) ۔ ترکی کے متعلق آپ نے اس سفر کے دوران ''سوراجیہ'' (مدراس) کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیا جو اس روئداد کے حاشیہ میں درج ہے (۲۲۴ - ۲۲۶) ۔ اس انٹرویو پر اس اخبار نے ایک مقالہ افتتاحیہ بعنوان ''مذہب ، سیاسیات اور تعلیم'' شائع کیا ۔ اس زمانے کے جنوبی ہند کے اخبارات کی اگر چھان بین کی جائے تو اور زیادہ تفصیلی مواد آپ کے بارے میں مل سکتا ہے ۔

علامہ اقبال کو افغانستان کے حالات سے زندگی بھر وابستگی رہی - ۱۹۲۹ء کے اوائل میں جب وہاں خانہ جنگی شروع ہوئی اور غازی امان اللہ خان کی جگہ بچہ سقہ نے حکومت پر قبضہ کیا تو علامہ اقبال نے افغانستان کے عوام کی مالی امداد کے لیے حتی المقدور کوشش فرمائی - بچہ سقہ کے خلاف جنرل نادر خان کی امداد کے لیے جو فنڈ قائم کیا گیا، آپ اس کی مجلس عاملہ کے صدر کے فرائض انجام دیتے رہے - اس بارے میں آپ کے بیانات اور نادر شاہ کی وفات پر محمد ظاہر شاہ اور وزیراعظم افغانستان کے نام تعزیتی پیغامات اس مجموعہ میں شامل ہیں - (۸۴-۸۶، ۹۸-۱۰۰ اور ۱۸۰-۱۸۱)

مسلم لیگ کے اندرونی اختلافات دور کرنے کے لیے بھی علامہ اقبال نے مقدور بھر کوشش فرمائی - مارچ ۱۹۲۹ء میں لیگ کے دونوں حصوں کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں منعقد ہونا طے پایا لیکن نہرو رپورٹ کے حامی عنصر کی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا - آپ نے نہرو رپورٹ کے حامیوں کی ان سرگرمیوں کی شدید مذمت کی (۸۷-۹۱) -

۱۹۲۹ء کے آخر میں حکوت برطانیہ نے لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا - اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ کانفرنس میں شرکت سے پہلے ہندو مسلم اختلافات طے ہوجانے چاہییں اور جو نمائندے کانفرنس میں حصہ لیں وہ تمام قوموں کے حقیقی نمائندے ہوں ورنہ کانفرنس ناکام ہوگی (۱۰۰-۱۰۲) - نومبر ۱۹۳۰ء میں کانفرنس کا پہلا اجلاس شروع ہوا - ابتدا ہی میں مسلم مندوبین کانفرنس نے فرقہ وار مسائل کو حل کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے مختلف تجاویز پیش کیں جن میں مخلوط انتخاب قبول کرنے کی پیش کش بھی تھی اور ان تجاویز سے پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریتوں کے متاثر ہونے کا اندیشہ بھی تھا - اس گفت و شنید کی خبریں جب ہندوستان پہنچیں تو ان سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا -

انھی حالات سے پریشان ہو کر علامہ اقبال نے سر آغا خان کو لندن میں تار بھیجا کہ "اگر ہندو مسلمانوں کے مطالبات کو نہیں مانتے تو مسلمان کانفرنس کو چھوڑ کر چلے آئیں۔" (۱۰۹)۔ ہندو اخبارات نے اس تار پر بہت واویلا کیا۔ "ٹریبیون" نے لکھا کہ مسلم رہنماؤں میں ہندو مسلم حقوق کا تصفیہ نہ ہونے کے سب سے زیادہ ذمہ دار ڈاکٹر اقبال ہیں جنھوں نے گول میز کانفرنس کے مسلم مندوبین کو اس وقت تار دیا جب وہ مخلوط انتخاب پر رضا مند ہو چکے تھے۔ (Tribune, 1 Jan., 1931)

ان حالات کو دیکھ کر علامہ اقبال نے اپنے ان خیالات کو عملی صورت دینے کا فیصلہ کیا جن کا اظہار آپ نے مسلم کانفرنس میں فرمایا تھا، یعنی ان صوبوں کو متحد کیا جائے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس سلسلے میں پہلے ہی شمالی و مغربی ہند اور پنجاب کے مسلمانوں کا ایک جلسہ لاہور میں بلانے کی تجویز ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال نے ۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء کو مسلم اکابرین لاہور کا ایک جلسہ برکت علی اسلامیہ ہال میں بلایا جس میں مجوزہ اپر انڈیا مسلم کانفرنس کے لیے مجلس استقبالیہ، صدر اور سیکرٹری کا انتخاب ہوا۔ علامہ اقبال صدر منتخب ہوئے۔ آپ نے اس اجلاس میں کانفرنس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صوبہ سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے مسلمانوں کی خاص کانفرنس کا انعقاد اس لیے ضروری ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو "اسلامی حقوق کے لیے منظم" کیا جائے اور "ان میں جوش عمل پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔" (۱۱۱-۱۱۲)۔ ۱۹ دسمبر کو آپ نے دیگر ممبران مجلس استقبالیہ کے ہمراہ کانفرنس کے بارے میں ایک طویل اپیل شائع کرائی جس میں مسلم مطالبات کی مختصر روئداد پیش کی گئی تھی (۱۱۲-۱۱۶)۔ اپر انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کی وجہ سے ملتوی کر دینا پڑا۔ ۱۹۳۱ء میں اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے متعدد اجلاس علامہ اقبال کے

دولتکدہ پر منعقد ہوتے رہے لیکن مجوزہ اجلاس نہ بلایا جاسکا۔

الہ آباد کے اجلاس مسلم لیگ میں علامہ اقبال نے اپنے معرکۃ الآرا خطبہ صدارت میں شمال مغربی ہندوستان میں ایک مسلمان حکومت قائم کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس تجویز کی ہندوؤں نے اخبارات اور تقریروں میں شدید مخالفت کی۔ یہ شور و شغب نہ صرف ہندوستان میں کیا گیا بلکہ انگلستان میں بھی جہاں گول میز کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا، اس تجویز کی مخالفت کی گئی۔ مسلم رہنماؤں نے اس سے بے تعلقی کا اظہار کیا۔ علامہ اقبال نے اس تجویز کا اعادہ پھر قائداعظم کے نام اپنے خطوط میں فرمایا جو زیادہ واضح الفاظ میں تھا۔ اس دوران میں اس کی طرف چند ایک موقعوں پر اشارہ ملتا ہے مثلاً ۲۸ ستمبر ۱۹۳۴ع کو "پین اسلامزم" کی اصطلاح کی تشریح کرتے ہوئے ایک بیان میں آپ نے فرمایا:

"مسلمانوں کو اس بات کا اعلان کر دینے میں ہرگز پس و پیش نہیں کہ وہ اپنے آپ کو . . . ایک علحدہ قوم خیال کرتے ہیں اور ایسا رہنے کے خواہشمند ہیں . . . اگر کوئی مسلمان سیاسی لیڈر اس کے برعکس خیال کرتا ہے تو اس نے اپنی قوم کے جذبات کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔" (۱۷۸-۱۷۹)

۱۹۳۱ع میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے مختلف الخیال حلقوں کو متحد کرنے کی جد و جہد میں حصہ لیا۔ مئی ۱۹۳۱ع میں نواب بھوپال کی دعوت پر جداگانہ انتخاب اور مخلوط انتخاب کے حامی مسلمانوں کی ایک کانفرنس بھوپال میں ہوئی۔ دیگر رہنماؤں کے علاوہ علامہ اقبال نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ کانفرنس کے اندر مختلف فارمولے پیش ہوئے۔ آپ کو امید تھی کہ ان تجویزوں کی بنیاد پر ہونے والی مفاہمت کی صورت میں "مسلمان متحد ہو کر ملک کی سیاسی ترقی اور نشوو ارتقاء میں حصہ لے سکیں گے"۔ مخلوط انتخاب کے حامی بجائے اس کے کہ اسے مسلمانوں کا داخلی معاملہ

سمجھتے وہ ان تجاویز کو منظوری سے پہلے گاندھی جی کے پاس لے گئے جس کی وجہ سے گفت و شنید کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس بارے میں علامہ اقبال کے بیانات شامل مجموعہ ہیں (۱۱۸-۱۲۱)۔

دوسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال نے بطور مسلم مندوب کے شرکت فرمائی۔ روانگی سے پہلے آپ نے مسلم مطالبات نہ منظور ہونے کی صورت کے متعلق فرمایا کہ اگر "بنگال اور پنجاب کی اکثریت اور مسلمانوں کے دیگر مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو جو دستور اساسی بھی ہندوستان کو دیا جائے گا مسلمانان ہند اس کے پرخچے اڑا دیں گے۔" (۱۳۶)۔ کانفرنس کی مختلف کمیٹیوں میں علامہ اقبال نے بہت کم حصہ لیا کیونکہ گاندھی جی اور دوسرے ہندوؤں کے رویے سے ہندو مسلم سوال ایسی نوعیت اختیار کر گیا تھا جس کی وجہ سے کمیٹیوں کے اجلاس کو متعدد بار ملتوی کرنا پڑا۔ کانفرنس سے باہر آپ بے حد مصروف رہے اور بہت سے رہنمایان عالم اور سیاسی مفکرین اور علماء سے ملاقاتیں کیں اور متعدد مقامات پر تقاریر فرمائیں۔ ان مصروفیات کی روئدادیں مولانا غلام رسول مہر اپنے خطوط میں مولانا عبدالمجید سالک کو بھیجتے رہے۔ مولانا مہر نے دوسری گول میز کانفرنس میں بطور صحافی شرکت کی تھی۔ لندن کے دوران قیام وہ علامہ صاحب کے ساتھ رہے اور واپسی پر بھی ان کی رفاقت اختیار کی۔ ان خطوط سے مرتب ہونے والی روئداد سے نہایت قیمتی ادبی اور سیاسی نوعیت کا مواد محفوظ ہو گیا ہے جو اس مجموعہ میں پہلی بار شامل کیا جا رہا ہے۔ (۲۳۲-۲۶۵)۔ اس روئداد میں دوسرے اہم مواد کے علاوہ انڈیا سوسائٹی، اقبال لٹریری ایسو سی ایشن اور کیمبرج میں جو تقاریر کی گئیں وہ بھی شامل ہیں۔ ان تقاریر میں علامہ اقبال نے اپنی تصانیف اور شاعری پر اچھوتے انداز میں اجمالی طور پر تبصرہ فرمایا ہے جو پہلے کہیں ایک جگہ پر نہیں ملتا۔

واپسی پر آپ نے مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کی اور ہندوستان پہنچ کر اس کے متعلق اپنے تاثرات بیان فرمائے (۱۴۴-۱۴۶)۔ چند دن بعد آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور مارچ ۱۹۳۲ع کی صدارت فرمائی۔ ساتھ ہی ساتھ پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریتوں کے خلاف ہندو پروپیگنڈے کو زائل کرنے کے لیے بھی کوشش فرماتے رہے۔ (۱۴۸-۱۴۹)

اکتوبر ۱۹۳۲ع میں جب ہندو رہنماؤں، نیشنلسٹ مسلمانوں اور تحریک خلافت کے رہنماؤں کے درمیان بمبئی میں طریق انتخاب کے بارے میں گفت و شنید شروع ہوئی تو علامہ اقبال نے ان کے اقدام کی سخت مخالفت کی۔ بعض رہنماؤں نے انھی دنوں مسلمانوں کی ایک کانفرنس بلانے کا اعلان کیا۔ علامہ اقبال کو اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے مختلف رہنماؤں کی طرف سے دعوت دی گئی۔ آپ نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ فرمایا کہ ایسی کانفرنس کا انعقاد ''اسلام اور ہندوستان کے مفاد کے لیے بے حد مضر ثابت ہوگا۔'' (۱۵۸-۱۶۱)

۱۹۳۱ع میں کشمیر میں ریاستی نظم و نسق اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ سے تحریک آزادی کا آغاز ہوا اور اسے دبانے کے لیے حکومت کشمیر نے سخت اقدامات کیے۔ علامہ اقبال کو شروع ہی سے کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی اور ہمدردی رہی۔ اس تحریک کے دوران پنجاب میں کشمیری مسلمانوں کی اعانت کے لیے جو کمیٹی تشکیل کی گئی، آپ نے اس میں مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ اس مجموعے میں اس تحریک سے متعلق ۸ تقاریر، بیانات اور تار شامل ہیں۔ (۱۲۹-۱۳۳، ۱۷۳-۱۷۷، ۱۸۲-۱۸۳)۔

اس کے علاوہ اس مجموعہ میں انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں دو تقاریر، قانون ازدواج صغر سنی، گورنمنٹ آف انڈیا بل اور

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے متعلق ارشادات اور دیگر متعدد موضوعات پر تقاریر و بیانات شامل ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آخر میں مجھے اپنے محترم دوست پروفیسر مرزا مقبول بیگ صاحب بدخشانی کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے کمال محبت و شفقت سے اس مجموعے کی تیاری، تصحیح اور دیگر مراحل میں میری اعانت فرمائی۔

محمد رفیق افضل

۱۲ جنوری ۱۹۶۹ ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہنشاہ انگلستان پر اظہار اعتماد*

دسمبر ۱۹۱۱ء میں جب شہنشاہ انگلستان نے دہلی دربار میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و الم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ شہنشاہ انگلستان جب ہندوستان سے واپس گئے تو پنجاب میں بعض مسلمان رہنماؤں نے تجویز کی کہ حکومت انگلستان اور شہنشاہ پر اعتماد کا اظہار کرنے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ جلسے کیے جائیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس قسم کے جلسوں کے انعقاد کے خلاف تھی۔ خدشہ یہ تھا کہ مبادا حکومت برطانیہ ایسے جلسوں کے انعقاد سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ تقسیم بنگال کی تنسیخ کے فیصلہ کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے رد عمل کے طور پر مسلمانوں نے علاحدہ جلسے منعقد کیے۔

ایک جلسہ یکم فروری ۱۹۱۱ء کو باغ بیرون موچی دروازہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے، جو اس جلسے کے صدر تجویز کیے گئے تھے، سٹیج پر آکر فرمایا کہ ''اس وقت حسن اتفاق سے آنریبل ملک مبارز خان صاحب ٹوانہ جلسہ گاہ میں تشریف رکھتے ہیں اس لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ میرے بجائے ملک صاحب موصوف اس جلسے کے صدر بنائے جائیں اور میں ملک صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آگے بڑھ کر کرسی صدارت کو زینت بخشیں'' - حاضرین جلسہ نے ڈاکٹر صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور ملک مبارز خان صاحب کرسی صدارت پر متمکن ہوئے۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے سورہ ''دھر'' کے پہلے رکوع کی چند آیتیں نہایت خوش الحانی سے تلاوت فرما کر جلسہ کی کارروائی کا افتتاح کیا۔

---

* زمیندار: ۳، ۶ فروری ۱۹۱۲ء -

اسی جلسہ میں تیسری قرارداد[۱] پر جو مولوی غلام محی الدین قصوری نے پیش کی، تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے فرمایا:

"بادشاہ سلامت کے آنے سے انگلستان ہندوستان سے قریب تر ہو گیا ہے جس سے ہندوستانیوں کو بہت برکات و فیوض حاصل ہوں گے۔ جن لوگوں کو انگلستان کی اصلی زندگی دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ انگلستان ایک اعلیٰ پایے کا ملک ہے اس لیے ہندوستان کا اس سے قریب تر ہو جانا باعث انتفاع ہے۔

"بادشاہ سلامت کے آنے سے یہاں کی قومیں باہم مل جائیں گی۔ اگرچہ فی مابین بعض معاملات میں اختلاف ہے مگر ہم یقین کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد نیک نیتی پر ہوگی اور اس قسم کے اختلافات کا ماحصل رحمت ہوا کرتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مل کر کام کیا جائے۔ شہنشاہ معظم کی شخصیت ایسی ہے کہ سب لوگ اس سے نسبت اشتراک رکھتے ہیں اور اس لیے ہمارا خیال ہے کہ اتحاد روز بروز بڑھتا جائے گا مگر مسلمانوں کو اپنی ترقی کے لیے خود ہاتھ پاؤں مارنے چاہییں۔ ہندوؤں کو اب تک جو کچھ ملا ہے محض اپنی کوششوں سے ملا ہے......۔"

اس کے بعد نہایت جوش سے فرمایا:

"اسلام کی تاریخ کو دیکھو، وہ کیا کہتی ہے؟ عرب کے خطّے

۱۔ قرارداد کا مضمون یہ تھا:

"مسلمانان لاہور کا یہ عام جلسہ اس گہرے رشتہ اتحاد کی دل سے قدر کرتا ہے جس کے ذریعہ سے حضور ملک اعظم اور علیا حضرت ملکہ معظمہ کی رونق افروزی ہند نے انگلستان و ہندوستان کو باندھ دیا ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب کہ مسلمانان ہند حکومت عالیہ کے سایہ ہما پایہ کے تلے ہندوستان کی بین الاقوامی محفل میں وہ درجہ حاصل کریں گے جس کے وہ اپنی کثرت تعداد و اہمیت کے لحاظ سے مستحق ہیں۔" (زمیندار: ۳ فروری ۱۹۱۲ع)

کو یورپین معماروں نے ردی اور بیکار پتھر کا خطاب دے کر یہ کہدیا تھا کہ اس پتھر پر کوئی بنیاد کھڑی نہیں ہو سکتی۔ ایشیا اور یورپ کی قومیں عرب سے نفرت کرتی تھیں مگر عربوں نے جب ہوش سنبھالا اور اپنے کس بل سے کام لیا، تو یہی پتھر دنیا کے ایوان تمدن کی محراب کی کلید بن گیا اور خدا کی قسم روما جیسی باجبروت سلطنت عربوں کے سیلاب کے آگے نہ ٹھہر سکی۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جو اپنے بل پر کھڑی ہوئی۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے خدا، اپنے رسول، اپنے دین اور اپنے قوت بازو پر بھروسا رکھ کر حاکموں سے مؤدبانہ حاجات طلب کریں اور بنی نوع انسان میں امن و امان قائم رکھیں کیونکہ اسلام ہمیں شر و فساد کی ممانعت کرتا ہے۔ اِن اصولوں کو مدنظر رکھ کر باقی اقوام سے ربط و اتحاد بڑھائیں اور جو سیکھ سکتے ہیں انہیں سکھائیں، جو سکھا سکتے ہیں ان سے سیکھیں۔ اور حتی الوسع ہمارا وہ نصب العین ہو جو اگلے مسلمانوں کا تھا۔''

— o —

مسٹر گوکھلے کے مسودہ تعلیم لازمی کی تائید میں تقریر *

۱۸ فروری ۱۹۱۲ء کو اسلامیہ کالج حبیبیہ ہال لاہور میں مسٹر گوکھلے کے مسودہ تعلیم لازمی، جو انہوں نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا تھا، کی حمایت میں ایک جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''مسئلہ تعلیم پر غور کرنے کے لیے لاہور میں دو جلسے پیشتر بھی ہو چکے ہیں مگر اس جلسے میں اس بل کے جبریہ پہلو پر

---

* زمیندار: ۲۰ فروری ۱۹۱۲ء۔

غور ہوگا۔ لفظ جبر سے کسی کو کھٹکنا نہ چاہیے۔ جس طرح چیچک کا ٹیکہ لازمی اور جبری قرار دیا گیا ہے اور یہ لزوم و جبر اس شخص کے حق میں کسی طرح مضر نہیں ہو سکتا جس کے ٹیکہ لگایا جاتا ہے، اسی طرح جبریہ تعلیم بھی قابل اعتراض متصور نہیں ہو سکتی۔ جبریہ تعلیم بھی گویا روحانی چیچک کا ٹیکہ ہے۔ اسلام میں جبر کی تعلیم موجود ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنے بچوں کو زبردستی نماز پڑھائیں۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس جبریہ تعلیم کے قانون کی حد میں لڑکیاں بھی آ جائیں گی مگر ہم چاہیں تو اس شق کو قانون سے نکلوانے کی کوشش کر سکتے ہیں ..... اس بل پر اس وقت تک جو اعتراضات ہو چکے ہیں وہ بالکل لغو اور بے ہودہ ہیں۔ میں ایک ایک اعتراض کو پیش کر کے بدلائل شائستہ اس کی تردید کرتا مگر وقت نہیں اور بہت سے حضرات تقریریں کرنے والے ہیں۔''

جلسہ میں خواجہ کمال الدین نے درج ذیل قرار داد پیش کی:

''مسلمانوں کا یہ عام جلسہ جبر کے اس عام اصول کی بڑے زور سے تائید کرتا ہے جو مسٹر گوکھلے نے اپنے مسودہ قانون تعلیم ابتدائی میں اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اصول تعلیم اسلام کے تابع ہونے کے علاوہ اس ملک کے باشندوں کی مادی اور اخلاقی فلاح کا ممد ہے۔''

اس قرار داد پر تقریروں کے بعد صدر جلسہ نے اٹھ کر حاضرین سے پوچھا کہ قرار داد منظور ہے تو سب نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور قرار داد باتفاق رائے منظور ہو گئی۔ چند سیکنڈ کے بعد اسیّ برس کے ایک پیر مرد اپنی جگہ پر کھڑے

ہوئے اور کہنے لگے : ''میں اس کی تائید کرتا ہوں مگر چند الفاظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں''۔ صدر جلسہ نے فرمایا : ''اگرچہ رزولیوشن منظور ہو چکا ہے۔ مگر میں اب بھی اجازت دیتا ہوں کہ جو شخص مخالفت کرنا چاہے وہ سامنے آئے۔ اس کی باتوں کا جواب دیا جائے گا۔'' یہ سن کر وہی پیر مرد پھر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ''سررشتہ تعلیم بہت عرصہ سے جاری ہے اور یہ سرکار کی مہربانی ہے مگر افسوس ہے کہ جو شخص تعلیم پاتا ہے وہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ ہمارا نصاب تعلیم مذہبی ہونا چاہیے۔ میں ہر رزولیوشن کی تائید تو کروں گا ، مگر ساتھ ہی ساتھ اسی طرح جزو لگاتا جاؤنگا۔''

— o —

اسلام اور بالشوزم*

اخبار ''زمیندار'' کی اشاعت مورخہ ۲۳ جون ۱۹۲۳ع میں شمس الدین حسن کا ایک مضمون پروفیسر غلام حسین[1] کے متعلق

---

* زمیندار : ۲۴ جون ۱۹۲۳ع -

۱- کامریڈ غلام حسین ۱۹۲۳ع میں بالشویک سازش کے مقدمہ میں گرفتار ہوئے۔ غلام حسین جو پہلے ایڈورڈ کالج پشاور میں پروفیسر تھے، نومبر ۱۹۲۲ع میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر اخبار ''انقلاب'' جو ستمبر ۱۹۲۲ع میں اشتراکی خیالات کی تبلیغ کے لئے نکالا گیا تھا سے منسلک ہو گئے۔ یہ پرچہ مالی خسارے اور محدود دائرہ مقبولیت کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد کامریڈ غلام حسین اور چند دیگر آدمیوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

شمس الدین حسن مدیر ''انقلاب'' نے اپنے ایک مضمون مورخہ ۲۳ جون میں لکھا کہ اگر بالشویک خیالات کا حامی ہونا ''جرم ہے تو پھر ہمارے ملک کا سب سے بڑا شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کیوں قانون کی زد سے

اگلے صفحہ پر

شائع ہوا جس میں اشتراکیت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے صاحب مضمون نے علامہ اقبال کی ان نظموں کا حوالہ دیا جن میں سرمایہ و محنت کے متعلق اظہار خیالات ہوا تھا۔ اس حوالے سے شمس الدین حسن کا منشاء عقائد اشتراکیت کا جواز ثابت کرنا تھا۔ علامہ اقبال نے درج ذیل مکتوب اس بارے میں بغرض اشاعت ''زمیندار'' کو ۴ ۲ جون کو بھیجا:

''مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار! السلام علیکم! میں نے ابھی ایک اور دوست سے سنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بولشویک خیالات منسوب کیے ہیں۔ چونکہ بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔

''میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے۔ لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے، جیسا کہ بولشویک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لیے قانون میراث

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵

بچ سکتا ہے۔ کیونکہ بالشویک نظام حکومت کارل مارکس کے فلسفہ سیاسیات کا لب لباب ہے اور کارل مارکس کے فلسفہ کو عام فہم زبان میں سوشلزم اور کمیونزم کہا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تھوڑی سی عقل کا مالک بھی سر محمد اقبال کی 'خضر راہ' اور 'پیام مشرق' کو بغور دیکھے تو وہ فوراً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ علامہ اقبال یقیناً ایک اشتراکی ہی نہیں بلکہ اشتراکیت کے مبلغ اعلیٰ ہیں ....''

(زمیندار: ۲۳ جون ۱۹۲۳ع)

اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے اور فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریق قابل عمل بھی ہے۔ روسی بالشوزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردعمل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے اور جس کا میں نے اوپر اشارتاً ذکر کیا ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس مدعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رو سے وہی راہ آسان اور قابل عمل ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ اسلام سرمایہ کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرت انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرا عقیدہ ہے: 'فاصبحتم بنعمتہ اخواناً' میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں، جس کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق و تولید ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جسکے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہونگے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی

محمود کیوں نہ ہو، ان کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی پولیٹیکل اکانومی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ لاہور کی لیبر یونین کے مسلمان ممبر بالخصوص اس طرف توجہ کریں۔ مجھے ان کے اغراض و مقاصد کے ساتھ دلی ہمدردی ہے مگر مجھے امید ہے کہ وہ کوئی ایسا طریق عمل یا نصب العین اختیار نہ کریں گے جو قرآنی تعلیم کے منافی ہو۔''

(محمد اقبال، بیرسٹرایٹ لا، لاہور۔)

—o—

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں تقریر*

۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو انجمن حمایت اسلام کی مجلس عامہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ بہت بحث اور جھگڑوں کے بعد انتخاب عمل میں آیا۔ مجلس عامہ کی روئداد کی تصدیق کے لیے ۸ جولائی کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی فضل دین نے جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آیا روئداد کی تصدیق کی جائے یا نہ کی جائے۔ بعض ارکان مجلس عامہ چاہتے تھے کہ روئداد کے اس حصہ کی، جس میں خان صاحب عبدالعزیز اور خان صاحب ملک کرم دین کو انجمن کی کونسل کا رکن بنانے کی تجویز تھی، کی تصدیق نہ کی جائے۔ لیکن مولوی فضل دین صدر جلسہ نے اس روئداد کی تصدیق کر دی۔ اس پر اعتراضات کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ اسی شور و شغب میں ایک شخص نے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا نام پیش کر دیا

---

* زمیندار: ۱۴ جولائی ۱۹۲۳ء۔

اور تجویز کی کہ آپ کو سیکرٹری بنا دیا جائے۔ اس پر ڈاکٹر اقبال نے فرمایا:

''میں نے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا کہ میں یہ فرائض انجام نہیں دے سکتا لیکن مجھے کہا گیا تھا کہ میرا نام رہنا ضروری ہے۔ کام کرنے کے لیے مولوی غلام محی الدین صاحب کا نام منظور کیا گیا تھا، اب بھی میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں کام نہیں کر سکتا۔''

احباب نے ڈاکٹر صاحب کو خاموش کرا دیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر باجازت صاحب صدر بولنے لگے۔ آپ نے نہایت غصہ کی حالت میں فرمایا:

''موجودہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد میں اس انجمن کا سیکرٹری تو کیا اسکی کونسل تک کا رکن رہنا پسند نہیں کرتا۔ انجمن حمایت اسلام نہ صرف پنجاب اور ہندوستان بلکہ ایشیا اور دنیائے اسلام میں مشہور ہے۔ جب اسکے ارکان کی اس کار گذاری کا حال ان ممالک میں سنایا جائے گا تو پنجاب اور ہندوستان کے باشندوں کی علی العموم اور مسلمانوں کی علی الخصوص سخت رسوائی ہوگی۔ بعض ارکان نے خدا جانے ایسی حرکات کیوں کی ہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ صاف ہو جائے اور جب تک یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا، میں انجمن کا رکن بننا بھی پسند نہ کروں گا۔

''کس طرح ملک کرم دین صاحب سے پوچھا گیا، ایک بار نہیں بلکہ دو بار اور انہوں نے یہ کہا کہ میں نہ کسی سے ملا ہوں نہ میں نے کسی سے کہا کہ میں شملہ تبدیل ہو گیا ہوں، نہ جنرل کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوا ہوں، نہ کہیں باہر جا رہا ہوں۔ یہ تمام باتیں گھڑی گئیں ہیں۔ پھر ان سے

اپنے مطلب کے موافق لکھوانے کے لیے اور تحریر پر کوئی پچھلی تاریخ ڈلوانے کے لیے کوشش کی گئی۔ ان کی منتیں سماجتیں کی گئیں۔ اب منشی عبدالرحمن صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب فرمائیں کہ معاملہ کیا ہے۔''

پھر شور مچا۔ مختلف تقریریں ہوئیں لیکن ارکان مجلس عامہ نے چٹھی کے مسئلے کو نظر انداز کر دیا اور باتفاق رائے قرار پایا کہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال انجمن کے سیکرٹری ہوں۔

— o —

سلطان ابن سعود اور حکومت حجاز پر اظہار خیالات*

۱۹۲۴ع کے آخر میں حجاز کا نظام حکومت سابق خلیفہ کے سپرد کرنے کی تجویز ہوئی۔ ''مسلم آؤٹ لک'' کے نمائندے نے اس سلسلے میں علامہ سر محمد اقبال کے خیالات معلوم کرنے کے لیے ان سے ملاقات کی۔ دوران ملاقات علامہ اقبال نے حرم پاک کی خدمت و حفاظت کا منصب سابق خلیفۃ المسلمین عبدالمجید کے سپرد کرنے کی تجویز کے متعلق فرمایا:

''یہ تجویز نامناسب ہے اور اگر موجودہ نازک صورت حالات میں اس پر زیادہ زور دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں دنیائے اسلام کے پیچیدہ معاملات میں مزید الجھنیں پیدا نہ ہو جائیں۔ ابن سعود عام وہابیوں کا نمائندہ ہے اور سابق خلیفۃ المسلمین سنی دنیائے اسلام کے دینی پیشوا رہ چکے ہیں۔ حجاز اس وقت عملاً وہابیوں کے قبضے میں ہے۔ اگر اس حالت میں سابق خلیفۃ المسلمین کو حاکم حجاز بنانے کی کوشش کی گئی تو اندیشہ

---

* زمیندار: ۳ نومبر ۱۹۲۴ع۔

ہے کہ مسلمانوں کے ان دو فرقوں میں سخت کشمکش شروع ہو جائے گی۔''

نمائندہ نے سوال کیا: ''تو ڈاکٹر صاحب کیا آپ موجودہ صورت حالات سے پورے طور پر مطمئن ہیں۔ اور عارضی طور پر بھی حجاز کی عنان نظم و نسق سابق خلیفۃ المسلمین کے حوالے کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے؟''

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میں اس انتظام کو عارضی اور ہنگامی طور پر بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ میری رائے یہ ہے کہ ایسی تجویز کا پیش کرنا ہی ایک غلطی ہے۔ میں حجاز کی موجودہ صورت حالات سے پورے طور پر مطمئن ہوں اور ابن سعود پر بدون تذبذب اعتماد رکھتا ہوں۔ میری رائے میں سلطان نجد ایک روشن خیال آدمی ہے اور جو لوگ سلطان موصوف سے ملے ہیں یا انہوں نے نجد کو دیکھا ہے، وہ میری اس رائے کے مؤید ہیں۔ امریکہ کا ایک مصنف اپنی کتاب 'الاسلام' میں سلطان نجد کو ایشیا کا بہترین حاکم اور سر زمین نجد کو زوال آمادہ دنیائے اسلام کی صاف اور پاک ترین جگہ بتاتا ہے۔''

اس پر نمائندہ نے سوال کیا: ''ڈاکٹر صاحب آپ فرماتے ہیں کہ سلطان نجد روشن خیال ہیں۔ تو کیا ان سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ حجاز کے متعلق بین الملی اسلامی مؤتمر کے فیصلے کی پابندی کریں گے؟''

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میں مستقبل کے حالات و واقعات کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت دنیائے اسلام میں گونا گوں تغیرات کا سلسلہ قائم ہے۔ لیکن ابن سعود چونکہ خود نمائندگان عالم اسلام کی مؤتمر منعقد کرنے کے خواہاں ہیں اس لیے توقع ہے کہ وہ اس مؤتمر کے فیصلے کی پابندی کریں گے...

''بہت ممکن ہے کہ عرب میں ابن سعود کے ماتحت ایک زبردست قومی تحریک نشو و نما پائے اور اس کے آثار و علائم نظر آ رہے ہیں۔ اس 'احساس خودی' کا ہمیں تہہ دل سے خیر مقدم کرنا چاہیے، اگرچہ اس کی تہہ میں تجرد و تفرید کے مادہ کی نشو و نما کا بھی اندیشہ ہے۔ لیکن ہمیں کچھ مدت تک اس تجرد و تفرید کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ عرب فطرتاً جمہوریت پسند ہیں اور سر زمین عرب میں کوئی مطلق العنان حکومت زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔

''مسلمانان عالم اگر سابق خلیفۃ المسلمین کی ذات سے کچھ کام لینا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اشاعت اسلام کا ایک عظیم الشان نظام قائم کریں اور سابق خلیفۃ المسلمین کو اس نظام کا صدر بنا دیں۔ خلیفۃ المسلمین کو اس امر پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کسی اسلامی ملک میں سکونت اختیار کریں اور تحریک اشاعت کی تنظیم فرمائیں۔ مبلغین کے لیے ایک وسیع بین الملی درسگاہ کا انتظام ہونا چاہیے، وہاں وہ ضروری تعلیم حاصل کریں۔ پھر اسلام کی مشعل ہاتھ میں لے کر دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ جائیں۔ خاندان عثمان کے سلاطین نے مقاصد اسلام کی عدیم النظیر اور فقید المثال خدمات انجام دی ہیں۔ اگر اشاعت اسلام کی تحریک کو سابق خلیفۃ المسلمین عبدالمجید خان کی سرپرستی میں شروع کیا جائے تو اس سے دنیائے اسلام میں مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی ایک ہنگامہ خیز حرکت و جنبش پیدا ہو جائے گی۔''

— o —

مسٹر چنتامنی کی قوم پرست جماعت کے متعلق بیان*

۶ اپریل ۱۹۲۶ء کو چنتامنی کی قوم پرست جماعت سے استعفیٰ دینے کے متعلق علامہ سر محمد اقبال نے درج ذیل بیان دیا:

''بعض اصحاب مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ نیشنل لبرل لیگ میں میری شرکت اور اس کے بعد مستعفی ہو جانے کی کیا وجہ تھی اور اس کے بعد میں نے اس جلسے کے داعیوں میں اپنا نام درج کرنے کی اجازت کیوں دی، جو بعض ارباب سیاست کی طرف سے بمبئی میں منعقد ہونے والا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کشیدگی کے باعث جو شرمناک حالات پیدا ہو رہے ہیں اور صوبے کی فضا جیسی مکدر ہو رہی ہے، اسے کوئی مخلص انسان اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات کو دور کرکے ملک میں بھائیوں کی طرح سے رہیں۔ اور بات بات میں ایک دوسرے کا سر نہ پھوڑتے پھریں۔ میرے بعض احباب نے مجھ سے کہا کہ پنجاب کی مختلف اقوام کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے ایک متحدہ کوشش ضروری ہے جس میں ہر جماعت کے افراد شامل ہوں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پیش نظر فی الحال کوئی سیاسی مقصد نہیں ہے تاہم اخلاقی اعتبار سے اس میں شرکت کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں، چنانچہ میں ان کی اس کوشش میں شریک ہوا لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد معلوم ہوا کہ گوہر مقصود یہاں بھی مفقود ہے اور ملک میں ابھی حصول مقصد کے امکانات بہت کم ہیں۔ اس بنا پر میں نے اس جماعت سے استعفیٰ دے دیا۔

''اس کے بعد چند روز ہوئے مسٹر چنتامنی کا تار میرے نام موصول ہوا جس میں مجھ سے استدعا کی گئی تھی کہ مجوزہ نیشنلسٹ

---

* زمیندار: ۶ اپریل ۱۹۲۶ء۔

کانفرنس کے داعیوں میں اپنا نام درج کرنے کی اجازت دیجیے ۔ میں نے رسمیً طور پر جلسے کا داعی بننا منظور کیا اور ان کو اجازت دے دی کہ وہ میری طرف سے دستخط کر دیں ، جس سے میری مراد کسی سیاسی جماعت کی موافقت یا مخالفت نہ تھی ۔ نہ مسٹر چنتامنی کے تار میں ایسے الفاظ تھے ، جن سے معلوم ہوتا کہ ان کا جلسہ کسی سیاسی جماعت کی مخالفت کے لیے ہے ۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کے جلسے کا مقصود بالخاصہ سوراجی جماعت کی مخالفت تھا ۔

''میں اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اب تک تمام سیاسی جماعتوں سے علاحدہ رہا ہوں ۔ البتہ میری خواہش یہ رہی ہے اور ہے ، کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں کہ موجودہ فضا ملک کے لیے بالبداہت باعث ننگ ہے اور مختلف اقوام کی اخلاق و معاشرتی زندگی کے لیے نہایت مضرت رساں ہے ۔ کسی سیاسی جماعت سے میرا کوئی تعلق نہیں ۔ ہاں اہل ہند کے باہمی تعلقات کی درستی میں ہر مخلص شخص کے ساتھ ہوں ۔''

محمد اقبال از لاہور

—o—

کونسل کی امید واری کے لیے اعلان*

علامہ سر محمد اقبال نے پنجاب کونسل کا امیدوار کھڑا ہونے کے لیے ۲۰ جولائی ۱۹۲۶ع کو درج ذیل اعلان کیا :

''میرے تمام احباب اور اکثر معززین و باشندگان شہر کو ایک مدت سے معلوم ہے کہ میں پنجاب کونسل کے آئندہ انتخابات میں

---

*زمیندار : ۲۰ جولائی ۱۹۲۶ع ۔

حلقہ لاہور کی طرف سے بطور امیدوار کھڑا ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں لیکن میں اب تک اس کے متعلق باقاعدہ اعلان کرنے سے محترز رہا اس لیے کہ میرے عزیز دوست میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لا موجودہ کونسل میں اس حلقے کی طرف سے نمائندگی فرما رہے ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا ارادہ امیدواری میرے کسی دوست کے ارادے سے متصادم ہو اور مسلمانوں پر تفریق و کشمکش کا دروازہ کھلے - میں میاں عبدالعزیز صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ حلقہ لاہور کی طرف سے امیدوار بننے کا ارادہ میرے حق میں ترک فرما چکے ہیں اور اس کی نسبت 'زمیندار' میں ان کا اعلان بھی شائع ہو گیا ہے - لہذا انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے کامیاب بنانے کی پوری کوشش فرمائیں گے -

''اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی امیدواری کا باقاعدہ اعلان کر دوں - مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں اب تک اس قسم کے مشاغل سے بالکل علحدہ رہا - محض اس لیے کہ دوسرے لوگ یہ کام انجام دے رہے تھے اور میں نے اپنے لیے دوسرا دائرہ کار منتخب کر لیا تھا - لیکن اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ میں اپنا حلقہ عمل قدرے وسیع کروں - شاید میرا ناچیز وجود اس طرح اس ملت کے لیے زیادہ مفید ہو سکے جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل و نہار گذرے ہیں - میرے خیالات و جذبات ہر مسلمان پر روز روشن کی طرح آشکارا ہیں اور مجھے کامل امید ہے کہ وہ کونسل میں اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے میری ذات پر اعتماد کرنے میں ایک لحظہ کے لیے بھی متامل نہ ہوں گے - میں اپنے طول و طویل دعاوی کو شائستہ توجہ نہیں سمجھتا - عمل دلی جذبات کے ملفوظ اظہارات کا بہترین معیار ہے - خدا کرے کہ میں اس معیار پر پورا اتر سکوں -

''آخر میں میں پھر اپنے عزیز دوست میاں عبدالعزیز صاحب کا

شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ نیز ان اصحاب کا بھی دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے میاں عبدالعزیز صاحب کے اعلان دست برداری کے بعد بذریعہ 'زمیندار' مجھ پر کامل اعتماد کا اظہار فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے اس اعتماد کو حق بجانب کرنے کی توفیق دے ۔ آمین''۔

—o—

انتخابی جلسوں میں تقاریر

علامہ سر محمد اقبال نے جب ۱۹۲۶ء کے انتخابات میں پنجاب کونسل کی رکنیت کا امیدوار کھڑا ہونے کا اعلان کیا تو لاہور میں ان کی حمایت میں تقریباً ۲۰ جلسے منعقد کیے گئے۔ جن میں اکابرین لاہور اور مختلف انجمنوں نے استدعا کی کہ علامہ صاحب کو بلا مقابلہ منتخب کیا جائے ۔ میاں عبدالعزیز بار ایٹ لا اور چوہدری محمد حسین ان کے حق میں دستبردار ہوگئے لیکن ملک محمد دین نے ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ۔

۱۱ اکتوبر کو ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا :

''میں انگریزی ، آردو ، فارسی میں برنگ نثر بھی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا ۔ لیکن یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ طبائع نثر کی نسبت شعر سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں ۔ لہٰذا میں نے مسلمانوں کو زندگی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرنے ، اسلاف کے نقش قدم پر چلانے اور نا امیدی ، بزدلی اور کم ہمتی سے باز رکھنے کے لیے نظم کا ذریعہ استعمال کیا ۔ میں نے پچیس سال تک اپنے بھائیوں کی مقدور بھر ذہنی خدمت کی ۔ اب میں ان کی بطرز خاص* عملی خدمت

---

* زمیندار : ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۶ء ۔

کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہا ہوں۔

''اسلامیان ہند پر عجب دور گزر رہا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ایک شاہی مجلس تحقیقات اصلاحات، جسے 'رائل کمشن' کہتے ہیں، یہ تحقیق کرے گی کہ آیا ہندوستان مزید رعایات و اصلاحات کا مستحق ہے یا نہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان بھی اس باب میں پوری توجہ سے کام لیں اور اپنے حقوق کا تحفظ کریں۔ ممبر کا سب سے بڑا وصف یہ ہونا چاہیے کہ ذاتی اور قومی منفعت کی ٹکر کے وقت اپنے شخصی مفاد کو مقاصد قوم پر قربان کر دے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی بھی اپنے مفاد کو قوم کے مصالح کے مقابلہ میں ترجیح نہیں دوں گا اور رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس امر کی توفیق بخشے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ میں اغراض ملی کے مقابلے میں ذاتی خواہشوں پر مر مٹنے کو موت سے بد تر خیال کرتا ہوں۔''

---

۱۵ اکتوبر کو ایک جلسہ زیر صدارت ملک محمد حسین منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے علامہ اقبال کی حمایت میں پرزور تقریر کی*۔ جلسہ کے اختتام پر علامہ اقبال نے معززین، رضا کاران اور حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:

''میں جناب حاجی شمس الدین صاحب (بیرون دہلی دروازہ) کا بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے قبولیت حق میں سبقت فرمائی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صبح ایک وفد جناب حضرت مہر صوبہ صاحب کی سر کردگی میں میرے پاس پہنچا کہ مجھ کو ملک محمد دین صاحب کے حق میں دستبردار ہو جانا چاہیے۔ میں نے اس وفد کے سامنے اسلامیت کا اصول پیش کیا کہ مسلمانوں

---

* زمیندار: ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

کا نائب وہی ہو سکتا ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حاجی شمس الدین صاحب نے اس اصول حقہ کو سب سے پہلے قبول کیا۔ آپ باوجود ضعیف العمری کے ہمراہ جلوس رہے۔ اب ہم کو پھر ابراہیمی کام کرنا ہے اور ذات پات کے بت کو پاش پاش کرنا ہے۔ میں نوجوانوں کے سامنے عنقریب ایک سوشل پروگرام پیش کرنے والا ہوں۔''

---

۱۹ نومبر کو علامہ اقبال نے ایک تقریر* میں فرمایا:

''مسلمانوں کی زندگی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ میں نے برسوں مطالعہ کیا، راتیں غور و فکر میں گزار دیں تاکہ وہ حقیقت معلوم کروں جس پر کاربند ہو کر عرب حضور سرور کائنات ؐ کی صحبت میں تیس سال کے اندر اندر دنیا کے امام بن گئے۔ وہ حقیقت اتحاد و اتفاق میں ہے جو ہر شخص کے لبوں پر ہر وقت جاری رہتی ہے، کاش ہر مسلمان کے دل میں بیٹھ جائے۔ نسلی اور اعتقادی اختلافات میں تنگ نظری اور تعصب نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ اختلاف رائے ایک طبعی امر ہے اس لیے کہ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی نظر مختلف ہے، اسلوب فکر مختلف ہوتی ہے لیکن اس اختلاف کو اس طریقے پر رکھنا چاہیے جس طرح کہ ہمارے آباو اجداد نے اسے رکھا۔ اس صورت میں اختلاف رحمت ہے۔ جب لوگوں میں تنگ نظری آ جاتی ہے تو یہ زحمت بن جاتا ہے۔ مسلمانو! میں تمہیں کہتا ہوں کہ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو متحد ہو جاؤ۔ اختلاف بھی کرو تو اپنے آباء کی طرح، تنگ نظری چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں کہ تنگ نظری چھوڑنے سے سب اختلافات مٹ سکتے ہیں۔

''مسلمانان ہند کے لیے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ وہ

---

* زمیندار: ۲۱ نومبر ۱۹۲۶ء

ہندوستان کی سیاسیات کے ساتھ گہری دلبستگی پیدا کریں - جو لوگ خود اخبار نہ پڑھ سکتے ہوں وہ دوسروں سے سنیں - اس وقت جو قوتیں دنیا میں کار فرما ہیں ان میں سے اکثر اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں - لیکن 'لیظھرہ علی الدین کلہ' کے دعویٰ پر میرا ایمان ہے کہ انجام کار اسلام کی قوتیں کامیاب اور فائز ہوں گی : 'لا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلمون ان کنتم مومنین' -

''میں کہتا ہوں کہ مخالف کو بھی نرمی سے سمجھاؤ 'جا ولھم بالتی ھی احسن' - قلب کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ محبت سے رام ہو سکتا ہے - مخالفت اور عداوت سے رام نہیں ہو سکتا -''

—o—

سپاس تبریک*

۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو علامہ اقبال کی کامیابی کا اعلان ہوا - مختلف لوگوں نے مبارک باد کے خطوط اور تار بھیجے - ان کے جواب میں آپ نے درج ذیل الفاظ میں ''زمیندار'' کی وساطت سے ان کا شکریہ ادا کیا :

''جن بے شمار احباب نے پنجاب کونسل کی ممبری میں میری کامیابی پر مبارکباد کے تار اور خطوط ارسال فرمائے ہیں ، ان کا فرداً فرداً جواب دینا میرے لیے بے انتہا مشکل ہے - اس لیے 'زمیندار' کی وساطت سے ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں -''

محمد اقبال ، لاہور

---

* زمیندار: ۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء-

۲۶ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ککے زئی برادری نے علامہ اقبال کے اعزاز میں ایک دعوت طعام دی۔ علامہ اقبال نے اس تقریب میں ایک مؤثر تقریر فرمائی جس میں مسلم ارکان کونسل سے پر زور استدعا کی کہ وہ دیہاتی اور غیر دیہاتی وغیرہ کے امتیازوں سے یکسر کنارہ کش ہو کر متحدہ طور پر اسلام اور وطن کی خدمت انجام دیں*۔

— o —

جلسہ عام سے خطاب**

سوامی شردھانند کے قتل کے بعد بعض آریہ سماجی اخبارات مثلاً "پرتاپ" و "ملاپ" اور ہندو لیڈروں نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک حقارت آمیز اور خطرناک پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے مسلمانان لاہور کے دو عام جلسے بصدارت ڈاکٹر سر محمد اقبال منعقد ہوئے۔ پہلا جلسہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء کو باغ بیرون موچی دروازہ ہوا۔ جس میں علامہ اقبال نے ایک بصیرت افروز افتتاحی خطبہ دیا۔

دوسرا جلسہ بھی بیرون موچی دروازہ ۳۰ جنوری کو منعقد ہوا۔ اجلاس کے اختتام پر علامہ اقبال نے فرمایا:

"گذشتہ تقریروں کے بعد کسی اور تقریر کی ضرورت نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس قدر سیراب ہو چکے ہیں کہ اب اس میں ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ آپ نے عمل کرنے کے لائق ایسی باتیں سنی ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو صبح تک یاد بھی رہیں گی یا نہیں۔

---

* زمیندار: ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء۔
** ایضاً: ۲ فروری ۱۹۲۷ء۔

''ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں ہر جگہ ہماری رسوائی کے چرچے ہو رہے ہیں۔ ہمارے باہمی تنازعات بہت افسوسناک ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہماری اس کشمکش کے نتائج ایشیا کے دیگر ممالک کے حق میں کیا ہوں گے۔ میرے تصور میں صداقت ایک ایسا تراشا ہوا ہیرا ہے جس کے کئی پہلو ہیں اور اس کے ہر پہلو سے مختلف رنگ کی شعائیں نکل رہی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی پسند کے مطابق کسی رنگ کی شعاع کو اختیار کر لیتا ہے اور اپنے نقطہ نگاہ سے صداقت کو دیکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صداقت کو دیکھنے کا ایک مطلق نقطہ نگاہ بھی موجود ہے اور وہی نقطہ نگاہ اسلام ہے۔ اس لیے روا داری کا اصول یہی ہے کہ مثال بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی کو یہ نہ کہا جائے کہ تم باطل پر ہو۔

''انسانوں کے طبائع مختلف ہیں اور ان کی تربیت مختلف قسم کے طبعی اور جغرافیائی اصول پر ہوتی ہے، اس لیے صداقت کے متعلق ان کے نقطہ ہائے نگاہ میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے لیکن اس اختلاف کا نتیجہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ آپس میں سر پھٹول ہو۔ قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ اے لوگو! اگر تم فروعی امور میں متحد نہیں ہو سکتے تو اسی ایک بات پر اتحاد کر لو جو تم سب میں متفق ہے۔ اسلام نے بھی اسی صداقت کی تعلیم دی ہے جو زمانہ قدیم کے بعض رشیوں نے دی (آپ نے اس موقع پر سنسکرت کا ایک اشلوک پڑھ کر سنایا جس کا مفہوم قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق تھا کہ ''کل شی ہالک الا وجہ اللہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔'')

''میں تم سے صداقت کے نام سے اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لیے حقائق کی طرف دیکھو اور آپس میں نہ لڑو۔ ہندوستان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی اغراض کے لیے تمہارے درمیان پھوٹ ڈالنے کی مساعی میں رہتے ہیں۔ اگر تم آپس میں لڑو گے تو ملک میں

بد امنی ہو گی ۔ سب کو تکلیف اٹھانی پڑے گی ۔ ہندو پرانے قصے تازہ کر رہے ہیں لیکن گڑے مردوں کو اکھاڑنے سے کیا فائدہ ہے ۔
[آپ نے ہندوؤں کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا]

قفس میں اے ہم صفیر اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا
خزاں کا دورہ ہے گلستاں میں نہ تو رہے گا نہ ہم رہیں گے

"اگر تمہارے دل میں اس امر کا سچا جذبہ موجود ہے کہ ہم عزت و آبرو کی زندگی بسر کریں تو متحد ہونے کی صورت پیدا کرو ۔ کاش یہ لوگ دوسرے ممالک کی سیر کرتے اور دیکھتے کہ غلامی کی زندگی کے باعث ہندوستان کی کیا قدر ہے ۔ فروعی مذہبی جھگڑوں میں اشتعال دلانے سے نقصان ہوگا ۔ ہمارے لیے متحدہ قومیت کا تصور اچھا ہے اگرچہ اس اعلیٰ مقصد کے حصول میں دقتیں ہوں گی ۔ لیکن جب ہم اس مقصد بلند پر پہنچ جائیں گے تو بڑی لذت حاصل کریں گے اور کہیں گے کہ وقت ضائع نہ ہوا ۔ پس اے ہندوؤ اور مسلمانو! تم ایسے تعلقات پیدا کرو کہ ہم اختلاف برداشت کر لیا کریں ۔ سردی نہ ہوتی تو میں کچھ اور عرض کرتا ۔"

— o —

مذہب اور سائنس*

۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں مرزا بشیرالدین محمود نے سائنس اور مذہب کے موضوع پر تقریر کی ۔ جلسہ کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی ۔ تقریر کے خاتمہ پر علامہ اقبال نے مختصر سے الفاظ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ۔ آپ نے فرمایا :

---

* زمیندار : ۶ مارچ ۱۹۲۷ء ۔

''مذہب ، فلسفہ ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون سب کے سب مختلف راستے ہیں جو ایک ہی منزل مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں ۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس یعنی علوم جدیدہ اور فنون حاضرہ کے باب کھولنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاسات پر پرکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی اور یہی بات علوم جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی ۔

''ڈاکٹر ولیم جان ڈریپر کی مشہور و معروف کتاب 'معرکہ مذہب و سائنس' (ترجمہ از مولانا ظفر علی خان) اصل میں مذہب اور سائنس کی ہنگامہ آرائی کی مظہر نہیں بلکہ عیسائیت اور سائنس کے تصادم کی تاریخ ہے ۔ اس تصادم کی وجہ یہ تھی کہ یورپ کے علما و حکما مسلمانوں کی علمی ترقی سے متاثر ہوئے تو اہل فرنگ کے خیالات میں زبردست انقلاب پیدا ہونے لگا اور رومن کیتھولک مذہب والے اس علمی انقلاب سے متصادم ہوئے ۔ ڈاکٹر ڈریپر نے اسی انقلاب کی تاریخ لکھ دی ۔

''سائنس اور مذہب کے تصادم کا خیال غیر اسلامی ہے ۔ قرآن کریم کے ہر صفحہ پر انسان کو مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور منتہائے نظر یہ بتایا گیا ہے کہ قوائے فطرت کو مسخر کیا جائے ۔ چنانچہ قرآن پاک تو صاف الفاظ میں انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کر لیں گے تو ستاروں سے بھی پرے پہنچنے کے قابل ہو جائیں گے ۔

''مسلمانوں میں فرقہ معتزلہ اور دیگر فرقوں کے درمیان جو تنازعہ پیدا ہوا تھا وہ اس قسم کا نہ تھا جو یورپ کے روشن دماغ علماء اور تاریک خیال پادریوں کے درمیان پیدا ہوا بلکہ وہ تو ایک علمی بحث تھی ، جس کا موضوع محض یہ تھا کہ آیا ہمیں الہامی کلام ربانی کو عقل انسانی کے معیار پر پرکھنے کا حق حاصل ہے یا نہیں ۔''

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں تقریر*

علامہ سر محمد اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے اکتالیسویں سالانہ جلسہ میں ایک تقریر (The Spirit of Muslim Culture) فرمائی۔ تقریر کے اختتام پر علامہ اقبال نے اپنی تقریر کا خلاصہ اردو میں بیان کیا۔ آپ نے فرمایا :

''مکان و زمان اشیاء کی حقیقت انسان سے پوشیدہ ہے۔ ہر انسان کے دل میں ایک ہوس ہے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ اسے نظام عالم کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ یہود کا سوال 'لن نومن حتی نری اللہ جھرۃ' (ہم خدا پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اسے عیاناً نہ دیکھ لیں) اسی ہوس کا نتیجہ تھا۔ خود موسیٰ کلیم اللہ نے بھی 'رب ارنی انظر الیک' کی درخواست کی تھی۔ غرض مشاہدہ کی ہوس عالمگیر ہے۔ میں نے اس خیال کو دو ایک اشعار میں سمجھایا ہے :

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد
نگاہ شوق در امید و بیم است
نمی گردد کہن افسانہ طور
کہ در ہر دل تمنای کلیم است

''موسیٰ علیہ السلام کی کہانی پرانی نہیں، آج بھی ہر شخص 'رب ارنی' کہہ رہا ہے۔ حقیقت کا مشاہدہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا : 'و جعل لکم السمع و الابصار و الافئدہ لعلکم تشکرون' (۱۶ : ۳۰)

''اس آیت میں حصول علم کے ذریعوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک ذریعہ تو سمع و بصر ہے اور دوسرا ذریعہ انسان کا قلب ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ سمع و بصر کو چھوڑ کر کلی طور پر قلب کی طرف متوجہ

---

* زمیندار : ۲۰ اپریل ۱۹۲۷ ع۔

ہو جاؤ اور ایسا بھی نہ ہو کہ قلب سے غافل ہو کر یورپ والوں کی طرح بالکل سمع و بصر کے ہو رہو۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات قلب پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا۔ بلکہ ساری ایشیائی تہذیب کا خاصہ یہی ہے . . . .

''نظام عالم کی آفرینش یوں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی نمو کے لیے یا اپنے آپ کو ظاہر و نمایاں کرنے کے لیے دنیا کو پیدا کیا۔ اس خط سفر کا آخری نقطہ عالم ظاہر ہے۔ اب حقیقت تک پہنچنے کی راہ یہ ہے کہ اس آخری نقطہ سے الٹا سفر کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مظاہر کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کا مقصد یہ نہ ہونا چاہیے کہ انسان مشاہدہ حقیقت کے ساتھ اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسلام کا عندیہ یہ ہے کہ حقیقت کا مشاہدہ مردانہ وار کیا جائے۔ ایک شاعر نے اس حقیقت پر اس شعر میں روشنی ڈالی ہے:

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

''یہی اسلامی آئیڈیل ہے۔ اسلامی نقطہ خیال میں یہی معراج ہے کہ مشاہدہ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم ہے۔ لیکن تمرد و سرکشی کے لیے نہیں، بلکہ خدمت و عبدیت کے لیے۔ مسلم کو کسی چیز میں فنا نہ ہونا چاہیے گو یہ فنا فی اللہ کیوں نہ ہو۔''

—o—

پنجاب پراونشل مسلم لیگ، مئی ۱۹۲۷ء

۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو ۳۰ مقتدر مسلم رہنماؤں نے دہلی میں ایک جلسہ کر کے ہندو مسلم مسئلہ کے حل کرنے کے لیے چند تجاویز پیش کیں جو عام طور پر ''دہلی تجاویز'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مسلم رہنماؤں نے یہ اعلان کیا کہ اگر ہندو ان تجاویز کو بغیر کسی ترمیم کے منظور کر لیں تو وہ جداگانہ طریق انتخاب کو ترک کرنے کے لیے تیار ہیں۔ گو یہ تجاویز مسٹر کیلکر کے دسمبر ۱۹۲۵ء والے اجلاس ہندو مہاسبھا کے خطبہ صدارت پر مبنی تھیں، مگر جب وہی تجاویز مسلمانوں نے پیش کیں تو ہندوؤں، خاص کر ہندو مہا سبھا نے ان کی اخبارات اور عام جلسوں میں شدید مخالفت شروع کر دی۔ پنجاب کے سیاسی ماحول اور فرقہ وارانہ فضا کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں کے مسلم رہنماؤں کی اکثریت جداگانہ طریق انتخاب کو کسی صورت میں بھی ترک کرنے کو تیار نہ تھی۔ سر شفیع نے دہلی میں بھی جداگانہ طریق انتخاب کو چھوڑنے کی سخت مخالفت کی۔ ان تجاویز سے پیدا ہونے والی صورت حال پر اور پنجابی نقطہ نگاہ پیش کرنے کے لیے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا ایک اجلاس یکم مئی ۱۹۲۷ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد کیا گیا۔ سر محمد شفیع نے دہلی میں مسلمان رہنماؤں کی مرتب کردہ تجاویز اور ہندو مہا سبھا کے رویہ کے جواب میں ایک جامع تقریر کی۔ اسی جلسہ میں علامہ سر محمد اقبال نے درج ذیل قرارداد پیش کی:

''پنجاب پراونشل مسلم لیگ اپنے اس عقیدے کا اعادہ کرتی ہے کہ ملک کی موجودہ سیاسی حالت میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب ہی کے ذریعہ سے مرکزی مجلس وضع قوانین اور صوبوں کی مجالس وضع قوانین باشندگان ہند کی حقیقی نمائندہ مجالس بن سکتی ہیں۔ حلقہ ہائے انتخاب کی علحدگی ہی سے باشندوں کے جائز حقوق و فوائد محفوظ رہ سکتے ہیں اور اسی صورت میں وہ فرقہوار کشمکش دور ہو سکتی ہے، جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی

---

* انقلاب: ۳ مئی ۱۹۲۷ء۔

ہے اور جو مخلوط و مشترک حلقہ ہائے انتخاب سے پیدا ہوگی۔ اس لیے لیگ کی یہ قطعی رائے ہے کہ جب تک اقلیتوں کے حقوق کی مؤثر حفاظت کا انتظام نہ ہو، اس وقت تک مسلمان فرقہ وار حلقہ ہائے انتخاب کو دستور ہند کے ایک اساسی جزو کی حیثیت سے قائم رکھنے پر لازماً مصر رہیں۔''

علامہ موصوف نے اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ میں سب سے پہلا ہندوستانی ہوں جس نے اتحاد ہندو مسلم کی اہمیت و ضرورت کا احساس کیا اور میری ہمیشہ سے آرزو ہے کہ اتحاد مستقل حیثیت اختیار کرلے لیکن حالات حلقہ ہائے انتخاب کے اشتراک کے لیے موزوں نہیں ہیں اور ہمارے صدر[1] نے ہندو رہنماؤں کی تقریروں کے جو اقتباسات اپنے خطبۂ صدارت میں دئیے ہیں ان سے ہندوؤں کی افسوسناک ذہنیت آشکارا ہوتی ہے۔ اس ذہنیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تو حلقہ ہائے انتخاب کا اشتراک کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ میں حیران ہوں کہ مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی ذہنیت اختیار کرنے کی ہندوؤں کو کیوں ضرورت پڑی۔ مسلمان تعداد میں کم ہیں، اقتصادی حیثیت سے پیچھے ہیں، تعلیم میں پسماندہ ہیں۔ ویسے بڑے بھولے بھالے ہیں۔ حکومت انہیں آسانی سے چکنی چپڑی باتیں کرکے پھسلا لیتی ہے، ہندو انہیں پھسلا لیتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ہندوؤں نے یہ ذہنیت کیوں اختیار کی اور یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ذہنیت ہے اور اگر کوئی وجہ نہ ہوتی تو میں کہتا کہ تنہا اسی وجہ سے حلقہ ہائے انتخاب الگ رکھے جائیں۔

''آخر میں میں مسلمانوں سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ ایک طرف

۱۔ سر محمد شفیع۔

ہندوؤں کی کوششیں ان کے خلاف ہو رہی ہیں، دوسری طرف حکومت کے موجودہ نظام کی سرگرمیاں مسلمانوں کے خلاف جاری ہیں۔ ان مصیبتوں میں بچاؤ کی صورت محض یہ ہے کہ مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور مردانہ وار ہر مصیبت کا مقابلہ کریں۔"

تمام قراردادوں کی منظوری کے بعد علامہ اقبال نے ان الفاظ میں صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا:—

"میں جناب صدر صاحب سے ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کریں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ تمام مسلمانوں کو موجودہ حالات سے آگاہ کیا جائے۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ جناب صدر تمام بڑے بڑے شہروں کا دورہ کریں اور ہر مقام کے مسلمانوں کو موجودہ خطرات سے آگاہ فرمائیں۔ اس سلسلہ میں میری خدمات کی ضرورت ہو تو میں ہمہ تن تیار رہوں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مسلمان اس وقت دو خطرات میں مبتلا ہے اور اسے مردانہ وار دونوں خطروں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔"

—٥—

ہنگامہ لاہور پر بیان*

تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران ہندو مسلم اتحاد کا مثالی نمونہ منظر عام پر آیا لیکن ان تحریکوں کی ناکامی کے ساتھ فرقہ وارانہ تعصب اور فسادات کا تمام ہندوستان میں ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی نقطہ ہائے نگاہ کی خلیج کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی معاشی

---

* انقلاب : ۱۲ مئی ۱۹۲۷ء۔

و معاشرتی کشیدگی کو بھی زیادہ کر دیا اور مسلمان ''متحدہ قومیت'' کے نعرہ کی حقیقت پر غور کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ پنجاب کے خاص سیاسی اور اقتصادی حالات کی وجہ سے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوستان کے باقی صوبوں کی نسبت یہاں فسادات کی تعداد زیادہ تھی اور فرقہ وارانہ تعصب کی فضا زیادہ سنگین تھی ۔

لاہور میں ۳ مئی ۱۹۲۷ء کو ہندوؤں اور سکھوں کی ایک کثیر تعداد باؤلی صاحب ڈبی بازار میں جمع ہوئی جہاں اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں ۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ ایک مسلمان نے ایک سکھ لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا ۔ مشتعل ہجوم حویلی کابلی مل میں داخل ہوا اور مسلمانوں پر کرپانوں اور لاٹھیوں سے حملہ کر دیا ۔ اس واقع سے سارے شہر میں فساد شروع ہو گیا ۔ دکانیں اور دوسرے کاروبار معطل ہو گئے ۔ مسلم اکابرین اور دیگر حضرات کی کوششوں سے حالات آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگے ۔ پنجاب مسلم لیگ نے ایک مجلس اعانت مسلمان مظلومین کی امداد کے لیے قائم کی ۔ بعد میں ایک مرکزی مجلس اعانت قائم کی گئی ، جس کے صدر علامہ سر محمد اقبال مقرر ہوئے ۔ ان فسادات کے دوران علامہ صاحب نے مصالحت کرانے اور مظلومین کی امداد میں پیش پیش حصہ لیا ۔ انھیں ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے پیغامات[1] ہمدردی موصول ہوئے جن میں ان

۱۔ علامہ اقبال کو دیگر پیغامات کے علاوہ درج ذیل دو پیغامات سیٹھ عبداللہ ہارون اور سر ذوالفقار علی خان کی طرف سے موصول ہوئے :

کراچی ۹ مئی ۱۹۲۷ء۔

مجھے بے گناہ مسلمانوں پر ہندوؤں اور سکھوں کے متفقہ حملہ اور بعد کے فساد کا حال معلوم ہونے پر سخت صدمہ ہوا تھا ۔ استدعا ہے کہ آپ میری دلی ہمدردی کا پیغام مسلمانوں کے مظلوم اور مصیبت زدہ خاندانوں اور دوسری قوموں کے بے گناہ اشخاص تک پہنچا دیں جو مصیبت کا شکار ہوئے ۔ میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے مسلمانوں کو نہایت صبر آزما لمحوں کے اندر قابو میں رکھا ۔ امید ہے کہ دوسری قوموں کے جرائد اور رہنما بھی بحالی امن کی مساعی میں آپ کے مددگار ہوں گے ۔

حاجی عبداللہ ہارون
رکن مجلس ہند

(اگلے صفحہ پر)

کی اس سلسلہ میں مساعی جمیلہ کو سراہا گیا۔ ان فسادات کے سلسلہ میں علامہ سر محمد اقبال نے ''ٹریبیون'' کے نامہ نگار خصوصی سے ملاقات کے دوران فرمایا:

''میں ابھی تک فسادات لاہور کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا البتہ وہ واقعات و حقائق بیان کر سکتا ہوں جن کا مجھے علم ہوا ہے۔

''تین اور چار مئی کی درمیانی رات کو ساڑھے بارہ بجے کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹

۸ مئی ۱۹۲۷ء
چیمسفورڈ کلب، نئی دہلی

مائی ڈیر اقبال

لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات اور ان کے افسوسناک نتائج کے متعلق اخبارات میں جو بیانات شائع ہو رہے ہیں انہیں پڑھ کر میرے دل کو سخت صدمہ ہوا ہے۔ مجھے نہایت رنج ہے کہ میں علالت کی وجہ سے فی الفور لاہور پہنچنے سے قاصر ہوں۔ اسمبلی کے اجلاس کے اختتام کے بعد میرا ارادہ فوراً لاہور آجانے کا تھا مگر ڈاکٹروں کے مشورہ پر مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔ اب تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ٹھہرتا مگر ڈاکٹروں کی رائے ابھی یہی ہے کہ مجھے چند دن اور دہلی میں مقیم رہنا چاہیے ورنہ موجودہ علاج میں خلل کا اندیشہ ہے۔ میرے دل سے ہر وقت یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھائے اور موجودہ آفات اور مصائب سے، جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، بہت جلد باہر نکالے۔ میں نہیں جانتا کہ ہمیں تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال مل سکتی ہو جس میں ملک کے باشندوں نے انسانی جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے اتنی بیدردی سے خود اپنی تباہی اور ہلاکت کے لیے ایسی وحشیانہ خانہ جنگی کی ہو۔ یہ ہلاکت آفریں واقعات ایک معنوں میں ہماری قومی امنگوں کے لیے موت کا پیغام ہیں۔ مگر یہ موقعہ آئندہ ترقی کے متعلق خیال کرنے کا نہیں۔ ہمیں واقعات حاضرہ کو سمجھنا اور سلجھانا ہے ہمارا پہلا فرض اس وقت یہ ہونا چاہیے کہ مقتولین و مجروحین کے پسماندگان کو امداد و اعانت پہنچانے کی فکر کریں۔ اس کے لیے فوراً ایک فنڈ کھول دینا چاہیے۔ میں اپنی طرف سے اس فنڈ کے لیے آپکو اس کے ہمراہ مبلغ دو صد روپیہ روانہ کر رہا ہوں۔ میرا جسم دہلی میں ہے لیکن میری جان اور میرے دل کو آپ لاہور میں موجود تصور فرمائیں۔ والسلام

آپ کا مخلص
ذوالفقار علی خان

قریب جب میں حویلی کابلی مل پہنچا تو ایک شخص میری موجودگی میں گرفتار کیا گیا - مجھے یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں نے دو آدمیوں کو موقع واردات پر ہی گرفتار کر لیا اور ایک حملہ آور کے ہاتھ میں سے ایک کرپان چھین لی -

''جس شخص نے کرپان چھینی تھی اس نے میری موجودگی میں بیانات قلمبند کرائے - میرے خیال میں اس وقت نہایت بے دلی سے تفتیش حالات کی جا رہی تھی - پانچ بجے صبح کے قریب تفتیش ختم ہو گئی اور میں جناب محمد امین اندرابی کے مکان سے واپس آ گیا -

''آٹھ بجے صبح کے قریب میں میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے مکان پر گیا جہاں بہت سے مقتدر اور ذی اثر مسلمانوں کا اجتماع تھا - اس اجتماع سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو امن و امان قائم رکھنے کی ترغیب دیں اور صبر و تحمل کی تلقین کریں - چنانچہ چار مئی کو ۱۱ بجے کے قریب ہم شہر میں داخل ہو گئے - میں نے اور میاں عبدالعزیز صاحب نے کئی مقامات پر لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین کی اور ضبط و امن قائم رکھنے کی نصیحت کی -

''دو گھنٹے کے بعد میں نے 'زمیندار' میں پڑھا کہ شام کے پانچ چھ بجے جلسہ عام منعقد ہوگا - میں نے 'مسلم آوٹ لک' کے دفتر سے مولانا ظفر علی خان کو ٹیلیفون کیا اور ان سے کہا کہ جلسہ ہر گز منعقد نہیں ہونا چاہیے ، چنانچہ انھوں نے میری بات مان لی -

''اس کے بعد میں اپنے مکان پر واپس آگیا - یہاں پنڈت سنتانم اور سردار سردول سنگھ کویشر تشریف فرما تھے - دونوں حضرات مجھے ملنے آئے تھے - کوئی ساڑھے تین بجے کا وقت تھا ، ہم ابھی صورت حالات پر بحث و تمحیص کر رہے تھے کہ خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب تشریف لائے - آپ نے فرمایا کہ جنازوں کے ساتھ ماتمی جلوس

تیار ہے اور مقتدر اور با اثر مسلمانوں کو ماتمی جلوس میں ضرور شامل ہونا چاہیے تاکہ مجمع کو قابو میں رکھ سکیں۔ میں اور خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب موچی دروازہ کے نزدیک ماتمی جلوس میں شامل ہو گئے۔

''میری تو یہ رائے ہے کہ پہلے دن جو جنازوں پر اینٹیں پھینکی گئیں، ان سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جلوس کے ساتھ کافی پولیس موجود تھی یا نہیں۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ ماتمی جلوس میں شریک ہونے والوں نے کسی پر حملہ کیا اور نہ ہی کسی نے مجھے یہ بتایا کہ اس قسم کا کوئی واقعہ معرض ظہور میں آیا۔

''چار مئی کو میں ڈبی بازار میں تقریر کر رہا تھا کہ حاضرین میں سے کسی نے مداخلت کی اور کہا کہ سکھوں کے پاس تو کرپانیں ہیں مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں، وہ بھلا اپنی حفاظت کس چیز سے کریں۔ مسلمانوں کے رہنماؤں کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس سلسلہ میں کچھ کرنا چاہیے۔ اگر اپنی حفاظت اور اغیار کے حملوں کی مدافعت کے لیے مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ ملے تو کونسل کے تمام مسلمان علی العموم (اور میں علی الخصوص) اس کے لیے سعی بلیغ کریں گے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کو جتھے بنانے چاہییں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ خیال عام ہے کہ اس طرح کے مواقع پر اپنی محافظت کے لیے ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے....

''لاہور کے تمام امن پسند باشندوں کو ان واقعات سے سخت صدمہ اور رنج ہوا ہے۔ لاہور کے فسادات کو بہ چشم خود دیکھنے کے بعد میرے دل میں تو یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہم ان سیاسی ادارات کو سنبھالنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں، جنہیں چلانے

کے لیے دیانت ، مقصد اور خیر سگالی عامہ کے جذبات کی اشد ضرورت ہے ۔ لیکن یہ بالکل جداگانہ مسئلہ ہے ۔ حالات موجودہ میں ہم سب کا فرض ھے کہ ہم لاہور کے مختلف باشندوں کے دلوں سے خوف و خطر اور نفرت و حقارت کے جذبات کسی طرح نکال دیں اور باہمی اعتماد اور ایک دوسرے کی عزت کے جذبات و خیالات پھر پیدا کریں۔

''اس مقصد کے لیے میں نے بعض تجاویز اس جلسہ میں پیش کی تھیں جو کمشنر لاہور کے دفتر میں منعقد ہوا تھا ۔ باہمی اعتماد کی بحالی کے لیے دلوں کا بدلنا ضروری ہے اور مختلف قوموں کے افراد کو اس مقصد کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنی چاہییں ۔ بلا شبہ دلوں کے بدلنے کے لیے کچھ نہ کچھ وقت چاہیے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ [بات ممکن] ہے اور میرے پاس باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ مختلف قوموں کے اصحاب تہہ دل سے یہ مقصد حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اور وہ اس کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں گے ۔''

دکانیں کھلوانے کی کوشش کے متعلق استفسار کیا گیا تو علامہ سر اقبال نے فرمایا : ''مسلمان دکانیں کھولنے پر رضامند تھے لیکن ہندوؤں نے انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں لوٹے جانے کا خطرہ ہے ۔''

علامہ موصوف نے فرمایا کہ ''تمام قوموں کے عام رہنماؤں اور سر کردہ آدمیوں کو ایک جگہ بیٹھ کر صوبہ کے موجودہ حالات پر خاص طور پر توجہ مبذول کرنی چاہیے اور مختلف قوموں کے باہمی تعلقات کے مستقبل کی نسبت قطعی فیصلہ کر کے اٹھنا چاہیے ۔''

—o—

مدیر انقلاب کے نام مکتوب*

''جناب من السلام علیکم

یہ چند سطور اپنے قیمتی اخبار کے کسی گوشے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں۔

''مسلمانان مزنگ نے مسلم ریلیف کمیٹی کو اس سے پہلے پانچ سو روپیہ بھیجا ہے۔ آج دوسری قسط سات سو روپے کی ان کی طرف سے موصول ہوئی ہے (بذریعہ چیک)۔ یہ ۱۲۰۰ روپیہ کی رقم خان بہادر میاں چراغ دین صاحب اور ان کے احباب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمام مسلمانان شہر لاہور کی طرف سے میاں صاحب اور ان کے احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔''

محمد اقبال

—o—

مسلمانان پنجاب کو تنظیم کی ضرورت**

''مسلم آوٹ لک'' کے ایک نامہ نگار نے ۲۳ مئی ۱۹۲۷ء کو علامہ سر محمد اقبال سے ایک ملاقات کے دوران فسادات سے پیدا شدہ صورت حالات کے متعلق بعض اختلافی امور پر روشنی ڈالنے کی استدعا کی۔ سب سے پہلے اس نے اس اعلان کے بارے میں سوال کیا جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے بعض رہنماؤں[1] کی طرف سے شائع ہوا تھا اور

---

* انقلاب: ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء۔

** ایضاً: ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء۔

۱- ۱۲ مئی کو ہندو، مسلمان اور سکھ اکابرین لاہور نے ایک اعلان شائع کیا کہ اخبارات کا ایک حصہ اور علی الخصوص ورنیکلر اخبارات کچھ مدت سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے موجب بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ حکومت کو چاہیے کہ ان کے خلاف قانونی کارروائیاں کرے تا کہ غیر ذمہ دار اخبار نویسوں کو اپنے فرائض کی بجا آوری کا احساس ہو۔

جس میں تجویز کی گئی تھی کہ اخبارات پر مقدمے چلائے جائیں یا ان کی آزادی کو کسی اور طریقہ سے سلب کیا جائے۔ علامہ موصوف نے فرمایا:

''افسوس ہے کہ ان امور کو صحیح طور پر نہیں سمجھایا گیا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں اپنے دل کو اس دنیا میں آزادی مطلق پر یقین دلانے کے لیے آمادہ نہیں کر سکتا۔

''میں نہایت دیانتداری سے اس اعلان کو حق بجانب خیال کرتا ہوں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں تحریر کی آزادی کو دبانے کا خواہشمند ہوں کیونکہ میرے خیال میں آزادی تحریر قوم کی ترقی کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ دیسی زبانوں کے جرائد، جو اپنی طاقت اور اپنے اثر سے بخوبی واقف ہیں، اپنی ذمہ داریوں کو بھی اچھی طرح محسوس کرنے لگیں۔ میرا خیال ہے کہ ہر شخص اس معاملہ میں میرے ساتھ اتفاق کرے گا کہ ملک کے بہترین مقاصد کے پیش نظر یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ایسی تحریروں کو، جو فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرتی ہیں، روکا اور دبایا جائے۔ اگر کوئی اور صورت نہ ہو تو قانون ہی کے ذریعہ سے اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔

''مثال کے طور پر 'رنگیلا رسول' کے مقدمہ ہی کو لے لیجیے۔ عدالت عالیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس پر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ یہ معاملہ تعزیرات ہند کی کسی اور دفعہ کے ماتحت آتا ہے، پھر ایسی کتابوں کی اشاعت کو ناممکن بنانے کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس امر کے لیے قانون وضع کرنے سے مدد لیں تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ خیالات کے آزادانہ اظہار کو روکنے کے متمنی ہیں۔

"ذاتی طور پر بھی میں اخبارات کی آزادی کا بہت بڑی حد تک قائل ہوں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں آزادی کا حامی ہوں۔ لیکن میں دلائل سے متأثر نہیں ہو سکتا اور آزادی اور لائیسنس (Licence) کو یکساں نہیں سمجھ سکتا۔ حقیقی آزادی اخلاق ضبط نفس کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

"اگر دیسی اخبارات سنسنی پھیلانے والے عنوان لکھنا چھوڑ دیں، تقریروں وغیرہ کی رپورٹ کرنے کے لیے بہتر آدمی رکھیں، ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات کو، جو کسی اور طریقہ کی معاشرت میں جاذب توجہ نہیں ہو سکتے، فرقہ وارانہ رنگ دینے سے احتراز کرنے لگیں تو دیسی زبانوں کے اخبارات کی تعلیمی قدر و قیمت بہت بڑھ سکتی ہے۔ ایسے ملک میں، جہاں عام اشخاص نقاد نہیں اور سطحی عقل رکھنے والے ہیں، ایسی احتیاط نہایت ضروری ہے۔ بہر حال اس اعلان کا مقصد اخبارات کے لب و لہجہ کی اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ ان کی آزادی کو سلب نہیں کرتا۔"

ازاں بعد نمائندے نے ڈاکٹر صاحب سے ان ذرائع کے متعلق اظہار رائے کرنے کی استدعا کی جو ڈپٹی کمشنر اور پولیس نے ان دنوں میں اختیار کیے۔ آپ نے فرمایا:

"اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مسٹر اوگلوی نے بڑی مستعدی سے کام کیا اور نتیجہ خیز کام کیا اور جونہی انہوں نے چارج لیا، صورت حال کو بہتر بنا دیا۔ لیکن جیسا کہ میں ایک سے زیادہ دفعہ حکام سے کہہ چکا ہوں کہ معاملات کی صورت حال، خاص کر جہاں تک تفتیش اور مقدمات کی پیروی کا تعلق ہے، بہت تشویش اور خطرات پیدا کرنے والی ہے اور فوری توجہ کی محتاج ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس معاملہ میں مسلمانوں کی متفقہ رائے کی صحیح ترجمانی کر رہا ہوں۔ بلا امتیاز گرفتاریاں

کی جا رہی ہیں۔ اس حقیقت نے، کہ پولیس کے اکثر افسر ہندو اور سکھ ہیں، عدم اعتماد کا ایک عام احساس پیدا کر دیا ہے۔''

سوال کیا گیا کہ اب ہمارا پروگرام کیا ہونا چاہیے؟ علامہ اقبال نے فرمایا:

''ہمیں لاہور کے فسادات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ صرف یہ حقیقت کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اپنی حفاظت کے لیے برطانوی تحفظ کی ضرورت ہے، یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ہم کس منزل پر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت نے مجھے اپنے سیاسی خیالات اور سیاسی عقائد پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں، خاص طور پر دیہاتی مسلمانوں میں، جو ہماری قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں، جہالت عام ہے اور کسی قسم کی سیاسی یا اقتصادی بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ قوم کی قوتوں کو فرقہ بندی اور ذاتوں کی تقسیم نے علحدہ منتشر کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم سراسر غیر منظم کے غیر منظم ہیں۔ اب میں اس امر کا قائل ہو گیا ہوں کہ اس صوبہ کے مسلمانوں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنی داخلی تنظیم اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اس امر کے لیے قوم کے رہنماؤں کو مسلسل کوشش کرنی پڑے گی اور حکومت سے سوالات کرنے کی بھی ضرورت ہوگی۔ تنازعہ للبقا کے اس عالمگیر دور میں دوسری قوموں سے امداد کی توقع رکھنا فضول ہے۔ سب کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہیے۔ جب سب قومیں فی الواقع مضبوط ہو جائیں گی تو باہمی بمفاہمت ہونا یقینی امر ہے۔''

—o—

اخبار ''پرتاپ'' کے بیان کی تردید*

۶ جولائی ۱۹۲۷ء کے ''پرتاپ'' میں ''ڈاکٹر اقبال کا اعلان'' کے عنوان سے ایک نوٹ میں کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس ایجی ٹیشن سے کوئی ہمدردی نہیں جو ''مسلم آؤٹ لک'' وغیرہ کتاب ''رنگیلا رسول'' کے متعلق کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے استفسار پر درج ذیل بیان دیا:۔

'' 'پرتاپ' کے اس اعلان کو دیکھ کر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ میں نے اس قسم کا کوئی پرائیویٹ یا پبلک اعلان نہیں کیا، نہ کسی آدمی نے مجھ سے آج تک اس ایجی ٹیشن کے متعلق میری رائے دریافت کی۔ اخبار 'پرتاپ' میں جو کچھ چھپا ہے، کھلی ہوئی افترا پردازی ہے۔ مسلمان اس ایجی ٹیشن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اس سعی و کوشش پر مجھے نہ صرف ان سے ہمدردی ہے بلکہ میں ان کو بالکل حق بجانب جانتا ہوں اور اس معاملہ میں کسی قسم کا تساہل روا رکھنے والے کو شقی ازلی تصور کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ 'مسلم آؤٹ لک' کے مضمون 'مستعفی ہو جاؤ' کی اشاعت سے پہلے مجھے اس کا کوئی علم نہ تھا۔ بانیان مذاہب کی توہین کا سدباب کرنے کے لیے میں ایک قرارداد بھی کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش کرنے والا ہوں جس کا اعلان اس سے پہلے اخبار 'انقلاب' وغیرہ میں ہو چکا ہے۔''

—o—

* انقلاب: ۷ جولائی ۱۹۲۷ء۔

تحریک سول نافرمانی کا التوا*

مقدمہ ''رنگیلا رسول'' پنجاب ہائیکورٹ نے جون ۱۹۲۷ع میں خارج کر دیا - اس فیصلے کے رد عمل کے طور پر مسلمانان ہندوستان میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی - مسلمانان پنجاب کے سر برآوردہ افراد کے ایک وفد نے ، جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے ، گورنر پنجاب سے ملاقات کی - وفد کے جواب میں گورنر نے یقین دلایا کہ اگر موجودہ فیصلے میں ترمیم کی شکل ہو سکتی ہے تو اسکی تدبیر کی جائے گی ورنہ قانون میں ترمیم کی جائے گی - مسلمانوں کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ مزید دل آزار تحریریں چھاپنا جرم قرار دیا جائے یا فوراً ایک آرڈیننس نافذ کیا جائے - اسی مضمون کے متعلق ایک قرار داد علامہ سر محمد اقبال نے پنجاب کونسل کے آئندہ اجلاس کے لیے بھیجی -

ہائیکورٹ کے فیصلہ سے مسلمانان پنجاب کے جذبات مشتعل ہو گئے تھے اور کسی وقت بھی وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہونے کا خدشہ تھا - لاہور میں احتیاطی تدبیر کے طور پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی - اس پر مجلس خلافت پنجاب نے اس دفعہ کے نفاذ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا - اس تحریک سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے کے لیے مختلف مقامی اور قومی مجالس کے سر برآوردہ ارکان کا ایک جلسہ زیر صدارت سر عبدالقادر برکت علی اسلامیہ ہال میں ۸ جولائی ۱۹۲۷ع کو منعقد ہوا - اس جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا :

''انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ عقلمندی یہ ہے کہ انسان اپنے مصائب سے بھی فائدہ اٹھائے - ہم مدت سے اتحاد ، اتحاد پکار رہے تھے مگر اتحاد موجود نہ تھا - اللہ تعالیٰ نے ہمیں نقطۂ واحد پر لانے کے لیے اسباب پیدا کر دیئے یعنی ہمارے ملک کے باشندوں میں سے ایک فریق نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کیا ، جس سے ہر مسلمان کے دل کو بے حد صدمہ ہوا اور جو مسلمان عملاً توحید پر جمع نہ ہوئے وہ نبوت پر متفق ہو گئے - اس طرح مصیبت میں ہمارے لیے فائدے کی صورت نکل آئی -

* انقلاب : ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ع -

''میرے دوست شیخ عبدالقادر صاحب نے موجودہ صورت حالات کے متعلق جو مشورہ[1] دیا ہے، مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ یہ مشورہ ایک عام جلسہ منعقد کر کے دیا جائے مگر سوچنے سمجھنے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ جلسہ عام سے پیشتر تمام مقامی انجمنوں کے ارکان کو جمع کر کے ایک رائے قائم کرلی جائے اور پھر اس کا اعلان ہو۔ ضرورت محسوس ہو تو ایک عام جلسہ بھی کر دیا جائے چنانچہ اسی غرض سے ہم آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں ارکانَ مجلس خلافت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ موجودہ حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طریق کار کو ملتوی کر دیں، کیونکہ اس سے بعض اشخاص کو نیک نیتی کے ساتھ اختلاف ہے۔ اور کوئی دوسری ایسی تدابیر اختیار کریں جس پر سب متفق ہوکر عمل کر سکیں۔ اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے مجلس خلافت کے اُن ارکان سے ہمدردی ہے جو اپنی مجلس کی تجویز کے مطابق نیک نیتی سے یہ سمجھتے ہوئے قید ہوئے کہ وہ ایک پاک مقصد کی خاطر ایثار کر رہے ہیں، خاص کر مولوی سید عطاءاللہ شاہ بخاری اور خواجہ عبدالرحمن غازی ایسے مشہور کارکنوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ ہمیں ان کی بعض رایوں سے خواہ اختلاف بھی ہو لیکن عقل اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی خوبیوں کا بھی اعتراف کیا جائے۔ وہ قومی کاموں میں

۱- سر عبدالقادر نے اپنے خطبہ صدارت میں صورت حالات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''... ان حالات میں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لیے اس تدبیر (تحریک سول نافرمانی) کے اختیار کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، جس پر مجلس خلافت کاربند ہے اور اس سے جو مزید مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے وہ بہت خطرناک ہیں۔ اس لیے حضرات مجلس خلافت سے میری استدعا ہے کہ خواہ وہ میری اس رائے سے اتفاق رکھتے ہوں (یا نہیں) لیکن ذکر کردہ پہلوؤں پر غور کرکے قوم کو نقصان سے بچانے کے لیے اس وقت اس تحریک کو ملتوی کر دیں ....''

بہت حصہ لیتے ہیں اور ضرورت کے وقت بڑا ایثار دکھاتے ہیں۔ میں اپنی درخواست کو دہراتا ہوں اور ارکان مجلس خلافت سے کہتا ہوں کہ وہ اس تدبیر کو سردست ملتوی کر دیں جو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے لیے انہوں نے اختیار کر رکھی ہے۔"

— o —

شاہی مسجد میں تقریر *

۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ مجلس خلافت لاہور کے زیر اہتمام تحریک سول نافرمانی کے التوا کے سلسلہ میں شاہی مسجد میں منعقد ہوا۔ شیخ حسام الدین کی تحریک اور علامہ حسین میر کی تائید سے مولانا عبداللہ قصوری ناظم جمعیۃ دعوت تبلیغ اسلام جلسہ کے صدر قرار پائے۔ سب سے پہلی مفصلہ ذیل تقریر علامہ اقبال نے کی:

"اے مسلمانان لاہور! اس ملک میں واقعات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اسی شہر لاہور میں ایک خوفناک فساد[1] رونما ہوا۔ اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہوئے تھے اور اس سے پیدا شدہ نتائج کا خمیازہ بھگتنے کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ع

'یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر دہند'

ایک دوسرا فتنہ پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا مسلمانان ہند ایک بہت بڑے ابتلا میں گرفتار ہونے والے ہیں، جس کا سلسلہ خدا جانے کب اور کہاں ختم ہوگا؟ مگر جہاں اس ابتلاء آزمائش میں

---

*انقلاب: ۱۳ جولائی ۱۹۲۷ء۔

۱۔ حویلی کابلی مل۔ دیکھیں بیان مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۲۷ء۔

ایک قسم کا دکھ دکھائی دیتا ہے وہاں اس کا اچھا پہلو بھی ہے۔ وہ اچھا پہلو کیا ہے؟ وہ ہے تو ایک معمولی بات لیکن اس میں بھی ایک نکتہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: 'الزموا مساجد کم'۔ مسلمانوں نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان کو بھلا دیا تھا، لیکن اس ابتلا کے دوران دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ اس ارشاد کی تعمیل کے لیے بہانہ بن گیا اور یہی وجہ ہے کہ ہم آج کسی اور جگہ کے بجائے خانۂ خدا میں اکٹھے ہوئے ہیں۔

''دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ ابتلاؤں میں گرفتار نہ ہو۔ ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ ہمارے امتحان کا موقع پیدا ہو گیا۔ اس پر کوئی ہمیں کچھ ہی کیوں نہ کہے ہمیں بہر صورت خوش ہونا چاہیے ؎

وہ کہہ رہے ہیں عشق میں میں خاک ہو گیا
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

بہت ممکن ہے کہ جو فتنہ اس وقت درپیش ہے یہ اس کی آخری منزل ہو۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ابتلا نہیں ہو سکتی جو اس وقت درپیش ہے۔ راجپال کی تصنیف نے، جس کا نام لینا میں پسند نہیں کرتا، مسلمانوں کے قلب کے نازک ترین حصے کو چوٹ لگائی ہے۔ دو اڑھائی سال تک اس پر مقدمہ چلتا رہا، جس کا نتیجہ اس افسوسناک فیصلے کی صورت میں نکلا، جو ہائیکورٹ نے کیا۔

''اس ابتلا کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں رہا کرتے تھے اس ابتلا کے دوران ایک ہو گئے۔ یہ وہ مبارک نتیجہ ہے جو ہمیں صرف اس فتنے کی بدولت ملا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مسلمان اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔

''میں نے کل لطیفے کے طور پر کہا تھا کہ مسلمان توحید، امانت اور فقہ پر جمع نہ ہو سکے لیکن توہین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے نے ان سب کو متحد و متفق کر دیا۔ اور یہ وہ واقعہ ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اسی سلسلہ میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ بھی کیا گیا۔ اس نفاذ کے خلاف بطور احتجاج خلافت کمیٹی کی طرف سے سول نافرمانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر مسلمانوں میں اس امر کے متعلق اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض کہتے تھے کہ یہ طرز عمل مسلمانان پنجاب کے لیے فی الحال سود مند نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کوئی صحیح راستہ نکالنے کے لیے ایک جلسہ کا اعلان کیا گیا تھا، جو کل اسی مسجد میں ہونے والا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس جلسہ کے انعقاد سے اختلاف کم نہیں ہو سکتا بلکہ بڑھ جائے گا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ چونکہ یہ معاملہ نہایت اہم تھا اور میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ خانہ خدا کے اندر بہت بڑے جلسے کے درمیان مسلمانوں کے شدید اختلاف کا مظاہرہ ہو، اس لیے ہم نے یہ جلسہ ملتوی کرا دیا۔ التوائے جلسہ کا اشتہار کافی طور پر نہ ہو سکنے کے باعث مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی جس کے لیے میں آج معافی کا خواستگار ہوں۔

''دوسرے روز برکت علی اسلامیہ ہال میں ایک مجلس مشاورت ہوئی جس میں تین مختلف انجمنوں کے نمائندوں اور متعدد اہل الرائے نے حصہ لیا۔ بحث و تمحیص کا مضمون یہی تھا کہ اس نازک صورت حالات میں کون سا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ قرآن شریف کے ارشاد 'ھاتوا برھانکم' کی تعمیل کرتے ہوئے شرکائے جلسہ میں سے ہر ایک نے اپنی فہم و فراست کے مطابق اس میں حصہ لیا اور مجلس اس نتیجہ پر پہنچی کہ سول نافرمانی کی یہ صورت اس وقت مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ جس اتحاد و خلوص کے ساتھ مجلس مشاورت نے یہ فیصلہ کیا اس کے لیے وہ مستحق مبارکباد ہے۔ اس کی مفصل روئداد چوہدری افضل حق خان صاحب آپ کے

گوش گذار کریں گے۔

"جب تمام قومیں مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں تو قرین دانش یہی ہے کہ میدان عمل میں جو قدم بھی اٹھایا جائے وہ سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔ اصل مقصد توہین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مقصد کو پیش نظر رکھیں گے۔ سب سے پہلے صرف اسی کے لیے جد و جہد کرینگے اور جد و جہد سے پہلے اپنی تمام قوتیں جمع کر لیں۔ ڈپٹی کمشنر کا حکم اور دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ بے شک ناجائز ہے لیکن ایک بڑے حق کو حاصل کرتے وقت ضرورت آ پڑی ہے کہ ہم اس چھوٹے حق کو چھوڑ دیں۔

"اس وقت سب سے بڑا سوال اسلام کی عزت کا تحفظ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کا تحفظ ہے۔ اسے حل کرتے ہوئے اگر کوئی چھوٹا سا سوال پیدا بھی ہو جائے تو بہتر ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

"مجلس مشاورت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال سول نافرمانی ترک کر دی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس التوا کے بعد مسلمانوں کے لیے درست راہ عمل کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے ایک وفد نے اس صوبہ کے گورنر سر میلکم ہیلی کے پاس جا کر اسے مسلمانوں کے دلی جذبات سے آگاہ کیا۔ گورنر صاحب نے اس وفد کے جواب میں جو کچھ کہا وہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اس جواب پر ہندو قوم اور ان کے جرائد کی طرف سے خوب لے دے ہوئی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ جواب ہمدردانہ تھا۔ مگر اس ہمدردی کا سبب یہ نہیں کہ گورنر صاحب کو ہم سے پیار ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی تھا۔ ہندو سبھا کی قرارداد نے گورنر کے اس رویہ کے متعلق جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ عدالت عالیہ کے فیصلے نے مذہبی دل آزاری کے لیے

دروازے کھول دیئے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے حکومت اس کا سدباب کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے یعنی ہم نے جو مطالبہ کیا تھا اس کا ایک حصہ پورا کیا جا رہا ہے۔ 'ورتمان' کا مقدمہ امرتسر کی عدالت ضلع سے عدالت عالیہ میں منتقل ہو چکا ہے اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے حکومت کوئی رویہ اختیار نہیں کر سکتی۔ یہ درست ہے کہ جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ کے بعد دو تین مثالیں ایسی ہوئیں جن سے یہ ثابت ہوا کہ دریدہ دہنوں کو بے لگام ہو جانے کی جرات ہو گئی ہے۔ پچھلے دنوں یہاں کے 'پرتاب' اخبار نے ایک شرمناک مضمون لکھا۔ پھر دہلی کے ایک آریہ نے 'سورہ مثل القرآن' لکھ کر شائع کی۔ یہ واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ اعدائے اسلام اسی قسم کا اور مصالحہ بھی تیار کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب تک معین صورت نہ نکل آئے ان حرکات مذمومہ کا سدباب کرنے کے لیے حکومت جلد از جلد کوئی کارروائی کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ آرڈیننس کا نفاذ ہو، بعض چاہتے ہیں کہ ریگولیشن جاری ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو بات ایک ہی ہے یعنی ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ حکومت عجلت سے کام لے۔

"مقدمہ 'ورتمان' کو ہائی کورٹ میں منتقل کرنے میں جو کارروائی کی گئی ہے شاید وہ تاریخ میں پہلی مثال ہے۔ غالباً دو اڑھائی ماہ تک اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر یہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو گیا تو کسی مزید فیصلے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے میری استدعا ہے کہ جب تک یہ فیصلہ صادر نہ ہو جائے کوئی دوسرا طریق کار اختیار نہ کیا جائے۔ (حاضرین کے ایک حصہ نے شور مچا دیا اور آوازیں آنے لگیں "جو کرا رہی ہے گورنمنٹ کرا رہی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے گورنمنٹ کے ایما پر ہو رہا ہے۔")

"میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ خاموش ہو بیٹھیں بلکہ میں صرف

یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی طریق کار اختیار نہ کیا جائے جس سے ہمارے اصل مقصد کو نقصان پہنچے۔ میں آپ کو مشورہ دے رہا ہوں جو میرے خیال میں درست ہے۔ اگر آپ اسے پسند نہیں کرتے تو اس پر عمل نہ کریں"۔ (آوازیں: "ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! پہلے رہنماوں کو چھڑاؤ، پہلے رضاکاروں کو چھڑاؤ۔")[1] اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: "میں اس سچے جوش کی قدر کرتا ہوں"۔ اس کے بعد آپ نے تقریر ختم کر دی۔

— o —

پنجاب کونسل میں تقریر*

پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس شملہ میں ۱۸ جولائی کو لاہور میں مزید پولیس کے مصارف کے لیے رقم کے مطالبہ پر علامہ سر محمد اقبال نے حسب ذیل تقریر فرمائی:

"میرا ارادہ نہ تھا کہ موضوع زیر بحث پر کچھ کہوں۔ اور اب بھی میں اس تحریک کی مخالفت کرنے کے لیے کھڑا نہیں

۱۔ علامہ اقبال کی تقریر کے بعد چوہدری افضل حق نے اپنی تقریر کے دوران اقبال کے متعلق کہا: "......میں یہ کہوں کہ سر محمد اقبال مجھ سے کم مسلمان ہیں .... تو اس کے معنی یہ ہوں گے ہمارا مطالبہ مذہبی اور اسلامی نہیں بلکہ کوئی اور ہے... اگر کوئی سیاسی معاملہ ہوتا تو ہم ان سے کوئی مشورہ ہرگز نہ لیتے۔ ۱۹۲۱ع کی سول نافرمانی کے دوران ہم کبھی ان کے مکان پر نہیں گئے۔ سر اقبال کی شخصیت نہ صرف ہندوستان میں مسلمہ ہے بلکہ کرہ ارض کے تمام حصے ان کی اصابت رائے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم سر اقبال کا مشورہ قبول نہ کرتے تو اس کا مطلب خلافت کمیٹی کی عزت کو نہ صرف ہندوستان میں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے بلکہ ہندوستان سے باہر بھی... ..."۔

اگلے صفحہ پر

* انقلاب: ۲۳ اگست ۱۹۲۷ع۔

The Punjab Legislative Assembly Debates, Vol. X-B, 1927, Part I, p. 782.

ہوا ہوں ۔ میں صرف چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں ۔ کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار و اعلان قطعاً ضروری ہے ۔ تاکہ حکومت پر معاملہ کی اہمیت کا نقش بیٹھ جائے ۔ جب وہ تمام واقعات ، جن کا میرے دوست چوہدری افضل حق نے ذکر کیا ہے ، معرض ظہور مین آئے تو میں نے ذاتی طور پر ان تمام واقعات کی تحقیقات کی اور اگلے دن ڈپٹی کمشنر صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کی ۔ اس وقت ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس پولیس کے دو افسر موجود تھے ۔ میں نے ان دونوں حضرات کی موجودگی میں اپنی تحقیقات کے نتائج سنانے شروع کیے ۔ لیکن مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ دونوں پولیس افسر اپنے افعال کو واجب و جائز قرار دینے کی کوشش کرتے رہے ۔ ان میں سے ایک نے انگلستان کے ایک واقعہ کی مثال پیش کی اور کہا کہ وہاں بھی جب انقلاب پسندوں نے منتشر ہونے سے انکار کیا تو انہیں پیٹا گیا ۔ لیکن جناب والا ! پولیس نے لاہور میں ڈنڈے کا جو شرمناک اور بے رحمانہ استعمال کیا ہے وہ تہذیب کے سفید دامن پر بدنما دھبہ ہے ۔ میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے یہ بھی کہا کہ مولوی محمد عرفان تک کو ، جو ہندوستان کے خاص تربن علماء میں سے ہیں ، پیٹا گیا ہے ۔ لیکن ڈپٹی کمشنر صاحب نے فرمایا کہ میری اطلاعات درست نہیں ہیں ۔ ایسا کوئی واقعہ قطعاً معرض ظہور میں نہیں آیا ہے ۔ میں نے خیال کیا کہ ان کے ذرائع بہم رسانی اطلاعات

بقیہ صفحہ ۴۶

اس کے بعد مولانا ظفر علی خان نے فرمایا : ''.... کیا میں آپ سے یہ عرض نہ کروں کہ آپ نے ڈاکٹر اقبال کے حضور میں گستاخی کی ہے ۔ یعنی ان کی تقریر کے دوران اعتراض کیا ۔ اقبال پکا مسلمان اور سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ وہ روتا ہے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق میں ، وہ روتا ہے اسلام کی محبت میں (آوازیں : ہم ڈاکٹر صاحب سے معذرت چاہتے ہیں ۔ یہ گستاخی سی ۔ آئی ۔ ڈی ۔ نے کی تھی ۔ کسی مسلمان نے نہیں کی) ۔''

بہت وسیع ہیں، اس لیے میں نے ان کی بات پر یقین تو کر لیا لیکن ذرا تامل کے بعد یقین کیا۔ جب میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس سے واپس آیا تو مولوی محمد عرفان سے ملاقات ہو گئی۔

''جناب والا! مجھے یہ کہتے ہوئے بہت رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی اطلاع غلط ثابت ہوئی۔ میں نے مولوی صاحب کی ضربات کا بچشم خود معائنہ کیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کے زخموں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا کہ مولوی صاحب کو نہایت بے رحمی سے پیٹا گیا اور اس وقت پیٹا گیا جبکہ جلسہ منتشر ہو چکا تھا اور مولوی صاحب اپنی جائے قیام پر تشریف لے جا رہے تھے۔ اس لیے میں آنریبل سر جیوفرے ڈی مونٹمورنسی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس امر کا انتظام فرمائیں کہ اس قسم کے واقعات پھر کبھی معرض ظہور میں نہ آئیں۔ ان الفاظ کے بعد میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ میری یہ رائے نہیں ہے کہ رقم کا مطالبہ مسترد کر دیا جائے۔''

—o—

مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک انجمن کا قیام*

۴ ستمبر کو کشمیری بازار کے متصل کوٹھی داران میں دس ہزار کے قریب افراد کا اجتماع ہوا۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صدر جلسہ تھے۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں جلسہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے اہل محلہ کو مبارکباد دی کہ وہ آج مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک انجمن کی بنیاد قائم کر رہے ہیں۔

---

* انقلاب: ۷ ستمبر ۱۹۲۷ع۔

جلسے کے اختتام پر علامہ اقبال نے ایک مختصر مگر جامع تقریر میں مسلمانوں کو میانہ روی کے فوائد سے آگاہ کیا۔ آیہ کریمہ ''وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً'' کی تفسیر بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو افراط و تفریط سے بچنا چاہیے۔ مسلمان اپنے فضول مصارف کو ترک کر دیں اور مسلمان دکانداروں کی مدد کریں۔ آپ نے شیخ سعدیؒ کی ایک حکایت سنائی کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے محلہ کے نانبائی کی شکایت کی کہ وہ گراں فروش ہے، اس لیے میں بازار سے گندم لا کر خود روٹی تیار کیا کروں گی۔ دور اندیش شوہر نے جواب دیا کہ دکاندار آخر اہل محلہ ہی کے بھروسہ پر بیٹھا ہے، اس لیے اس سے قطع تعلق نہ کرنا چاہیے۔ آپ نے ''الکسب حبیب اللہ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر مسلمان کو ضرور کچھ نہ کچھ کمانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس میں اعتماد کی فضا پیدا کر کے کمپنیاں کھولنی چاہییں۔

—o—

آئینی کمشن کے متعلق رائے*

حکومت برطانیہ نے ۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو ہندوستان کی آئینی صورت حال کا جائزہ لینے اور آئندہ آئین کے متعلق سفارشات کرنے کے لیے ایک کمشن سر جان سائمن کی سرکردگی میں ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا۔ کمشن میں ہندوستانیوں کو کوئی نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ کمشن کے متعلق علامہ محمد اقبال نے اپنے بیان مورخہ ۹ نومبر میں فرمایا:

''کمشن میں کسی ہندوستانی کا نہ ہونا غیر متوقع، مایوس کن اور تکلیف دہ ہے۔ ایک ایسے کمشن میں، جو ہندوستان کی قسمت

---

* انقلاب: ۱۲ نومبر ۱۹۲۷ء۔

کا فیصلہ کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں یہاں کے قانون اساسی کا مستقبل ہے، کسی ہندوستانی کا نہ ہونا میرے نزدیک انگریزی نقطہ خیال سے بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کے لیے کمشن کی رکنیت کا دروازہ بالکل بند رہنے کے متعلق رائے دیتے وقت ملک کی موجودہ افسوسناک حالت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کے باہمی اختلافات اور الم انگیز کشمکش کو مد نظر رکھتے ہوئے پارلیمنٹ کے لیے اور کوئی راستہ باقی نہ تھا۔ بہرحال کمشن میں ہندوستانی ممبر نہ ہونے کے ایک بڑی حد تک ہم خود بھی ذمہ دار ہیں۔ میرے خیال میں اگر ہندوستانی ان تمام واقعات پر ایک منصفانہ نگاہ ڈالیں جو گذشتہ دو چار سال میں پیش آئے ہیں تو انہیں کمشن کی رکنیت سے محرومی کا راز خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ بلا شبہ کمشن میں کسی ہندوستانی کا نہ لیا جانا ہندوستان کے وقار پر حملہ ہے۔ لیکن یہ حملہ میرے نزدیک اس بات کا نتیجہ نہیں کہ برطانی پارلیمنٹ کو ہندوستان کے فہم و ادراک یا دماغی قابلیت کے متعلق سوء ظن ہے، بلکہ اس کی وجہ وہ بے اعتمادی اور بد ظنی ہے جو ہندوستان کی مختلف اقوام کو ایک دوسرے کے متعلق ہے۔

"اگر کمشن میں ہندوستانی ممبروں کو لیا جاتا تو مسلمانوں کے سرکردہ آدمیوں میں سے غالباً مسٹر جناح یا سر علی امام پر نظر انتخاب پڑتی۔ یہ دونوں مخلوط انتخاب کے حامی ہیں اور یہ امر پنجابی نقطہ خیال سے موجب اطمینان نہ تھا۔ مرکزی مجلس وضع قوانین کے ارکان میں سے ایک امدادی مجلس بنانے کی جو تجویز کی گئی ہے وہ اگرچہ کمشن کی ممبری سے محروم کرنے کا کوئی اچھا معاوضہ نہیں، تاہم فائدے سے بالکل خالی بھی نہیں کیونکہ اس مجلس کی وساطت سے قومی اور ملکی نقطۂ نظر کمشن پر واضح ہو سکے گا۔ لیکن پنجابی نقطہ خیال سے یہ مجلس بھی موجب

اطمینان نہیں۔ کیونکہ اسمبلی کے سرکردہ ارکان میں جن لوگوں کے مجلس میں منتخب ہو جانے کا امکان ہے مثلاً مسٹر جناح، نواب محمد اسماعیل خان، تصدق احمد خان شروانی، مولوی محمد یعقوب، یہ سب مخلوط انتخاب کے حامی ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ جن حلقوں کے نمائندے ہیں وہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔

''باقی رہا کمشن کے مقاطعہ یا عدم مقاطعہ کا مسئلہ، تو میں اسکے متعلق ابھی اپنی رائے ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔ معاملہ نہایت اہم ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو اس پر پورا غور و فکر کرنا چاہیے۔ پراونشل مسلم لیگ کا ایک جلسہ ۱۳ نومبر کو ہوگا جس میں طریق کار کا فیصلہ کیا جائیگا۔ چونکہ معاملہ بہت اہم ہے اس لیے ممکن ہے کہ ایک جلسہ میں فیصلہ نہ ہو سکے۔ بہرحال جب تک (پراونشل) لیگ کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ جائے جنرل سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اتنا کہہ دینے میں مجھے تامل نہیں کہ اتحاد کانفرنسوں کی ناکامی اور دیگر رنج دہ حالات نے مسلمانوں کو اس پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ بحیثیت اقلیت اپنی پوزیشن اور اپنے مفاد کا خاص خیال رکھیں لیکن ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اگر ہندوستان کی مختلف قوموں کے نمائندے مل کر پھر ایک دفعہ تمام قوموں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کریں تو عجب نہیں کہ کوئی قابل عمل نتیجہ پیدا ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ اس مرتبہ محض سیاسی اختلافات کو دور کرنے اور ان کے متعلق سمجھوتہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ مذہبی امور زیر بحث لانا، جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے بالکل بے سود ہوگا۔ اور نہ تنہا مذہبی معاملات کے متعلق اتفاق تمام اختلافات کو مٹا سکتا ہے۔''

—o—

لیگ کے اجلاس کے بعد آئینی کمشن کے متعلق رائے*

پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا ایک جلسہ میاں سر محمد شفیع کے مکان پر ۱۳ نومبر ۱۹۲۷ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں سر شفیع، صدر جلسہ، نے ایک قرارداد پیش کی کہ بہ حالات موجودہ آئینی کمشن کا مقاطعہ ملک کے مفاد کے لیے علی العموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے علی الخصوص نقصان رساں ہوگا۔ ملک برکت علی کی ایک ترمیم مسترد ہونے کے بعد اصل قرارداد منظور ہو گئی۔ علامہ اقبال نے اس اجلاس کے بعد درج ذیل بیان اخباروں میں شائع کرایا:

''پنجاب پراونشل مسلم لیگ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر کامل غور و خوض کے بعد ایک قرارداد منظور کی ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ کمشن کا بائیکاٹ ملکی زاویہ نگاہ سے علی العموم اور اسلامی نقطہ نگاہ سے علی الخصوص نقصان رساں ہوگا۔ میرے خیال میں یہ قرارداد پنجابی مسلمانوں کے احساسات کا آئینہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی موجودہ حالات میں اپنے آپ کو ملک کی قلیل التعداد جماعت تصور کرتے ہوئے کمشن کے متعلق موزوں طریق کار تجویز کریں گے۔ میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں صاف گوئی سے کام لیں، جو اس ملک میں ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

''سر جان سائمن صدر کمشن نے نہایت صحیح کہا کہ کمشن کا فرض محض یہ ہوگا کہ ہندوستان کی طرف سے جو مختلف تجاویز پیش ہوں ان کی روئداد پیش کرے اور ان پر غور و خوض کرے۔ اس ملک کی قلیل التعداد جماعتوں کو رائل کمشن کی آمد سے بڑھ کر اپنے اندیشے، اپنی امیدیں اور اپنے مقاصد ظاہر کرنے کا اور کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ میری رائے میں

---

* انقلاب: ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء۔

ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی اپنی تہذیبوں کے مطابق نشو و ارتقاء حاصل کریں - یہ مقصد حاصل ہونا چاہیے خواہ مغرب کے دستوری اصول سے حاصل ہو یا کسی دوسرے ایسے ذریعہ سے جو وقت کے مطابق ہو اور لوگوں کی ضروریات پوری کرے -"

—o—

آئینی کمشن سے تعاون*

آئینی کمشن سے تعاون کے سوال پر مسلمان رہنما دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے - ایک کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے مفاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کمشن سے تعاون کریں - دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ہندوؤں سے تصفیہ کرکے کمشن کا متحدہ بائیکاٹ کیا جائے - علامہ سر محمد اقبال کمشن سے تعاون کے حامی تھے - کمشن سے تعاون کے حق میں آپ نے پانچ مسلمان رہنماؤں کے ہمراہ ۸ دسمبر ۱۹۲۷ع کو درج ذیل بیان دیا:

"لارڈ برکن کے اس بیان[1] نے جو دارالامرا میں دیا گیا اس غبار کو ہماری آنکھوں سے دور کر دیا ہے جو ہندوستان کی مجالس وضع قوانین کی مجلس منتظمہ کے اصلی رتبہ کے متعلق ہماری نظروں کے سامنے حائل تھی - انھوں نے اس بیان میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے ہیں جو رائل کمشن میں ہندوستانی عنصر کی عدم شمولیت کا باعث ہوئے - قابل افسوس فرقہ وار حالت مجبور کر رہی ہے کہ ہم ان کے بیانات اور اقوال کو طوعاً و کرعاً تسلیم کر لیں - چند روز ہوئے مسٹر جناح اور چند ایک دیگر سر بر آوردہ اشخاص نے ایک اعلان شائع کیا تھا، جو ملک کے موجودہ ناگوار حالات کی طرف سے پریشان کر دینے والی بے حسی کو ظاہر کرتا ہے -

---

*انقلاب: ۸ دسمبر ۱۹۲۷ع-

۱- بیان مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۷ع -

اس اعلان میں اس حقیقت عظمیٰ کو نظر انداز کر دیا گیا کہ رائل کمشن موجودہ تاسف زار حالات ھی کی پیدائش ہے۔ جب تک ان حالات کی پوری طرح بیخ کنی نہ کی جائے گی، متحدہ عمل کا کوئی صاف اور واضح اصول ہی طے نہیں ہو سکتا۔ ہماری رائے میں مشترکہ لائحہ عمل کے لیے سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ فرقہ وار اختلاف کا فیاضانہ اور منصفانہ تصفیہ کر لیا جائے۔ ہم نہایت عاجزی سے اپنے اہل وطن کو بالعموم اور مسلمان بھائیوں کو بالخصوص متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ مقاطعہ کی لا حاصل روش اختیار کرنے سے، جیسا کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیالوں نے تجویز کی ہے، افسوس اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو متنبہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ انھیں اس موقع پر ناقابل مصالحت مزاحمت کا رویہ ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے ان حقوق کا تحفظ کر لیں جو ہندو ہمیں دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ جناب وزیر ہند اس امر کی دعوت دے چکے ہیں کہ آئین حکومت کے متعلق تجاویز پیش کی جائیں اور یہ دعوت ابھی تک قائم ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندو سیاسئین اس اہم سیاسی مسئلہ کا تصفیہ کرنے میں محض اس خوف سے پہلوتہی کر رہے ہیں کہ انھیں اس ملک کی قلیل جماعتوں کے منصفانہ حقوق تسلیم کرنے پڑیں گے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو ان تباہ کن نتائج و عواقب سے باخبر کر دیں جو ایک ایسے کمشن کا مقاطعہ کرنے سے پیدا ہوں گے، جو ہندوستان کی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری ضمانت لے کر آ رہا ہے۔ جن مسلمانوں نے مسٹر جناح کے اعلان پر دستخط کیے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ ان کی روش پنجاب اور بنگال ایسے صوبوں کے مسلمانوں کی حکمت عملی کو تبدیل یا وضع نہیں کر سکتی۔

''اس معاملہ میں سر عبدالرحیم اور کلکتہ کے سربرآوردہ مسلمانوں کے درمیان زبردست اختلاف رائے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام جماعتوں کی ایک 'راؤنڈ ٹیبل کانفرنس' منعقد کرکے ہندوستان کی ضعیف و درماندہ قومیت کو سہارا دیں۔ وہ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک طرف تو اہل ہند کمشن کا مقاطعہ کریں، دوسری جانب ساتھ ہی ساتھ آپس میں تصفیہ کرکے رہنے سہنے کی ایک سکیم تیار کر لیں، جسے تمام جماعتوں کی منظوری حاصل کرنے کے بعد برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کی یہ تخیل آرائی ناکام ہو کر رہے گی، کیونکہ ملک کی تین منظم جماعتیں بھی ایک مشترکہ اعلان نہیں کر سکیں —— آل انڈیا مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا اور کانگرس۔ تینوں نے جداگانہ تجاویز ملک کے سامنے رکھی ہیں۔ اسی خیال کو پنڈت مالوی کی تجاویز مقاطعہ کی تائید مزید بھی حاصل ہو گئی ہے۔ جنھوں نے منجملہ دیگر امور کے ہندوستان کا دستور اساسی مرتب کرنے کی تجویز بھی کی ہے۔ اس وقت تک ہندو رائے عامہ کے ذمہ دار رہنماؤں نے اس تجویز کے قبول کرنے کی طرف میلان کا اظہار نہیں کیا۔ ان تمام متضاد و متخالف عناصر کے ہوتے ہوئے اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ سر عبدالرحیم کے پاکیزہ خیالات کو باہم جھگڑنے والی جماعتوں کی تائید حاصل ہو جائے گی۔

''سید امیر علی نے 'لنڈن ٹائمز' کی ایک اشاعت' میں ہندوستان کی اصلی حالت کا جو قابل قدر انکشاف کیا ہے، وہ ہماری سیاسی نظارگی کو اور بھی صاف کر دیتا ہے۔ ہمارا صاف اور غیر مبہم رویہ اس خیال پر قائم ہے کہ ملک کی اکثریت سے اپنے منصفانہ حقوق حاصل کرنے میں ناکام رہ کر ہم یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ ایسا قیمتی وقت ضائع کرنا ہمارے اہم مفاد کے منافی ہوگا۔ ہندوؤں کو

۱۔ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۷ع۔

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ہم باہمی اختلافات کے تصفیہ کے معاملہ کو مزید التوا میں ڈالنے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتے جیسا کہ ہندو مہاسبھا کے معتقدین اور خود لالہ لاجپت رائے نہایت ہوشیاری سے کہہ رہے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے 'راؤنڈ ٹیبل کانفرنس' کے انعقاد کی تجویز کرتے ہیں، مگر تمام اختلافی مسائل کو، خصوصاً فرقہ وار نیابت کے معاملہ کو، اہل برطانیہ کی ثالثی پر چھوڑ دینے کے خواہاں ہیں۔ مسلمان ایسی چالوں سے ناواقف نہیں۔ ملک کی اکثریت کو چاہیے کہ ابھی ہمارے ساتھ دیانتدارانہ مفاہمت کرکے مسلمانوں کے دل میں اپنا اعتماد پیدا کریں۔ مسلمانوں کو محض اعمال ہی قائل کر سکتے ہیں، اقوال اور بلند بانگ دعوؤں سے کچھ نہ بنے گا۔ کیونکہ مسلمان بیش بہا تجارب کے بعد قدرے سوچ بچار کے عادی ہو گئے ہیں۔

"ہم نہایت جرأت اور زور سے کہتے ہیں کہ ہم کرایہ کے ٹٹو بننے کے لیے تیار نہیں۔ مسٹر جناح اور دیگر حضرات نے یہ فقرہ اڑا لیا ہے کہ ہماری خودداری ہمیں 'رائل کمشن' کی تائید کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ فرقہوار جنگ اور خود داری یکجا قائم نہیں رکھی جا سکتیں۔ تدبر کا اقتضا یہ ہے کہ اس نازک موقع پر جذبات کو عقل اور دلیل پر حاوی نہ ہونے دیں"۔

نواب سر ذوالفقار علی خان	رکن مجلس ہند
ڈاکٹر سر محمد اقبال	رکن مجلس پنجاب
نواب سر عبدالقیوم خان (صوبہ سرحد)	رکن مجلس ہند
میاں عبدالحی	رکن مجلس ہند
سید راجن شاہ	رکن مجلس ہند
مولوی محمد علی	امیر جماعت احمدیہ

—o—

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۷ء کے انعقاد کے متعلق بیان*

۱۹۲۷ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی جائے انعقاد اور صدارت پر مسلم لیگ کے رہنماؤں میں اختلاف واقع ہوا۔ ۲۰ نومبر کو مسلم لیگ کونسل نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اجلاس لاہور میں ہو اور صدارت کے لیے سر محمد شفیع منتخب ہوئے۔ ۱۱ دسمبر کو کونسل کا ایک اور اجلاس ہوا جس میں یہ طے پایا کہ آئندہ اجلاس کلکتہ میں ہو اور مولوی محمد یعقوب اس کے صدر ہوں۔ اس سوال پر مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی —— جناح لیگ اور شفیع لیگ۔ اپنے اپنے خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دونوں گروہوں نے اخباروں میں بیانات دینے شروع کر دیئے۔ ان اختلافات کی تہہ میں آئینی کمشن کا بائیکاٹ اور طریق انتخاب ایسے مسائل تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ سر محمد اقبال نے ۱۴ دسمبر کو ملک فیروز خان نون کی معیت میں درج ذیل بیان دیا:

''۲۰ نومبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے فیصلہ کیا کہ لیگ کا آئندہ اجلاس لاہور میں منعقد ہو اور صدارت کے لیے سر محمد شفیع سے درخواست کی جائے۔ سر محمد شفیع نے صدارت قبول فرما لی۔ جب کونسل نے یہ فیصلہ صادر کیا تو ڈاکٹر کچلو سکرٹری نے اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کی صدا بلند کی اور زبانی استعفیٰ داخل کر دیا۔ ہم نے انہیں معاملہ پر غور کرنے کے لیے راغب کیا۔ اس کے بعد بعض اشخاص نے سر محمد شفیع کو لکھا کہ صدارت کے لیے سر آغا خان کو دعوت دینی چاہیے۔ سر محمد شفیع نے سر آغا خان کی خاطر صدارت سے مستعفی ہونا قبول کر لیا، بشرطیکہ وہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کی حمایت کریں اور ان سے توقع بھی یہی کی جاتی تھی، کیونکہ وہ پہلے ہی سے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے حامی تھے۔ اس کے بعد ہی ڈاکٹر کچلو کی طرف سے ارکان لیگ کو ایک

---

* انقلاب: ۱۶ دسمبر ۱۹۲۷ء۔

اطلاع نامہ موصول ہوا کہ مقام اجلاس اور مسئلہ صدارت کا تصفیہ کرنے کے لیے لیگ کی کونسل کا ایک اور جلسہ منعقد ہوگا۔ یہ جلسہ ۱۱ دسمبر کو حکیم اجمل خان کے مکان پر انھی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ ڈاکٹر کچلو سے استدعا کی گئی کہ وہ ان وجوہ کی تشریح کریں جو یہ دوسرا جلسہ بلانے کی محرک ہوئیں۔ انھوں نے فرمایا کہ چونکہ مدراس کے تین حضرات اور بنگال کے دو حضرات نے ایسا کرنے کے لیے کہا تھا، اس لیے یہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ ان سے قطعی طور پر استفسار کیا گیا کہ آیا ان پانچ اشخاص کے سوا کسی اور نے بھی ان سے ایسا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ان سے استفسار کیا گیا کہ آیا ان پانچ حضرات کے خطوط ان کے پاس ہیں تو آپ نے منفی میں جواب دیا اور کہا کہ خطوط امرتسر رہ گئے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ بعض لوگ مسٹر جناح کے پاس گئے تھے اور میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھے اور کتنے تھے؟ اب یہ دیکھنا جمہور کا کام ہے کہ آیا وہ ایک فیصلہ کہ جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے مسترد کرانے کے لیے دوسرے جلسہ کو مدعو کرنے میں حق بجانب تھے یا نہیں۔ اگر سر محمد شفیع کے اس بیان نے، جو انھوں نے اخبارات کو دیا تھا اور جس میں انھوں نے بعض شرائط کے ماتحت صدارت سے مستعفی ہو جانے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، ان کے لیے کچھ عذر پیدا بھی کر دیا تھا تو انھیں ایجنڈا پر اجلاس کے مقام کی تعیین کا مسئلہ ہرگز نہ لانا چاہیے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں صدارت کا مسئلہ بھی ایجنڈا پر لانے کا حق حاصل نہ تھا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے پہلے انھیں ہز ہائی نس آغا خان سے دریافت کر لینا چاہیے تھا کہ آیا وہ صدر بننے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں۔ اگرچہ لیگ کے قاعدہ ۱۹ کی رو سے سکرٹری کو کونسل کا اجلاس مدعو کرنے کا حق حاصل ہے تاہم وہ لیگ کی گذشتہ تاریخ سے ایک مثال بھی ایسی پیش نہ کر سکے

جس میں کسی سکرٹری نے کونسل کے ایک فیصلہ کو جسے وہ خود پسند نہیں کرتا پس پشت ڈال کر اس فیصلہ کے خلاف اور فیصلہ حاصل کرنے کے لیے آٹھ روز کے اندر اندر دوسرا اجلاس بلا لیا ہو۔ اب بھی سکرٹری کے لیے موقع ہے کہ وہ پبلک پر ان ارکان کے اسماء ظاہر کر دیں جنھوں نے کلکتہ کے حق میں رائیں دیں یا جنھوں نے لاہور کے حق میں رائیں دیں۔ اور یہ بتائیں کہ آیا ان اشخاص نے تحریری آرا بھیجی تھیں۔ جیسا کہ قواعد کی رو سے ہونی چاہییں تھیں یا انھوں نے زبان برق کے ذریعہ رائیں ارسال کی تھیں جو جائز نہیں کیونکہ جھوٹے تار بھی بھیجے جا سکتے ہیں، اور دفتر کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا تار بھیجنے والا اصلی ووٹر ہے یا کہ نہیں۔ اس امر کی خاص طور پر اس لیے اور بھی اشد ضرورت ہے کہ اسسٹنٹ سکرٹری نے مطالبہ کرنے پر لاہور کے ارکان کو ڈاک کے ذریعے موصول ہونے والی آرا دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ۳۰ نومبر کو دفتر نے معائنہ کی اجازت دی لیکن اس دفعہ یہ کہہ دیا گیا کہ اس امر کے احکام دیئے جا چکے ہیں کہ اس موضوع کے کاغذات کسی کو نہ دکھائے جائیں۔

''اگر ۳۰ نومبر کے فیصلے آخری اور قطعی نہ تھے تو ۱۱ دسمبر کے فیصلہ جات بھی قطعی نہیں ہو سکتے۔ پنجاب اور یو۔ پی۔ کے ارکان کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ ۳۰ نومبر ہی کا فیصلہ قائم ہے اور وہ ۱۱ دسمبر کا فیصلہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یو۔ پی۔ کے ارکان مثلاً ڈاکٹر ضیاء الدین (علی گڑھ)، مسٹر عبداللہ اور مولانا حسرت موہانی کونسل کے عہدہ داروں کے خلاف آئین رویہ کے خلاف احتجاج کے طور پر جلسہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ قاعدہ ۲۲ (د) کی رو سے کونسل کے فرائض اور اختیارات یہ ہیں کہ کونسل لیگ کے سالانہ اجلاس کے لیے اس صوبہ کی لیگ سے مشورہ کرنے کے بعد، جس میں کہ اجلاس منعقد ہو رہا ہو، صدر کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اس نقطے پر بھی کونسل کا

فیصلہ دہلی مورخہ ۱۱ دسمبر خلاف آئین ہے۔ کیونکہ صوبہ کی لیگ سے سر محمد شفیع کی صدارت کے متعلق کوئی مشورہ نہیں کیا گیا اور سر محمد شفیع کا پہلا انتخاب سراسر جائز ہے۔

''ہم یہ بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا بنگال مسلم لیگ کی طرف سے سالانہ اجلاس کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دعوت بھی موصول ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو بتایا جائے کہ بنگال مسلم لیگ کے سکرٹری نے اس لیگ کی طرف سے کس تاریخ کو دعوت نامہ بھیجا یا بنگال کے صرف ایک شخص نے اپنے طور پر کہہ دیا کہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہونا چاہیے۔ اگر یہ معاملہ ہو تو ان صاحب کا نام بھی بتایا جائے۔

''اب بھی ہم ان اشخاص سے جو قوم کے اتحاد اور بہبود کے خواہاں ہیں، التماس کرتے ہیں کہ کونسل کے فیصلہ ۲۰ نومبر کے مطابق مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے۔ اگر یہ خیال ہے کہ ۳۰ یا ۳۱ دسمبر کی تاریخیں مناسب نہیں کیونکہ جو لوگ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا کانگرس کے اجلاس ہائے مدراس میں شامل ہوں گے وہ ۳۰ دسمبر کو لاہور نہ پہنچ سکیں گے، تو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی تاریخیں تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ اجلاس ماہ جنوری کے آخری شنبہ اور یک شنبہ کو منعقد کیا جا سکتا ہے یا ایسٹر کی تعطیلات میں منعقد ہو سکتا ہے۔ دہلی میں بھی اس امر کی تجویز پیش کی گئی تھی، لیکن منظور نہ ہو سکی۔ کیونکہ کلکتہ میں اجلاس منعقد کرنے کے وجوہ کچھ اور ہی ہیں۔ اور وہ نہیں جو ہمیں یا پبلک کو بتائے جا رہے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کلکتہ میں مشترکہ حلقہ ہائے انتخاب کے متعلق ۲۰ مارچ کی منظور کردہ تجاویز دہلی کو مسلمان قوم کے سر منڈھنے کا موقع لاہور کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ مسلمانان پنجاب متفقہ طور پر جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے حامی ہیں۔''

ملکی حالات اور آئینی کمشن سے تعاون*

آئینی کمشن سے تعاون کرنے کے حق میں علامہ سر محمد اقبال نے سر ذوالفقار علی خان کے ہمراہ ۱۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو درج ذیل بیان دیا :

"مسٹر جناح اپنے جوابی اعلان میں بعض نامعلوم وجوہ سے الٹا الزام دینے پر آتر آئے ہیں۔ اور یہ کاروائی انہوں نے غالباً اس لیے کی ہے کہ جس موجودہ سیاسی حالت پر ہم نے زور دیا تھا اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں۔

"موجودہ نازک وقت کا اہم مقصد تمام خیر خواہان ملک کے لیے ایک ہے، جو بڑی بے چینی سے محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ملک کی قسمت زندگی اور موت سے وابستہ ہے، لیکن بد قسمتی سے اس ابتلا کے زمانہ میں ایسے آدمی ہندوؤں میں نہیں آئے، جو پردہ اٹھا کر اپنے ملک کے حقوق کا صحیح فیصلہ دیوتاؤں سے کرائیں۔ ہندوستان کی بد قسمتی سے بمبئی اور کلکتہ کے سرمایہ داروں کو انگلیوں پر نچانے کا موقع مل گیا ہے۔

"ہم نے پہلے بھی وضاحت کر دی ہے کہ مختلف اقوام باہمی خونریزی کے ہولناک مظاہروں میں مصروف ہیں، جس سے ہندوستان کی خود داری خاک میں مل گئی ہے۔ مسٹر جناح اور ان کے رفقا نے بد قسمتی سے قومی زندگی کی ایسی حالت کا تصور کر رکھا ہے جو حقیقت میں مفقود ہے۔ ہاں ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اس قومی تضحیک کا اصلی ذمہ دار کون ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا مسلمانوں نے ہرگز نہیں کی۔ وہ ہندوؤں سے بمنت درخواست کرتے رہے ہیں کہ اقلیتوں کے

---

* انقلاب : ۲۱ دسمبر ۱۹۲۷ء۔

جائز حقوق کے متعلق وہ اپنے غیر متبدل رویہ کو ترک کر دیں۔ مسٹر جناح کو بخوبی معلوم ہے کہ تقرر کمشن کا اعلان ہونے سے بہت پہلے مسلمانوں نے متعدد مرتبہ اکثریت سے درخواست کی کہ باہمی اختلافات کا تصفیہ کرائیں۔ پھر موتمر اتحاد شملہ میں مسلمانوں نے ایک مرتبہ پھر اپنے شکوے کی آواز بلند کی۔ اور اب اس موقع پر پھر مسلمان ان کو صلح کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس تماشے میں مسٹر جناح چیف ایکٹر رہے ہیں۔ کیا وہ ہم کو بتلا سکتے ہیں کہ ان کو کبھی ہندوؤں کی جانب سے سوائے سخت ہٹ دھرمی کے اور کوئی جواب ملا؟ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان اور ہندو صرف اتفاق اور اتحاد سے ہندوستان میں مستحکم سیاسی سلسلہ قائم کر سکتے ہیں لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ ہمارے اتحاد عمل کے بغیر بھی وہ سوراج کی منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس خیال کی مزید تائید اس راز کے افشا ہونے سے ہو گئی ہے کہ ہندو رہنما برطانوی حزب العمال کے ساتھ خفیہ سازشوں میں مصروف ہیں۔

''رائٹ آنریبل سید امیر علی نے حال ہی میں جو پیغام بھجوایا ہے، ہمارے لیے یقینی طور پر دلیل راہ ہے۔ آپ کا وہ مشورہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے، یہی ہے کہ ہمیں کمشن کا مقاطعہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مسٹر جناح اور ان کے مسلمان دوست جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں کہ کمشن کے مسترد کرنے میں ہمیں ہندوؤں کی حمایت کرنی چاہیے۔ مسٹر جناح ہماری آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں۔

''آپ فرماتے ہیں کہ حکومت برطانیہ نے ہمیں جداگانہ نیابت دینے کا حلفیہ وعدہ کر رکھا ہے اور جب تک ہم اس مطالبہ پر مستحکم رہے حکومت ہم کو اس استحقاق سے ہرگز محروم نہ کرے گی۔ اخبار 'ہندوستان ٹائمز' جو مہاسبھا کا پرچہ ہے اس دعویٰ

کو غیر معتبر سمجھتا ہے اور لکھتا ہے کہ مانٹیگو چمسفورڈ کی رپورٹ میں اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھائی گئی - ہم اس رپورٹ کے مفہوم کو جو 'ہندوستان ٹائمز' ظاہر کرتا ہے تسلیم نہیں کرتے - لیکن افسوس کرتے ہیں کہ مسٹر جناح خود مخلوط انتخاب کی تلقین کر کے حکومت کو اس وعدے کے خلاف کرنے پر بزور مجبور کر رہے ہیں - اس لیے مسٹر جناح کا اس قسم کا اطمینان دلانا کوئی وقعت نہیں رکھتا -

''ملازمتوں کا سوال اگرچہ کمشن کے حدود اختیارات سے باہر ہے، لیکن یہ بھی ہماری مستعدی اور استقلال پر منحصر ہے جو ہم فریق مخالف کو اس مسئلہ کے حل کرنے پر مجبور کرنے میں دکھائیں گے -

''مسٹر جناح نے عجیب دقت نظر سے اپنے تین دلپسند امور پر زور دیا ہے --- یعنی خود داری، مادر ہند سے وفاداری اور مقاطعہ کے فوائد - اس سے ہم کو روشن تاریخ کی ایک سادہ کہانی یاد آ گئی ہے - کسی پر تکلف دعوت میں گونا گوں گوشت اور شکار کی نمائش کی گئی تھی - لیکن آخر کار معلوم ہوا کہ یہ سب معمولی خنزیر کا گوشت تھا جس کو باورچی کی کاریگری نے مختلف صورتوں میں پیش کیا تھا - موجودہ صورت میں بھی مسٹر جناح ہندوستانی قومیت کو مختلف فریب آمیز شکلوں میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں -

''ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ دولت، رسوخ، سیاسی قوت اور تعداد کے لحاظ سے ہم ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے - اس لیے جب تک ہم ہندوؤں اور انگریزی حکومت دونوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ مستعدی اور سرگرمی سے نہ کریں، ہماری سیاسی موت مسلمہ امر ہے، جیسا کہ بعض مسلمان ہم سے کہتے ہیں کہ ہم اکثریت کی ہوائی فیاضی پر اعتماد نہیں کر سکتے -

''اب قیاسات اور جذبات کی گنجائش نہیں۔ ہمیں ٹھوس دلائل کی ضرورت ہے۔ مسٹر جناح اور ان کے دوست ہم کو اپنے مفاد کے لیے بھی مورد طعن و تشنیع بنائیں، ہم اس بات کو زمانۂ مستقبل پر چھوڑتے ہیں جو ہمارے اس استقلال کا انصاف کرے گا، جو ہم نے فرقہ وار مفاد کو مستحکم بنیاد پر رکھنے میں دکھلایا ہے۔''

—o—

سوراج اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ*

۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ایک جلسہ عام موچی دروازہ کے باہر باغ میں زیر صدارت مولوی فضل دین منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے علامہ سر محمد اقبال نے فرمایا:

''اس وقت مسلمانوں کے سامنے دو مسائل پیش ہیں۔ ایک حصول سوراج کا معاملہ اور دوسرا فرقہ وار نیابت کے قیام کا معاملہ... بد قسمتی سے ملک کی اکثریت کے طرز عمل نے مسلمانوں کو حصول سوراج کے مسئلہ کی طرف سے بددل کر رکھا ہے۔ اب انہیں اپنے حقوق ملی کے تحفظ کی فکر لاحق ہو رہی ہے اور مسلمانان ہند کی ترقی کا انحصار اسی مسئلہ پر ہے۔''

—o—

---

*انقلاب: یکم جنوری ۱۹۲۸ء۔

بنگال و پنجاب کی اکثریتیں*

۳۱ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں علامہ سر محمد اقبال نے درج ذیل قرارداد پیش کی:

''موجودہ انتظام میں بنگال و پنجاب کے مسلمانوں کو مجلس وضع قوانین میں اکثریت کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اس کے خلاف پر زور احتجاج کرتا ہے اور اسے اصول جمہوریت کے منافی بتاتا ہے۔ لیگ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ ۱۹۲۱ء میں مسلمانوں کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی اسے دور کیا جائے۔''

—o—

مدیر ''انقلاب'' کے نام مکتوب**

لاہور ۸ - جولائی،

''جناب ایڈیٹر صاحب انقلاب، السلام علیکم، نواب احمد یار خان صاحب نے ۲۶ جون کے اخبار 'سیاست' کی ایک کٹنگ پرسوں کی ڈاک میں مجھے ارسال فرمائی ہے۔ صاحب مدیر 'سیاست' تعریضاً یہ لکھتے ہیں کہ میں سائمن کمیٹی کے انتخاب کے روز کونسل کے اجلاس سے غیر حاضر تھا۔ افسوس ہے کہ سید صاحب کو واقعات کی اطلاع غلط ملی یا ان کو غلط اطلاع عمداً دی گئی۔ بہرحال میں اس روز کونسل میں موجود تھا۔ طویل علالت کی وجہ سے میں اس سے پہلے اس امر کی تردید نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ نواب

---

*انقلاب: ۳ جنوری ۱۹۲۸ء -
**ایضاً : ۱۱ جولائی ۱۹۲۸ء -

احمد یار خان صاحب نے مجھے بذریعہ تار اطلاع دی کہ انہوں نے تردید کر دی ہے۔ چونکہ اخبار 'سیاست' میں تردید میری نظر سے نہیں گزری اور نیز اس خیال سے کہ شاید سید صاحب اپنے اخبار میں میری تردید شائع کرنا مناسب نہ تصور کریں، آپ سے التماس ہے کہ یہ چند سطور اپنے اخبار میں درج فرما کر مجھے ممنون فرمائیں۔''

—o—

نہرو کمیٹی رپورٹ پر تبصرہ*

علامہ سر محمد اقبال جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ (لاہور) نے نہرو رپورٹ کے متعلق ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو درج ذیل بیان دیا:

''میں نے ابھی تک نہرو کمیٹی کی مکمل رپورٹ کا مطالعہ نہیں کیا۔ میں نے صرف وہی حصے دیکھے ہیں جو اخبارات میں شائع ہو گئے ہیں۔ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ رپورٹ صحیح الدماغی کا ایک نمونہ ہے اور اس سے ملک کے اہم آئینی مشکلات کے حل کرنے کی حقیقی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر ایک ہندوستانی ان ممتاز ہندوستانی قانون دانوں کی مرتب کردہ رپورٹ کو فخرو مباہات کے جذبات کے بغیر مطالعہ نہیں کرے گا۔

''میں اس رپورٹ کے چند ایک زیادہ اہم امور پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

''سب سے پیشتر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رپورٹ میں حکومت مستعمرات کے مطالبہ سے اہل ملک کے صحیح جذبات کی

---

*انقلاب: ۲۱ اگست ۱۹۲۸ء۔

ترجمانی کی گئی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تمام ملک اس سے زیادہ کسی قسم کی حکومت کا خواستگار نہیں۔ میں بھی واضعان رپورٹ سے اس مطالبہ میں کلی اتفاق رکھتا ہوں۔ لیکن اس بات کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس رپورٹ سے لالہ لاجپت رائے اور بعض اسلامی جرائد کے ان منافقانہ دلائل کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے جو وہ اس امر کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی دنیائے اسلام کی آزادی کے مترادف ہے۔

''دوسرا امر یہ ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والے حضرات نے اپنے دلائل میں فرض کر لیا ہے کہ پنجاب اور بنگال کی مختلف اقوام اپنی اپنی قوم کے نمائندوں کے حق میں رائے دیں گی۔ اس قیاس کی بنا پر پنجاب کے مسلمانوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ کونسل میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو جداگانہ طریق انتخاب کو کیوں منظور نہیں کیا جاتا۔ کم از کم نشستوں کی تخصیص کیوں نہیں کی جاتی۔

''اصل امور متعلقہ کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے پہلا مسئلہ بالغوں کو رائے دہی کے حقوق کے متعلق ہے:

''(۱) ۲۰ سال کے مسلمان بالغوں کی تعداد تمام بالغ مردوں کے مقابلہ میں ۴۰ فی صد ہے۔ حالانکہ کل آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کا تناسب ۵۶ فی صد ہے۔ اس دو فی صد خسارہ سے ہندوؤں اور سکھوں کی تناسب آبادی میں دو فی صد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کل آبادی کے لحاظ سے ان دونوں قوموں کو ۴۲ فی صد نیابت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اس طریق انتخاب سے انہیں ۴۴ فی صد نیابت ملتی ہے۔

''(۲) مسلمان نابالغہ خواتین کو تمام صوبہ کی بالغہ خواتین میں ۵۰ فی صد کی نسبت حاصل ہے۔ لیکن وہ مقابلتاً غیر تعلیم یافتہ اور

بے حد قدامت پسند ہیں ، اس لیے عرصہ دراز تک ان کا پولنگ سٹیشن پر ووٹ دینے کے لیے جانا محال ہے ۔ غیر مسلم خواتین مقابلتاً زیادہ ترقی یافتہ ہیں ، اس لیے وہ زیادہ تعداد میں رائے دینے کے لیے جائیں گی ۔ اس لیے مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد کو نقصان پہنچے گا ۔ گذشتہ انتخاب سے مسلم خواتین کی قدامت پسندی کا ثبوت بہم پہنچ گیا ہے ۔

''(۳) ایک لاکھ آبادی کی طرف سے ایک نمائندہ مقرر کرنے سے پنجاب میں حلقہ جات انتخابات کی بھی ازسرنو تقسیم کرنی پڑے گی ۔ اس سے بھی مسلمانوں کی نیابت کو نقصان پہنچنے اور اکثریت سے اقلیت میں جانے کا اندیشہ ہے ۔ نہرو کمیٹی کے خیال میں مسلمانوں کو ۴۷ نشستیں مل جائیں گی ۔ لیکن اگر ایک لاکھ کے پیچھے ایک نمائندے کی تجویز قائم رہے تو پنجاب کی دو کروڑ چھ لاکھ کی آبادی سے ۲۰۷ ارکان کا انتخاب لازمی ہوگا ۔ ان کے لیے اسی قدر حلقے بھی تجویز کیے جائیں گے ۔ ظاہر ہے کہ حلقہ انتخاب کی زیادتی سے ان حلقوں میں کمی واقع ہو جائے گی ، جن میں مسلمان امیدواروں کے کھڑے ہونے کی توقع ہے ۔ جیسا کہ نہرو کمیٹی نے مسلمانوں کی اکثریت کا یقین دلایا ہے اگر ایسا ہی عمل میں آئے تو مسلمانوں کو ۲۰۷ کے نصف سے زیادہ نشستیں ملنی چاہیے ۔ جس صورت میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی واقع ہے ، اس سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اس مسئلہ میں مجھے پورا اطمینان ہے ، کیونکہ اس پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے ۔

''(۴) سندھ کی علحدگی مشروط ہے ۔ برما کی مثال سامنے ہے ۔ میرے خیال میں اس قسم کی کوئی قید نہیں لگانی چاہیے ۔

''(۵) حقوق شہریت کے متعلق میرا خیال ہے :

''(الف) اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کا انتظام اعلیٰ ترین دماغوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے ۔ لیکن ہندوستان کے حالات کو

پیش نظر رکھتے ہوئے میری رائے ہے کہ قابلیت کا معیار مقرر کردیا جائے تاکہ ہر ایک قوم کو انتظام ملک میں کافی حصہ مل سکے۔ فرقہ وار رقابت اور دشمنی کے تمام ممکن مواقع کو رفع کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔

"(ب) حقوق شہریت کے فقرہ نمبر ٥ میں تمام اقوام کی تعلیمی درسگاہوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت گرانٹ دینے کی اجازت دی گئی ہے اور لکھا گیا ہے کہ یہ انتظامات اس وقت نافذ ہوں جب حکام متعلقہ اس کا مناسب انتظام کر دیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان الفاظ کے معانی میری سمجھ میں نہیں آئے۔ میں امید کرتا ہوں اس کا یہی مطلب ہے کہ جب تک اچھوتوں وغیرہ کے لیے ایک ہی سکول میں جداگانہ تعلیم کا انتظام نہ ہو جائے۔

"آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک کی جماعتیں اس رپورٹ کی طرف پوری توجہ دیں اور بجائے فرقہ وار تنازعات میں اپنا وقت ضائع کرنے کے دستور اساسی کے متعلق کسی مستحسن باہمی سمجھوتے پر پہنچیں۔ اسی پر ملک کی موجودہ نجات اور آئندہ عظمت کا انحصار ہے۔"

—٥—

آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ کے فیصلوں کے متعلق بیان*

نہرو رپورٹ کے مسودہ کو منظور کرنے کے لیے لکھنؤ میں ٢٨ اگست ١٩٢٨ء کو آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مسلم لیگ کے دونوں حصوں — جناح لیگ اور شفیع لیگ — میں سے کسی نے بھی اپنا نمائندہ نہ بھیجا۔ صرف خلافت کمیٹی نے نمائندے بھیجے۔ کانفرنس نے نہرو کمیٹی کی سفارشات منظور کر لیں۔

---

* انقلاب: ٦ ستمبر ١٩٢٨ء۔

علامہ سر محمد اقبال نے ۴ ستمبر کو فری پریس کے نمائندے سے ملاقات کے دوران اس کانفرنس کے متعلق فرمایا:

"مجھے ڈر ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ کے فیصلہ جات اور مولانا شوکت علی کے وہ حیرت انگیز انکشافات، جو انھوں نے اپنے ابتدائی بیان میں کیے ہیں، ہندوستان کی فرقہ وار صورت حال کو بد سے بدتر بنا دیں گے۔ جس حد تک میں جمہور مسلمانان کے خیالات و ذہنیت کو سمجھنے کی استعداد رکھتا ہوں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جن مسلمان رہنماؤں نے خاص کر پنجاب کے متعلق کانفرنس کی مفاہمت پر دستخط کیے ہیں، ان کا یہ فعل محض ان کی انفرادی حیثیت کا فعل متصور ہوگا۔ ہندوستان کا مسلمان اب اس جذبہ کو از سر نو سمجھنے اور اس کی قدر و قیمت مقرر کرنے پر مجبور ہو جائے گا، جسے 'ہندی قومیت' کے جذبہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جونہی وہ اس امر پر غور کرے گا وہ اپنے آپ کو مولانا شوکت علی کی طرح پائے گا جن کی آنکھیں اب کھل چکی ہیں اور جو کمال رنج و احساس درد کے ساتھ اپنے دل کو آزادی کے اس جوش اور جذبہ سے خالی پاتے ہیں، جس نے ان کی ہستی میں ایک قسم کی بجلی بھر رکھی تھی۔ تمام باتیں مسلمانوں کے احساس عدم اعتماد کو مستحکم و مضبوط کرنے کا موجب ہوں گی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابھی سے اس مفاہمت اور فیصلہ کی شدید مخالفت کرنے کے لیے، جو اس غیر نمائندہ کانفرنس نے کیا، تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔ ذاتی طور پر میں جدا گانہ حلقہ ہائے انتخاب کا حامی ہوں۔ اس کی وجہ کسی حد تک تو مسلمانان ہند اور خاص کر مسلمانان پنجاب کی موجودہ اقتصادی حالت ہے لیکن بڑی وجہ فرقہ وار امن و آتشی کے قیام کا احتمال ہے، جو میرے خیال میں صرف جدا گانہ حلقہ ہائے انتخاب ہی سے متعین ہو سکتا ہے۔ اگر ایک ہی حلقہ سے دو یا دو سے زیادہ ایسے امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوگئے جن کے مذہب مختلف ہوں۔ تو ان

لوگوں کی طرف سے بدترین مذہبی احساسات کو مشتعل کرنے کا بہت بڑا احتمال بلکہ گمان غالب ہے، جو جداگانہ فرقہ وار انتخاب کی صورت میں مذہبی فرقہ بازی اور برادری کے احساسات سے فائدہ اٹھانے پر بھی شرمسار نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں نشستوں کا تعین بھی مسلمانان ہند کے لیے موجب اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس موقع پر میں ایک بات کا تذکرہ کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ سر علی امام کا خیال ہے کہ پنجاب اور بنگال کی نشستوں کی تخصیص کے معاملہ میں دو خامیاں نظر آتی ہیں۔ اول تو اس سے قوم کے دل میں تحفظ کا غلط احساس پیدا ہوگا۔ دوم یہ تخصیص اسے معین شدہ نشستوں سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے لیے مقابلہ کرنے سے روک دے گی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا سر علی امام نے یہ دلائل اپنے ضمیر کی تسلی کے لیے وضع کیے ہیں یا وہ ان کے زور پر اپنی قوم کو قائل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے سے تجربہ رکھنے والے شخص کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان ایسی سرزمین نہیں جس میں ہر شے کو تعمیم کلی کے ساتھ کہا جا سکے۔ سر علی امام کا ارشاد ان کے صوبہ کے مسلمانوں کی ذہنیت و نفسیت کے لیے صحیح ہو تو ہو لیکن پنجاب کے معاملہ میں یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں۔ کاش انہیں اس صوبہ کے گذشتہ دو فرقہ وار انتخابات کا عینی مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہوتا۔ ان میں بہت کم لوگ بلا مقابلہ منتخب ہو سکے تھے۔ ایک ہی حلقہ میں ہم مذہب امیدواروں کی باہمی رقابت فرقہ وار حلقہ ہائے انتخاب میں ووٹ کی قدر و قیمت کا پورا پورا احساس دلانے کے لیے ایک زبردست محرک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب نے اس صوبہ میں شدید ترین قومی رقابتیں اور برادری کے تعصبات پیدا کر رکھے ہیں۔ باقی رہا سر علی امام کا دوسرا نقطہ۔ اس کے متعلق میری گذارش یہ ہے کہ سر علی امام وطن پرست ہونے کی حیثیت میں، جیسا کہ وہ ہیں، مسلمانوں کو پنجاب کے اندر مکمل فرقہ وار توفق قائم و مستحکم کرنے کی دعوت نہیں دے سکتے۔

پنجاب کے مسلمانوں کو اگر قانون ساز مجالس اور ملازمتوں میں ان کا مناسب حصہ دے دیا جائے تو وہ پوری طرح مطمئن اور قانع ہو جائیں گے۔ انہیں اقتدار و تفوق قائم کرنے کی ہرگز خواہش نہیں۔

''مزید برآں جیسا کہ میں اپنے پہلے انٹرویو میں کہہ چکا ہوں نہرو رپورٹ کے اندر پنجاب کی آبادی کے متعلق اعداد و شمار کی جو توضیح کی گئی ہے، وہ سراسر گمراہ کن ہے۔ بالغ مردوں اور عورتوں کو رائے کا حق دینے کے بعد اس صوبہ کے مسلمانوں کے لیے اپنی اکثریت کو کونسل میں بحال رکھنا مشکل سی بات ہے۔

''ان صوبجات میں جہاں ان کی اکثریت ہے، اکثریت کے حقوق کے متعلق ہندوؤں کا مطالبہ میری رائے میں نہایت منصفانہ ہے۔ اگرچہ اس کی زد صوبجات متحدہ اور مدراس کی مسلمان اقلیتوں کے بڑھے ہوئے حقوق پر پڑتی ہے۔ میں ان صوبجات سے جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ پر وسیع ہندوستان گیر اسلامی زاویۂ نگاہ سے غور کریں۔''

—o—

آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی*

۲۹ دسمبر ۱۹۲۸ء سے یکم جنوری ۱۹۲۹ء تک ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس زیر صدارت سر آغا خان دہلی میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں سر محمد شفیع نے ایک قرارداد مسلم مطالبات کے سلسلے میں پیش کی۔ قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے علامہ سر محمد اقبال نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''حضرات! گذشتہ تین چار سال سے ہم کو جو مشاہدات و

---

*انقلاب: یکم جنوری ۱۹۲۹ء۔
*رپورٹ آل پارٹیز مسلم کانفرنس، دہلی، ۱۹۲۹، م-۲۸-۲۹۔

تجربات حاصل ہو رہے ہیں وہ نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں۔ ہم کو جو باتیں اپنے برادران وطن کے متعلق قیاسی طور پر معلوم تھیں اب وہ یقینی طور پر ہمارے علم میں آ گئیں۔

''میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج سے نصف صدی قبل سر سید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے لیے جو راہ عمل قائم کی تھی، وہ صحیح تھی اور تلخ تجربوں کے بعد ہمیں اس راہ عمل کی اہمیت محسوس ہو رہی ہے۔

''حضرات! آج میں نہایت صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں بحیثیت مسلمان ہونے کے زندہ رہنا ہے تو ان کو جلد از جلد اپنی اصلاح و ترقی کے لیے سعی و کوشش کرنی چاہیے۔ اور جلد از جلد ایک علحدہ پولیٹیکل پروگرام بنانا چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض حصے ایسے ہیں، جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور بعض حصے ایسے ہیں، جن میں وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ ان حالات میں ہم کو علحدہ طور پر ایک پولیٹیکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے۔ آج ہر قوم اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سعی و کوشش کر رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سعی و کوشش نہ کریں۔ آج اس کانفرنس میں متفقہ طور پر جو ریزولیوشن پیش ہوا ہے، وہ نہایت صحیح ہے اور اس کی صحت کے لیے میرے پاس ایک مذہبی دلیل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے آقائے نامدار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کا اجتماع کبھی گمراہی پر نہ ہوگا۔''

—o—

انجمن ہلال احمر مدراس سے خطاب*

علامہ اقبال جب مدراس تشریف لے گئے تو وہاں کی انجمن ہلال احمر کے ارکان نے ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو انہیں اپنی ایک تقریب میں مدعو کیا ۔ آپ نے ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا :

''ایشیائی مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ باوجود ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہونے کے ایشیا کے تمام ممالک یعنی ہندوستان ، ایران ، افغانستان ، شام ، حجاز اور چین کے سامنے اس وقت جو مسئلہ در پیش ہے اس کے حل کرنے میں محققین نے جو طریق کار اختیار کیا اور اس کا جو حل تجویز کیا ہے ، اس کے اصولوں میں ایک نمایاں یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ خیالات کا یہ اتحاد ایشیا کے مستقبل کے لیے ایک نیک شگون ہے اور مجھے کامل یقین ہے کہ ایشیا کو پھر عروج حاصل ہوگا ۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت مختلف قوموں کے اتحاد کی ہے اور میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ایک دوسرے کے مسائل پر دونوں پہلوؤں سے غور کر کے ایک مصالحانہ نتیجہ پر پہنچنا چاہیے . . . .

''مجھے یقین کامل ہے کہ پرانی دنیا جس کا پیرو یورپ بنا ہوا ہے خاتمہ پر پہنچ رہی ہے ۔ اب نئی دنیا معرض ظہور میں آنے والی ہے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان ہی ہے جو مادہ‌پرستوں کی مغربی دنیا کو یہ عظیم القدر پیغام پہنچانے کے قابل ہوگا ۔''

— o —

---

* انقلاب: ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء ۔

شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ*

۷ جنوری ۱۹۲۹ع کو انجمن خواتین اسلام ، مدراس نے علامہ سر محمد اقبال کو ایک سپاس نامہ[۱] پیش کیا۔ اس کے جواب میں حضرت علامہ نے درج ذیل تقریر فرمائی :

''میں آپ کے ایڈریس کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اگر میری تحریروں نے خواتین کے دلوں میں اسلامی روایات کا احترام پیدا کیا ہے تو رب کعبہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپ کے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پروائی ہوئی ، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا ، لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔ کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر ، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں ، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقاء میں کس حد تک اس کی ممد و معاون ہے۔

''مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآن پاک کی آیت سے یہی سمجھا ہے۔ بعض علماء مرد کی فوقیت کے قائل ہیں۔ جس آیت سے شک کیا جاتا

---

*انقلاب : ۱۹ فروری ۱۹۲۹ع۔

۱- سپاسنامے کا متن ''انوار اقبال'' (مرتبہ بشیر احمد ڈار ، کراچی ، ۱۹۶۷ع ، ص ۲۳۲—۲۳۶) میں چھپ چکا ہے۔

ہے وہ مشہور ہے: ’الرجال قوامون علی النساء‘۔ عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآن حکیم نے فرمایا: ’ھن لباس لکم و انتم لباس لھن‘۔ لباس بھی محافظت کے لیے ہوتا ہے۔ مرد عورت کا محافظ ہے۔ دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔

”قرون اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوئیں۔ حضرت عائشہ پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں ایک موقع پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھیں اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں۔ اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔ خلافت اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب میں ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں۔ اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مد نظر رکھتا ہے: ’امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس‘ اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔

”تمام مسائل کے حل کرنے میں علماء نے اعتدال کے طریق کو بطور اصل الاصول ملحوظ رکھا۔ انسانوں کی زندگی مدنی ہے۔ یعنی انسان مل کر زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے انسانوں کی مختلف جماعتوں سے مختلف فرائض متعلق ہیں۔ ایک سلسلہ فرائض انسانی زندگی میں مردوں کا ہے، اور ایک عورتوں کا۔ یہ فرائض بعض تو خدائی احکام کی رو سے ہیں اور بعض خود وضع کردہ ہیں۔ بعض فطری طور پر ہیں۔ عورت کے بحیثیت عورت اور مرد کے بحیثیت مرد، بعض خاص علحدہ علحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔

فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے - مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے - مدنی زندگی کے لیے جو احکام ہوں گے وہ فرائض کو مد نظر رکھ کر ہوں گے۔

''اگر آپ ان حقوق پر نظر ڈالیں جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس مذہب نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجہ پر نہیں رکھا - سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ ماں بچوں کی وراثت کا حق رکھتی ہے - سب سے اول اسلام ہی نے اس امر کا اعلان کیا کہ عورت اپنی علحدہ جائیداد کا حق رکھتی ہے - یورپ کے کئی ملکوں میں اب تک آپ کی بہنوں کو علحدہ جائیداد کا حق حاصل نہیں۔ غالباً ۱۸۷۵ع تک انگلستان میں عورت جائیداد کی مالک نہ تھی - اس کی جائیداد نکاح کے وقت خاوند کی جائیداد میں جذب ہو جاتی تھی - ۱۸۸۸ع میں کوئی انگریز اپنی مرحوم بیوی کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا - اسلام میں اس قسم کی شادی کی اجازت شروع سے ہے - تعجب کی بات ہے کہ اولاد کی ولایت کا حق انگریز ماں کو اس وقت تک بھی نہیں - اسلام میں یہ حق ہمیشہ سے موجود ہے - ان تمام امور میں یورپین قومیں یا تو اسلام کا تتبع کر رہی ہیں یا خود فطرت نے اب انہیں اس طرف توجہ دلا دی ہے - مجھے یقین ہے کہ یورپ نے بھی وضع قانون کے معاملے میں اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے - یورپ میں طلاق کا حاصل کر لینا مشکل تھا - مسلمانوں میں یہ شکایت کبھی خاص طور پر پیدا نہیں ہوئی -

''اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو [مرد کی طرح] طلاق دینے کا حق نہیں - حال میں ترکی میں یہی اعتراض کیا گیا - لیکن ہم تو محکوم ہیں، اپنی مرضی کے مطابق اپنی تعلیم کو نہیں چلا سکتے - تعجب ہے کہ ترکی میں بھی اس اعتراض کا جواب نہ دیا گیا - اسلام نے اس مسئلے کو عجیب طرح بیان کیا ہے - جو حل اسلام نے

اس مسئلہ کا تجویز کیا ہے ، وہ نہایت عمیق تجربے پر مبنی ہے ۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے علماء نے کبھی اس بات کی توضیح ہی نہیں کی کہ نکاح کے وقت عورت کہہ سکتی ہے کہ جو حق اسلام نے طلاق کا تم کو (مرد کو) دیا ہے ، وہی اس وقت مجھے (عورت کو) دے دو تو پھر نکاح ہوگا یا یہ حق میرے کسی قریبی تعلق والے کو دے دیا جائے ۔ پنجاب میں آج سے دس سال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت یہ حق بھی حاصل ہے اور نہ جہالت کی وجہ سے آج تک کسی نے دریافت ہی کیا ۔ جب انگلستان میں طلاق کی آسانی ہوئی تو بیشتر عورتیں ہی تھیں جنھوں نے عدالتوں میں طلاق کی درخواستیں دینا شروع کر دیں ۔ حالانکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ مرد ت کو بہت جلد طلاق دے دیتا ہے ۔

''آپ نے اپنے لیے ایڈریس میں اسیران قفس کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ ان سے مجھے مغربی عورتوں کی اس تحریک کا خیال ہوا جسے ترکی میں یا اور جگہ یورپ میں ایمنسی پیشن (emancipation) (مردوں کے غلبہ سے آزادی) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن باتوں کو لفظی قیود سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ اپنی اصل میں قیود ہیں یا نہیں ۔ اگر مصطفیٰ کمال کے خیال کے مطابق یہ قیود اٹھا بھی دی گئیں تو آخر نتیجہ کیا دیکھنے میں آ رہا ہے ۔ ابھی چند دن ہوئے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت ترکیہ کو معلوم ہوا ہے کہ عورتوں میں خود کشی کے واقعات بہت بڑھ رہے ہیں ۔ عورت خود زندگی کا سرچشمہ ہے ۔ اگر عورت ہی زندگی سے بیزار ہو جائے تو پھر زندگی کے آگے بڑھنے کے کیا امکان باقی رہ گئے ۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لیے ترکی نے کمشن بٹھایا ۔ پھر اپنے علماء کو جو اس قدر موردعتاب تھے ، بلا کر کہا کہ اپنے وعظوں کے ذریعہ عورتوں کو سمجھائیں کہ اسلام میں خود کشی گناہ ہے ۔ یہ نتیجہ ہوا ایمنسی پیشن کا ترکی میں ! میں حیران ہوتا ہوں کہ جب

عورتوں نے تمام ان باتوں سے ، جن کو وہ قیود کہتی تھیں ، آزادی حاصل کر لی تو پھر خود کشی پر کیوں آمادہ ہوئیں۔ انگلستان میں بیشتر عورتوں کا طلاق کے لیے عدالتوں میں جانا اور ترکی میں خود کشی کی وارداتوں کا ہونا ایسے دو اہم واقعات ہیں کہ ہمیں ان کی علتوں پر گہری نظر سے غور کرنا ہوگا۔ یہ مشکل مسئلہ ہے اور بغیر انسانی فطرت کے گہرے اور صحیح مطالعہ کے اس کے عمل پر پہنچنے کی امید کرنا مشکل ہے۔

''انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے انبیاء کے طبقے سے بڑھ کر اور کوئی طبقہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھی دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ انبیاء کے زیر ہدایت زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جو قوانین انبیاء نے وضع کیے ہیں وہ کن حکمتوں پر مبنی ہیں۔ قرآن پاک نبی اکرم صلعم کی تعریف میں فرماتا ہے :

'یعلمھم الکتاب و الحکمۃ'

آپ کو غور کرنا چاہیے کہ حکمت کے کیا معنی ہیں۔ احکام انبیاء کے اندر کیا حکمتیں مضمر ہیں۔ انبیاء نے زندگی کے جس قدر احکام ہمیں دیئے ہیں وہ مختلف حالات کو مدنظر رکھ کر وضع کیے گئے ہیں۔ پردہ کے متعلق اسلام کے احکام صاف اور واضح ہیں۔ 'غض بصر' کا حکم ہے اور وہ اس لیے کہ زندگی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں جب عورت کو غیر محرم کے سامنے ہونا پڑتا ہے۔ خاص اس وقت کے لیے یہ حکم ہے ، دیگر حالات کے لیے اور احکام ہیں۔ پردے کے سلسلے میں اسلام کا عام حکم عورت کو یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔

''ان تمام امور میں شریعت اسلامی نے ایک عام اصول کو ہمیشہ مد نظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ 'الدین یسر'۔ پھر اسلام میں تعدد ازدواج کا حکم نہیں دیا گیا ، محض اجازت ہے۔ زندگی میں ایسے حالات یقیناً پیدا ہوتے ہیں جب تعدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان مردوں نے اس اجازت سے بے جا فائدہ

اٹھایا - اس میں اصول و قوانین کا کیا قصور؟ جس سوسائٹی میں اس قسم کی اجازت نہ ہو، اس کو ضرورت کے وقت جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اس سے آپ نا آشنا نہیں - جرمنی میں ایک موقع پر یہ ضرورت پیش آ گئی تھی - آخر عہد نامہ ویسٹ فیلیا (Westphalia) میں بیس سال کے واسطے ہر مرد کے لیے تعدد ازدواج جائز قرار دیا گیا -

''جب جنگ میں کسی قوم کے مردوں کی تعداد میں خاص کمی واقع ہو جائے تو آئندہ ملکی حفاظت کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک مرد ایک سے زاید بیویاں کرے - قرآن پاک نے انھی مصالح کو ملحوظ رکھ کر اس قسم کی اجازت دی ہے - مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ الات کو دیکھیں - قرآنی یا شرعی اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں - اس لیے فقہ میں 'فرض' اور 'رخصت' میں فرق کیا گیا ہے - 'رخصت' ترک کی جا سکتی ہے - وہ 'فرض' ہرگز نہیں - اگر نکاح کے وقت عورت مرد سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اس رخصت کو اپنے حق میں ترک قرار دو، جو تعدد ازدواج کے بارے میں از روئے قرآن تمھیں حاصل ہے، تو وہ اس مطالبہ کا حق رکھتی ہے - اس سلسلے میں ایک الزام میں لڑکیوں کے باپوں کو بھی دوں گا کہ وہ نکاح کے وقت عورتوں کے حقوق پر نگاہ نہیں رکھتے - مگر ایک الزام خود عورتوں کو بھی دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ یہ کہ کیوں بوقت ضرورت عورتیں مردوں سے قانونی ذریعہ سے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتیں؟ کیوں بھائیوں سے جائیداد کا حصہ طلب نہیں کرتیں؟

''افسوس ہے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون کی عدالتیں قائم نہیں تاکہ یہ معاملے شریعت اسلامی کے ذریعہ سے طے ہوں - میں نے تو اب کے سر جان سائمن سے بھی کہا کہ مسلمانوں کے لیئے ہندوستان میں خانگی تنازعات کے تصفیہ کے لیے اسلامی عدالتیں

قائم ہونی چاہییں۔ گذشتہ پانچ یا چھ سو سال سے شریعت اسلامیہ جامع رہی ہے۔ انگریزی قانون والے شریعت اسلامی کو نہیں سمجھ سکتے۔ چند فقہ کی کتابیں مشہور ہیں جو آج سے پانچ سو سال قبل لکھی گئی تھیں۔ اس وقت جو فتوے دیئے گئے وہ ان حالات کے مطابق تھے۔ آج حالات اور ہیں اب ان حالات کو ملحوظ رکھ کر شرعی مسائل پر غور کرنا چاہیے۔

''جیسا کہ آپ نے اپنے ایڈریس میں کہا، ایک حد تک ضرور مردوں کا قصور ہے۔ مگر ایک دوسری حد تک آپ کا بھی ہے۔ کیوں نکاح کے وقت آپ کے والدین نے لائق اور حقیقت فہم علماء سے آپ کے حقوق کے متعلق مشورہ نہیں کیا؟ جن بہنوں کی شادی ابھی نہیں ہوئی، وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے والدین سے اصرار کریں، اگر عورتیں اپنے حقوق کی حفاظت پر پورے طور سے آمادہ ہو جائیں اور وہ ق جو شریعت اسلامی نے عورتوں کو دے رکھے ہیں، آپ مردوں سے لے کر رہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ مردوں کی زندگی تلخ ہو جائے، عورتیں بچے جننے کی اجرت طلب کر سکتی ہیں، کھانا پکانے کی اجرت بذریعہ عدالت حاصل کر سکتی ہیں۔ مردوں کو آپ الزام دیتی ہیں، مگر آپ خود الزام سے بری نہیں ہیں۔ آپ کو اپنے حقوق پر شدت کے ساتھ اصرار کرنا چاہیے۔ جہاں تک شریعت اسلامی کا تعلق ہے، مسلمان عورتیں یہ شکایت نہیں کر سکتیں کہ انہیں شریعت نے حقوق نہیں دیئے یا وہ حقوق ایسے ہیں جن سے انہیں مردوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ حق، جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ کبھی مطالبہ کر سکتی ھے، وہ قرآن پاک نے دے دیا ہے۔ اگر آپ اس سے جاہل و غافل رہیں یا اس سے فائدہ نہ اٹھائیں یا اس کے حاصل کرنے پر اصرار نہ کریں، بوقت ضرورت قانونی چارہ جوئی نہ کریں تو یہ قرآن یا شریعت اسلام کا قصور نہیں۔

''ترکوں نے ، جیسا کہ سننے میں آ رہا ہے ، بظاہر ایسے قانون بنائے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں۔ مگر ترک ایک فوجی قوم ہے۔ مسائل میں موشگافی نہیں کر سکتی۔ وہ قوم کے سپاہی ہیں اور صحیح اجتہاد کرنے والے فقیہہ نہیں پیدا کر سکے ، جو انھیں صحیح راستہ دکھائیں۔ اس لیے انھوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اپنی غلطیوں کو ترک خود آئندہ دس سال میں محسوس کریں گے۔ میں آپ سے پر زور استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہرگز ترکی عورتوں کو تقلید کے لیے اپنا نمونہ نہ بنائیں ، نہ مصطفیٰ کمال کی نام نہاد اصلاحات پر جائیں۔ ملک کو فوجی قوت و تنظیم کے بل پر بچانا اور بات ہے مگر آئندہ زندگی کے لیے قانون وضع کرنا بالکل علاحدہ بات ہے۔ پہلی بات کے لیے محض قوت کی ضرورت ہے ، دوسری کے لیے خاص قابلیتوں کی ضرورت ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے جو کچھ اصلاحات کے سلسلے میں کیا ہے ، وہ ہرگز حکمت پر مبنی نہیں۔ عورت کو آزادی خود شریعت اسلامی نے دے رکھی ہے ، مصطفیٰ کمال کیا دیں گے ؟ ہاں 'مادر پدر آزادی' کی شریعت نے کبھی اجازت نہیں دی ، نہ کوئی ہوش مند انسان کبھی اس کی خواہش کرے گا۔ بے جا آزادی سے ترکی میں یورپین قسم کا ناچ شروع ہوا۔ اسی مصطفیٰ کمال کو وہ ناچ حکماً بند کرنا پڑا۔

''لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے اپنی کتاب میں ترکوں کا ایک سرکار نقل کیا ہے ، جس میں وہ باتیں درج ہیں جن سے ترکی عورتوں کو باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان ہدایتوں میں یہ بھی ہے کہ جوان عورتوں کو رات کے نو بجے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اگر نکلیں تو ان کے باپ یا بھائی کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ ہو۔ اسی طرح تھیٹر کے متعلق بھی ایسی ہی ہدایت ہے۔ یورپ کے اور ملکوں کو بھی اس قسم کی ہدایت جاری کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ آخر کیوں ؟ اس لیے کہ جو فطری پردہ غیر محرم مرد اور عورت میں ہونا چاہیے ، وہ ان قوموں میں موجود نہ رہا

اور آخر ان سرکاروں کے ذریعہ سے اختیار کرنا پڑا۔

''ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ فقہ کی طرف متوجہ ہوں۔ جو حقوق ملت اسلامیہ نے عورتوں کو دیئے ہیں، وہ ان کے حصول پر اصرار کریں۔ شوہر، باپ، بھائی کون سیاہ دل مرد ہوگا جو آپ کو آپ کے حقوق دینے سے انکار کرے گا۔ ہمیں تو ملک میں مسلمانوں کے اندر اس قسم کی رائے عامہ پیدا کر دینی چاہیے کہ جب تک یہ طے نہ پا چکے کہ آئندہ زندگی میں عورت کے کون کون سے حقوق ہوں گے اس وقت تک نکاح نہ پڑھا جائے۔ یہ تحریک بہت زور سے شروع ہونی چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلمان عورتیں مسلمان قوم کی بہترین روایات کی حفاظت کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اصلاح کا صحیح اور عقلمندانہ رستہ اختیار کریں اور ترکی یا دیگر یورپین ممالک کی عورتوں کی اندھا دھند تقلید کے درپے نہ ہو جائیں۔

''مسلمان عورتوں کے لیے بہترین اسوہ حضرت فاطمہ الزہرا رضؓ ہیں۔ کامل عورت بننا ہو تو آپ کو فاطمہ الزہرا رضؓ کی زندگی پر غور کرنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرنی چاہیے۔ عورت کو اپنی انتہائی عظمت تک پہنچنے کے لیے فاطمہ رضؓ کا نمونہ بہترین نمونہ ہے۔ میں ان خیالات کا اظہار 'اسرار خودی' میں کر چکا ہوں۔ حضرت زہرا رضؓ کی عظمت بیان کرنے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حسین رضؓ کی ماں تھیں ؎

فطرت تو جذبہ‌ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوہ زہرا بلند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشین بہ گلزار آورد

''غرض یہ ہے کہ آپ کو لفظ آزادی پر نہیں جانا چاہیے، آزادی کے صحیح مفہوم پر غور کرنا چاہیے۔ یورپ کی آزادی ہم خوب

دیکھ چکے ہیں۔ یورپین تہذیب باہر ہی سے دیکھی جا رہی ہے کبھی اندر سے دیکھی جائے تو رونگٹے کھڑے ہوں۔ بڑھے ہوئے معیار زندگی کا وہاں لوگوں پر یہ اثر پڑا ہے کہ بعض ماں باپ یورپ میں بچے کی زندگی کا بیمہ (insure) کرا دیتے ہیں پھر بچے کو تھوڑی خوراک دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کو اس قسم کی ہلاکت سے بچانے کے لیے یورپ میں کئی سوسائٹیاں مقرر ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھیں، اس کی تعلیم پر غور کریں۔ پنجاب میں تو اچھی اچھی عدالتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں، شریعت کے پابند نہیں۔ محض اس لیے کہ بیٹیوں کو جائیداد سے حصہ نہ دینا پڑے۔ ہم کو کوشش کرنی چاہیے کہ ہم رواج کی قیود سے آزادی حاصل کریں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے قانون پیشہ ہونے کی وجہ سے کئی بار عدالتوں میں لڑکیوں کے حقوق کے لیے لڑنا پڑا ہے، اور کئی دفعہ یہ خدمت میں نے بغیر فیس کے انجام دی ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایڈریس دیا اور میں امید کرتا ہوں کہ جن خیالات کا اظہار میں نے آپ کے سامنے کیا ہے ان پر پورے طور سے غور کریں گی اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش فرمائیں گی۔''

—o—

ہنگامۂ افغانستان کے متعلق بیان*

۱۹۲۹ء کے اوائل میں افغانستان میں غازی امان اللہ خان کے خلاف بغاوت ہوئی اور بچہ سقہ نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ جس سے افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ علامہ اقبال کو افغانستان کے حالات سے بے حد دلچسپی تھی اور غازی امان اللہ کی

---

*انقلاب: ۱ مارچ ۱۹۲۹ء۔

ذات سے بڑی عقیدت تھی۔ ۲۶ فروری کو اخبار "ٹریبیون" کے نمائندے نے افغانستان کے حالات کے متعلق علامہ اقبال سے ملاقات کی۔ دوران ملاقات آپ نے فرمایا:

"اہل ہند افغانستان کی آزادی اور اس کے اتحاد و استحکام کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ مغرب اور وسط ایشیا کا سیاسی انحطاط ہندوستان اور چین کی ترقی پر رجعت پسندانہ اثر کرے گا۔ اس لیے اب ان ممالک کے سیاستدانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ سیاسی نصب العین کی تنگ نظری کو ترک کر کے معاملات کو زیادہ وسیع نگاہ سے دیکھیں اور اپنی حکمت عملی کی تشکیل اس کے مطابق کریں...... میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نہ صرف افغانستان کے مفاد بلکہ ایشیا کے وسیع تر اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ضروری ہے کہ شاہ امان اللہ خان کی حکومت بحال رکھی جائے۔ لیکن اس معاملہ کے متعلق کوئی رائے ظاہر کرنا بے انتہا مشکل ہے کہ موجودہ حالت کے رونما ہونے کے اسباب و وجوہ کیا ہیں۔ جو کچھ ہم اخبارات میں دیکھتے ہیں، میرے خیال میں اس کا بڑا حصہ قابل اعتماد نہیں اور نہ ہی میں ان اطلاعات پر کوئی اعتماد رکھتا ہوں جو کابل سے آنے والے اشخاص کی زبانی ہم تک پہنچتی ہیں، شاہ امان اللہ خان کے متعلق یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس وقت قندھار میں ان کی اصلی پوزیشن کیا ہے یا ان کے ہرات تشریف لے جانے کی اطلاعات کہاں تک صحیح ہیں۔

یہ دریافت کرنے پر کہ آپ کے خیال میں اعلحضرت شاہ امان اللہ خان کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں، آپ نے فرمایا: "جو کچھ میں نے اوپر ظاہر کیا ہے، اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سوال کا شافی جواب دینا غیر ممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہریار غازی کی ناکامی کا سبب بڑی حد تک یہ ہے کہ انہوں نے اصلاحات نافذ کرنے میں عجلت اور فوج کی طرف توجہ کرنے میں غفلت سے کام لیا اور دنیا کے ملاؤں کے نظریہ کے خلاف حقیقی ترقی میں

گہری دلچسپی لی - اس سے بلاشبہ افغانستان کے چند علماء ناراض ہو گئے ، لیکن اس بات کی اطلاع بھی موصول ہوئی ، کہ وہی حضرت صاحب شور بازار جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس شورش کے سرغنہ ہیں ، انھوں نے اصلاحات کے اعلان پر جس کو 'نظام نامہ' کہا جاتا ہے ، خود بھی دستخط کئے تھے - اگر یہ خبر صحیح ہے ، تو ہم نہیں کہہ سکتے ، وہ کون سے اسباب ایسے پیدا ہوئے ، جن کی وجہ سے حضرت صاحب مذکور نے اپنی رائے بدل کر اصلاحات کی مخالفت شروع کردی - مشکل یہ ہے کہ وہ تمام حالات جو افغانستان کی موجودہ حالت سے تعلق رکھتے ہیں ، ہمارے سامنے نہیں ہیں اور ایسے حالات کے متعلق قیاسات سے کوئی نتیجہ نکالنا بالکل لا حاصل ہے -''

علامہ سر محمد اقبال نے فرمایا : ''اس امر کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم اسلام میں قدامت پسندانہ جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ شروع ہو گئی ہے - اغلب ہے کہ قدامت پرست اسلام بغیر جدوجہد کے سر تسلیم خم نہیں کرے گا - اس لیے ہر ایک ملک کے مسلم مصلحین کو چاہیے کہ نہ صرف اسلام کی حقیقی روایات کو غور کی نگاہ سے دیکھیں ، بلکہ جدید تہذیب کی صحیح اندرونی تصویر کا بھی احتیاط سے مطالعہ کریں ، جو بے شمار حالتوں میں اسلامی تہذیب کی مزید ترقی کا درجہ رکھتی ہے - جو چیزیں غیرضروری ہیں ان کو ملتوی کردینا چاہیے - کیونکہ صرف ضروری چیزیں فی الحقیت قابل لحاظ ہیں - یہ امر صحیح نہیں ہے کہ مجلسی معاملات میں قدامت پسندانہ طاقتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے ، کیونکہ انسانی زندگی اپنی اصلی روایات کا بوجھ کندھوں پر اٹھا کر منزل ارتقاء طے کرتی ہے - انسان نے اپنی معاشرتی تہذیب کو تشکیل دینے کا سبق حال ہی میں سیکھا ہے ، اس لیے جائز حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے -''

— ٥ —

لیگ کا اجلاس دہلی ۱۹۲۹ ع*

کلکتہ کنونشن میں، جو دسمبر ۱۹۲۸ ع میں نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لیے بلائی گئی، محمد علی جناح کی تمام تجاویز ہندو مہاسبھا کے رہنماؤں کی مخالفت کی وجہ سے نامنظور ہوئیں۔ ہندوؤں کے اس رویے نے آپ کو ہندو مسلم مفاہمت سے بالکل مایوس کر دیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کے مختلف الخیال گروہوں کو متحد کیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے چودہ نکات مرتب کیے اور مارچ ۱۹۲۹ ع میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا جس میں ان نکات کو منظوری کے لیے پیش کرنا تھا۔ لیکن اس اجلاس میں نہرو رپورٹ کے حامی مسلمانوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ تجاویز پیش نہ ہوسکیں اور محمد علی جناح کو یہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ نہرو رپورٹ کے حامیوں کے رویے کے متعلق علامہ اقبال نے ایک بیان مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۹ ع میں، جس میں ملک فیروز خان نون اور سر عبدالقادر بھی شریک تھے، فرمایا:

"آل انڈیا مسلم لیگ (لاہور) اور آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے باہمی اتحاد مجوزہ کی ناکامی کے متعلق اخبارات میں مختلف بیانات شائع ہوئے ہیں۔ ہم ان متضاد بیانات سے پیدا شدہ الجھنوں میں اضافہ کرنے کے متمنی نہیں، جو مختلف حلقوں میں اس موضوع پر دیئے گئے ہیں۔ لیکن عامۃ المسلمین سے انصاف کرتے ہوئے ہم اس سلسلہ میں حسب ذیل چند امور کو ان کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں:

"۱۔ لاہور لیگ کے ارکان کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں کئی ایم۔ ایل۔ سی۔ اور دیگر سرکردہ حضرات شامل تھے، محض اس مفاہمت کی بنا پر دہلی گئی کہ جناح لیگ اس قرارداد کو منظور کرنے کے لیے تیار ہے، جو آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی نے

---

*انقلاب: ۱۰ اپریل ۱۹۲۹ ع۔

ہزہائی نس آغا خان کے زیر صدارت مسلمانوں کے متحدہ مطالبہ کے طور پر پاس کی تھی ۔

''۲۔ ہمیں یہ معلوم کر کے سخت مایوسی ہوئی کہ اگرچہ مسٹر جناح متذکرہ تجویز کو منظور کرنے کے لیے ذاتی طور پر تیار تھے ، کیونکہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کے نقطہ نگاہ کی نمائندگی کرتی تھی ، جیسا کہ ان کی تیار کردہ قرار داد سے ظاہر ہے تاہم ان کی لیگ میں ایک ایسا گروہ بھی تھا ، جو ہر حال میں نہرو رپورٹ کی تائید کرنے پر تلا ہوا تھا اور اس نے اجلاس پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ناواجب کوششیں بھی کی تھیں۔ اس طبقے نے ۲۸ مارچ تک اپنی پسند کے ارکان لیگ میں بھرتی کر لیے لیکن جب اس سے ہماری جماعت کے ارکان کو بھرتی کرنے کے لیے کہا گیا تو صاف، انکار کر دیا ۔ مثال کے طور پر حکیم نور الدین کے داخلے اور ملک فضل حسین کے استرداد ہی کو لے لیجیے ۔ دونوں حضرات لائلپور سے آئے ہوئے تھے اور ملک فضل حسین وہاں کی لیگ کے صدر تھے اور باقاعدہ دعوت پر دہلی گئے تھے ۔

''۳۔ تجویز کی گئی کہ ہم میں سے ان اشخاص کو جن کے نام ابھی تک دہلی لیگ کی فہرست ارکان میں موجود ہیں ، اجلاس میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے ، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد جو اس وقت موجود تھے ، بہت کم تھی ۔ مزید براں جب ہماری جماعت کا ایک وفد دونوں لیگوں کے اتحاد کی گفت و شنید کرنے کے لیے مسٹر جناح سے ملاقی ہوا تو موصوف نے انہیں منجملہ دیگر امور کے یہ بھی بتایا کہ ہماری لیگ کونسل کے ارکان جناح لیگ کونسل میں صرف اس حد تک لیے جاسکتے ہیں ، جس حد تک کہ وہاں نشستیں خالی ہیں ، اور خالی نشستیں بہت کم تھیں ۔ یہ بات اس کے بالکل برعکس تھی جو سر محمد شفیع نے ہمیں بتائی تھی ۔ اس طرح کا انتظام اور اتنی تھوڑی تعداد میں ہماری

شمولیت صورت حالات کو جوں کا توں چھوڑ دیتی چونکہ ہم دہلی کی جماعت کے ساتھ جنگ کرنے کے خیال سے نہیں گئے تھے، اس لیے ہم متفق ہو کر لیگ کے اجلاس میں نہیں گئے تاکہ وہاں دوسری پارٹی سے تصادم نہ ہو۔ لیکن ہم نے اس بات کی اجازت دے دی کہ جس شخص کا نام دہلی لیگ کی فہرست پر اب تک باقی ہو وہ اپنی انفرادی حیثیت میں وہاں چلا جائے۔

''۴۔ نہرو رپورٹ کی مختصر سی حامی ٹولی کا رویہ دہلی لیگ میں بڑا ہی افسوس ناک تھا۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ مسلمان قوم کو اس بات پر پریشان نہیں ہونا چاہیے جس پر اس مختصر سے گروہ کی مساعی منتج ہوئی ہیں۔ قوم اس امر کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے کہ نہرو رپورٹ ہندوستان کی اکثریت کے لیے قابل قبول نہیں۔ دہلی کے گذشتہ واقعات نے اس امر کا مظاہرہ بہ صورت ذیل کر دیا ہے :—

(و) اگر حامیان نہرو رپورٹ کا گروہ رپورٹ کی حمایت میں قرار داد منظور کرانا چاہتا اور لاہور لیگ کے ارکان اس میں شامل ہوتے تو وہ ہرگز ایسا نہ کر سکتا۔

(ب) اگر وہ حاضرین جلسہ کی موجودگی میں قرار داد منظور کرانے پر مطمئن تھے، تو بھی وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے کیونکہ ۶۲ ارکان کی ایک بڑی جمعیت، جس میں مولانا شفیع داؤدی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد یعقوب اور نواب اسماعیل خان جیسی شخصیتیں بھی تھیں، ایک روز قبل لیگ کے اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے تھے جنھیں پھر جلسے میں نہیں بلایا گیا۔

''(ج) حامیان نہرو رپورٹ کو سمجھ لینا چاہیے کہ ۶۲ ارکان کے چلے جانے کے بعد جبکہ آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک معمولی حصہ باقی رہ گیا تھا، کسی قرارداد کی منظوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بہر حال وہ نہرو رپورٹ کی حمایت میں قرار داد کی برائے نام

منظوری پر تلے ہوئے تھے اور انھوں نے کھلا اجلاس لیگ کے مستقل صدر مسٹر جناح کا انتظار کیے بغیر شروع کر دیا۔ مسٹر جناح اس وقت روٹھے ہوئے ارکان سے گفت و شنید کر رہے تھے۔ ڈاکٹر عالم کو عارضی طور پر صدر بنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تجویز نے اجلاس میں اتنا شور و غل برپا کر دیا کہ قرارداد مذکور پر نہ بحث ہوسکی، نہ غور کیا جا سکا اور اجلاس سراسر بے نتیجہ رہا۔ ڈاکٹر عالم کا بیان ہے کہ قرار داد باقاعدہ پیش ہوئی، اس کی تائید کی گئی اور بغیر تقریروں کے اس کی منظوری کا اعلان کر دیا گیا۔ اس بیان کی تردید مسٹر محمد صادق ایم - ایل - سی - کے بیان سے ہوتی ہے جو اس اجلاس میں موجود تھے نیز مسٹر جناح کے بیان سے ہوتی ہے جنھوں نے اجلاس میں پہنچ کر لیگ کے سیکرٹری ڈاکٹر کچلو سے خود یہ سنا کہ قرارداد منظور نہیں ہوئی۔ ہم اجلاس میں موجود نہ تھے اور ہمیں وہاں کے حالات کا ذاتی علم نہیں۔ مسٹر صادق کے بیان میں لکھا ہے کہ انھوں نے اجلاس کی کار گذاری کی بے قاعدگی کی طرف صدر کی توجہ مبذول کرائی اور انھیں ترمیم کرنے کی اجازت مل گئی۔ ابھی ترمیم پیش نہ ہوئی تھی کہ اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ یہ بیان واقعات کے اقرب معلوم ہوتا ہے۔ مزید برآں جو لوگ مسٹر جناح کو جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انھوں نے سیکرٹری سے پوچھ کر معلوم کیا کہ قرار داد ابھی تک منظور نہیں ہوئی۔ مسٹر جناح یہ بھی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر عالم نے اس وقت اس امر واقعہ کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔

"۵۔ ہمارا خیال ہے کہ محض لیگ کے اجلاس کے التوا ہی میں ہماری فتح مضمر ہے۔ ہم نے مسٹر جناح کو ایک مکتوب لکھا تھا جس میں یہی تجویز کی گئی تھی۔ یہ خط اخبارات میں شائع ہوچکا ہے۔ جس مقصد کے لیے لیگ کے اجلاس کو مئی کے بجائے مارچ میں منعقد کیا گیا تھا، یعنی دونوں لیگوں کے درمیان اتحاد کرانے کی کوشش، اس مقصد کے پیش نظر اگر التوائے اجلاس ہمارے مکتوب کے باعث

عمل میں آتا تو بڑا اچھا ہوتا ۔ خیر جس طرح بھی ہوا اس سے یہ تو ظاہر ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی عام رائے نہرو رپورٹ کے مخالف ہے۔"

— o —

برطانیہ کی یہود نوازی کے خلاف احتجاج*

۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ، جس میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے لوگ شامل ہوئے، فلسطین کے اندر برطانیہ کی یہود نواز حکمت عملی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے بیرون دہلی دروازہ منعقد ہوا ۔ اس جلسہ کی صدارت علامہ سر محمد اقبال نے کی ۔ علامہ موصوف نے درج ذیل افتتاحی تقریر فرمائی :

"اے مسلمانان لاہور!

آپ پر سلام رحمت اور برکات الٰہی کا نزول ہو ۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجا لائیں ۔ کیوں ؟ اس لیے کہ باوجود ان اختلافات کے جو وطنی سیاست کے متعلق لاہور کے مسلمانوں میں ہیں ، آج ایک جذبہ کے ماتحت ہم سب یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہم نے ان تمام اختلافات کو مٹا دیا ہے (نعرہ تکبیر) ۔ ہم نے ان اختلافات کو ایک مقدس غرض کی خاطر نظر انداز کر دیا ہے ۔

"یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کا ضمیر حب وطن کے جذبات سے خالی ہے ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حب وطن کے علاوہ مسلمانوں کے دل میں دینیت و محبت اسلام کا جذبہ بھی برابر موجود رہتا ہے ۔ اور یہ وہی جذبہ ہے جو ملت کے پریشان

---

*انقلاب : ۱۰ ستمبر ۱۹۲۹ء۔

اور منتشر افراد کو اکھٹا کر دیتا ہے اور کر کے چھوڑے گا اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔"

جلسے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ نے فرمایا: "فلسطین میں مسلمان اور ان کے بیوی بچے شہید کیے جا رہے ہیں۔ اس ہولناک سفاکی کا مرکز یروشلم ہے، جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ اس مسجد کا تعلق حضرت خواجہ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ مبارک سے ہے اور معراج ایک دینی حقیقت ہے، جس کا تعلق مسلمانوں کے گہرے جذبات کے ساتھ ہے۔ .... صدیاں گزر گئیں کہ ایک معبد تعمیر ہوا تھا، جسے 'ہیکل سلیمانی' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ معبد مسلمانوں کے یروشلم فتح کرنے سے بہت پہلے برباد ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا تو انھیں ہیکل یا مسجد اقصیٰ کے صحیح موقع و محل سے بھی مطلع کر دیا۔ فتح یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ بنفس نفیس یروشلم تشریف لے گئے تو انھوں نے مسمار شدہ 'ہیکل سلیمانی' کا محل وقوع دریافت فرمایا اور وہ جگہ ڈھونڈ لی۔ اس وقت اس جگہ گھوڑوں کی لید جمع تھی، جسے انھوں نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ مسلمانوں نے جب اپنے خلیفہ کو ایسا کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی جگہ صاف کرنی شروع کر دی اور یہ میدان پاک ہوگیا۔ عین اسی جگہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی، جس کا نام مسجد اقصیٰ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ میں تو یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ موجودہ مسجد اقصیٰ اسی جگہ پر واقع ہے جہاں ہیکل سلیمانی واقع تھا۔ اس تشخیص کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اس کی زیارت کے لیے اس وقت آنا شروع کیا جب کہ یہ مشخص ہو چکی تھی۔

"یہودی یورپ کی تمام سلطنتوں میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اگر اسے اپنے لیے کہیں جائے پناہ نظر آتی تو وہ کوئی اسلامی سلطنت ہوتی۔ مسلمانوں نے یورپ کے ستائے ہوئے یہودیوں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ انہیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ انہوں نے عربی زبان میں کمال حاصل کیا اور اسلامی سلاطین کے درباروں میں ہمیشہ ان کی حیثیت ممتاز رہی ---

"ترک یہودیوں کے ساتھ غیر معمولی روا داری کا سلوک کرتے رہے۔ یہودیوں کی خواہش پر انہیں مخصوص اوقات میں دیوار براق کے ساتھ کھڑے ہو کر گریہ و بکا کرنے کی اجازت عطا کی۔ اس وجہ سے اس دیوار کا نام ان کی اصطلاح میں 'دیوار گریہ' مشہور ہو گیا۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے مسجد اقصیٰ کا سارا احاطہ وقف ہے۔ جس قبضے اور تصرف کا یہود اب دعویٰ کرتے ہیں، قانونی اور تاریخی اعتبار سے اس کا حق انہیں ہرگز نہیں پہنچتا، سوائے اس کے کہ ترکوں نے انہیں گریہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

"۱۹۱۴ع میں محاربہ عظیم کا آغاز ہوا، جس کے واقعات سب کو یاد ہیں۔ انگریز مدبروں نے تجویز کیا کہ پریشان اور متفرق یہودیوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے کیونکہ انفرادی طور پر وہ مالدار بھی ہیں۔ مگر من حیث القوم ان کی حالت خراب ہے، جسے درست کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ انہیں ان کے قدیم وطن فلسطین میں واپس لایا جائے۔ یہودی کی فطرت سے دنیا آگاہ ہے۔ وہ گانٹھ کا پکا بنیا ہے۔ صرف اس جگہ سکونت اختیار کرے گا جہاں اسے سود در سود دینے والے، آسانی کے ساتھ چمڑا اتروانے والے بکثرت مل سکیں۔ اس مفاد کے پیش نظر فلسطین میں آباد ہونا مفید نہیں تھا۔

"مگر چونکہ برطانوی مدبروں کا اصل مقصد کچھ اور تھا اس لیے انھوں نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے یہودی کو آلہ کار بنایا، صیہونی تحریک کو فروغ دیا اور اپنی غرض کی تکمیل کے لیے جو ذرائع استعمال کیے گئے ان میں سے ایک کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ یہودی گریہ و بکا کے بجائے مسجد اقصیٰ کے ایک حصہ کے مالکانہ تصرف کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ انھوں نے آتش فساد مشتعل کر رکھی ہے۔ مسلمان، ان کی عورتیں اور بچے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں۔ فلسطین کے عربوں کی مجلس اعلیٰ نے اعلان کیا ہے کہ حکمدار حکومت نے یہودیوں کو مسلح کر دیا ہے جس کی وجہ سے اس قدر خونریزی ہو رہی ہے۔ (شیم شیم) ۔ ۔ ۔ ۔ صیہونی تحریک مسلمانوں کے لیے کوئی خوشگوار نتائج پیدا نہیں کرے گی بلکہ اس سے غیر معمولی فتنوں کے ظہور پذیر ہونے کا خطرہ ہے۔

"اب حکومت برطانیہ نے فلسطین میں تحقیقات حالات کے لیے ایک کمشن بھیجنا منظور کیا ہے، مگر میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتماد نہیں۔"

—o—

قانون ازدواج صغر سنی پر خیالات*

۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور نیوز ایجنسی کے نمائندے نے علامہ سر محمد اقبال سے آپ کے بنگلے پر شاردا بل کے متعلق رائے حاصل کرنے کے لیے ملاقات کی۔ نمائندے نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ بل کے متعلق اظہار رائے فرمائیں۔

*انقلاب: ۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء

علامہ موصوف : ''اب شاردا بل ایکٹ بن چکا ہے ، اس پر رائے دینے کی کیا ضرورت ہے ۔''

نمائندہ : ''لیکن ابھی وائسرائے نے منظوری نہیں دی ۔ ۔ ۔ ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نافذ ہوگا یا نہیں ۔''

علامہ موصوف : ''اگر مسلمان ایجیٹیشن کریں گے تو بل کے مسترد ہو جانے کا امکان ہے ۔''

نمائندہ : ''اس کے متعلق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے ؟''

علامہ موصوف : ''میں نے ابھی تک بل کی پاس شدہ دفعات کا مطالعہ نہیں کیا اس لیے میں رائے دینے سے قاصر ہوں ۔''

نمائندہ : ''لیکن بحیثیت مجموعی جو بل بذریعہ اخبارات آپ تک پہنچ چکا ہے ، میں اس کے متعلق اظہار رائے کی درخواست کرتا ہوں ۔''

علامہ موصوف : ''اس بل کا مقصد وحید یہ ہے کہ عوام اپنی لڑکیوں کی شادی صغر سنی ہی میں کر دیتے ہیں ، لہٰذا لڑکیاں ابھی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں کہ مائیں بن جاتی ہیں ۔ اس طرح جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ کمزور اور منحنی ہوتی ہے ۔''

نمائندہ : ''آپ کے خیال میں مسلمانوں میں بھی صغر سنی کی شادیوں کا رواج ہے ۔''

علامہ موصوف : ''بنگال کے مسلمانوں میں ہے ۔ باقی ہندوستان کے مسلمان عموماً شریعت اسلامی کے پابند ہیں ۔ اسلام والدین کو صغر سنی کی شادی کی اجازت دیتا ہے

لیکن نابالغ لڑکیوں کی مائیں بن جانے کی برائی کو روکنے کے لیے حکم دیا ہے کہ شادی کے بعد لڑکی جب تک بالغ نہ ہو جائے، خاوند کے گھر نہ بھیجی جائے چنانچہ بنگال کے علاوہ ہندوستان کے جملہ دیہات میں مسلمان اپنی بچیوں کی شادیاں چھوٹی عمر میں کر دیتے ہیں لیکن اسے خاوند کے گھر نہیں بھیجتے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔''

نمائندہ : ''آپ کے خیال میں شاردا بل نافذ ہونا چاہیے یا نہیں؟''

علامہ موصوف : ''مرے خیال میں حکیم نے مرض تو شناخت کر لیا ہے، مگر نسخہ تجویز کرنے میں غلطی کی ہے۔ ہندوستان کی مالی حالت بہت کمزور ہے اس لیے غریب آدمی، جب اس کے پاس روپیہ ہو تو فوراً شادی کر دیتا ہے یا جب بڑی لڑکی کی شادی کرتا ہے تو مالی سہولتوں کے لیے چھوٹی لڑکی کی شادی بھی ساتھ ہی کر دیتا ہے۔ یا مثلاً ایک نو سال کی لڑکی ہے، جس کے والدین بہت بوڑھے ہیں اور چونکہ ہندوستان میں لڑکی کی شادی کو ایک اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے اس لیے وہ بوڑھے والدین چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں لڑکی کی شادی کر جائیں۔ موت کے بعد اس کا کون پرسان حال ہوگا۔ اس وقت یہ قانون ایک افسوسناک رکاوٹ ثابت ہوگا۔''

نمائندہ : ''آپ کے خیال میں اگر یہ قانون منظور ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفاذ ہونا چاہیے یا نہیں؟''

علامہ موصوف : ''جب ہندوستان کے دیوانی اختیارات برطانوی

حکومت کو تفویض کیے گئے تھے تو حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی شریعت اور خانگی قوانین میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اس لیے اپنے معاہدے کے مطابق بھی حکومت ہند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قانون کا نفاذ مسلمانوں پر بھی کرے۔ دوسرے اس قانون کے بعد مذہب کوئی چیز نہیں رہے گا۔ جب اور جس طرح حکومت چاہے گی مذہب کو قانون کے ذریعے سے توڑ مروڑ لے گی۔ اگر بالفرض محال اس قسم کا کوئی قانون بنانا ضروری اور لازمی تھا تو شادی کے متعلق والدین کے وہ اختیارات جو اسلام نے عوام کو دے رکھے ہیں ہرگز نہیں چھیننے چاہییں تھے، بلکہ یہ قانون بنایا جاتا کہ شادی کے بعد جو والدین اپنی نابالغ بیٹی کو خاوند کے گھر بھیجیں گے وہ مستوجب سزا ہونگے۔ لیکن اس کے متعلق میں اپنی مفصل رائے اس وقت بتا سکوں گا جب متذکرہ ایکٹ کا مطالعہ کر لوں۔''

نمائندہ : ''اگر مسلمانان لاہور نے شاردا بل/ایکٹ کے خلاف کوئی جلسہ کیا تو کیا آپ اس میں شرکت فرمائیں گے؟''

علامہ موصوف : ''میں چونکہ سیالکوٹ گیا ہوا تھا، اس لیے مجھے معلوم نہیں کہ لاہور کے مسلمان ایسا کوئی جلسہ کرنا چاہتے ہیں اور اگر ایسا جلسہ ہوا تو میں ضرور شرکت کروں گا۔''

— ٥ —

نادر خان ہلال احمر فنڈ*

مسلمانان ہند سے علامہ سر محمد اقبال کی اپیل

افغانستان میں جب جنرل نادر خان نے بچہ سقہ کی حکومت کے خلاف لشکر کشی کی تو مسلمانان ہند نے ان کو مالی امداد پہنچانے کے لیے سرمایہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا ۔ ہنگامہ افغانستان کے آغاز سے ہی علامہ اقبال غازی امان اللہ اور جنرل نادر خان کی اعانت کے لیے حتی المقدور کوشش کرتے رہے ۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمات کا اعتراف جنرل نادر خان نے اپنے ایک مکتوب[1] میں کیا اور آئندہ امداد کے لیے لکھا ۔

جنرل نادر خان کو مالی امداد دینے کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے مسلم اکابرین لاہور کا ایک جلسہ خان سعادت علی خان کے دولت کدہ پر مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۲۹ع کو زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال منعقد ہوا ۔ باہمی مشورہ کے بعد اتفاق آرا سے قرار پایا کہ

---

*انقلاب : ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ع ۔

۱۔ جنرل نادر خان نے مندرجہ ذیل مکتوب علامہ اقبال کو بھیجا :

ھو اللہ

تحریر روز ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مقام علی خیل

جناب فاضل محترم ایم ۔ اے ۔ ، پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ ، بیرسٹر ایٹ لاء سر محمد اقبال صاحب !

آپ نے اپنے ان عالی جذبات ہمدردانہ سے ، جو آپ افغانستان کی موجودہ تباہ حالی کے متعلق رکھتے ہیں ، مجھے اور افغانستان کے عام بہی خواہوں اور فدا کاروں کو ممنون و متشکر بنا دیا ہے ۔ افغانستان تباہی کے نزدیک ہے ۔ اس کی بے چارہ ملت کو بہت بڑے تہلکہ کا سامنا ہے ۔ افغانستان اپنے ہندی بھائیوں کی ہر قسم کی امداد و اعانت کا محتاج ہے ۔ آپ ایسے وقت میں جو خیر خواہانہ قدم اٹھا رہے ہیں ، وہ ہمارے لیے ڈھارس کا موجب ہے ، خصوصاً مالی امداد کا مسئلہ جس کے متعلق میں اخبار ''اصلاح'' کے ذریعہ سے اپنے ہندی بھائیوں کے لیے شائع کر چکا ہوں ، بہت حوصلہ افزا ہے ۔ امید ہے کہ جناب فاضل محترم جو روحاً افغانستان کی موجودہ مصیبت میں شریک ہیں ، اس موقع پر اپنی مساعی سے کام لے کر افغانستان کی رنج زدہ قوم کو ہمیشہ کے لیے ممنون و مشکور فرمائیں گے ۔ با احترامات لائقہ

محمد نادر خان

(انقلاب : ۲ اکتوبر ۱۹۲۹ع ۔)

جنرل نادر خان کی امداد کے لیے فی الفور ''نادر خان ہلال احمر فنڈ'' کے نام سے ایک فنڈ کھول دیا جائے۔ سرمایہ کی فراہمی کے لیے ایک مجلس عاملہ بنائی گئی جس کے صدر علامہ اقبال منتخب ہوئے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو درج ذیل اپیل شائع کرائی :

''برادران ملت و جوانان اسلام ! افغانستان کے حالات آپ کو معلوم ہیں۔ اس وقت اسلام کی ہزارہا مربع میل سر زمین اور لاکھوں فرزندان اسلام کی زندگی اور ہستی خطرے میں ہے اور ایک درد مند اور غیور ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانان ہند پر ہی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کو باد فنا کے آخری طمانچے سے بچانے کے لیے جس قدر دلیرانہ کوشش بھی ممکن ہو کر گزریں۔

''لاہور میں جنرل نادر خان اور افغانستان کے زخمی سپاہیوں، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی امداد و اعانت کے لیے 'نادر خان ہلال احمر سوسائٹی' قائم ہو چکی ہے، جس کا دفتر بالعموم صبح چھ بجے سے لے کر دس بجے رات تک برکت علی اسلامیہ ہال میں کھلا رہتا ہے۔

''حالات کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ کم سے کم وقت میں لاہور اور ہندوستان سے زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے کے لیے اپنی قوت و کوشش صرف کر دے۔ اس غرض کے لیے ایسے ایثار پیشہ کارکنوں کی ضرورت ہے جو رضا کارانہ حیثیت سے مقررہ وقت پر اور منظم طریق سے لاہور میں کام کریں۔

''اس کے علاوہ دفتر کو تمام ملک سے خط و کتابت کرنا ہے، ہزاروں اپیلیں بھیجنی ہیں، سیکڑوں اخبارات اور ہر ایک شہر کے رؤساء، امراء اور اسلامی انجمنوں کو خطوط لکھنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قدر وسیع کام، جو لاہور کے ہر ایک گلی کوچہ پر مسلط ہو

اور دوسری طرف تمام ملکی اخبارات اور تمام اسلامی انجمنوں اور بستیوں پر محیط ہو، مستقل مزاج، سنجیدہ، درد مند، ذی عزم اور با احساس کارکنوں کی امداد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

''جنرل نادر خان کی امداد کو اس کی حقیقی اہمیت کے مطابق وسعت دینے کے لیے ایسے جواں ہمت کارکنوں کی ضرورت ہے جو مقامی طور پر وارڈ وار پبلک جلسوں کے انعقاد اور ملکی اخباروں، انجمنوں، قومی کارکنوں اور تمام فیاض اور ذی استطاعت اصحاب سے خط و کتابت کرنے میں انجمن کو امداد دیں۔

''میں اپنے ان تمام سنجیدہ اور مخلص عزیزوں سے، جن کے دل میں اسلام کا درد ہے جو آزاد اور متحدہ افغانستان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ان تمام مقامی انجمنوں کے اراکین سے جو 'نادر خان ہلال احمر سوسائٹی' سے تعاون و اشتراک عمل کے لیے آمادہ ہوں، بڑے زور سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ برکت علی اسلامیہ ہال میں قریشی صاحب سے ملیں اور اپنے وقت کا کچھ حصہ معمولی تفریح یا کم ضروری مشاغل سے بچا کر 'انجمن ہلال احمر' کے کام میں صرف کریں اور یقین کریں کہ یہاں لاہور میں آپ کا ایسا کرنا خود افغانستان میں پہنچ کر جنرل نادر خان صاحب کی امداد کرنے کے مترادف ہوگا۔''

محمد اقبال

—o—

گول میز کانفرنس*

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے ہند، لارڈ اروِن، نے ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس

---

* انقلاب: ۳ نومبر ۱۹۲۹ء۔

کے انعقاد کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے پیدا ہونے والی صورت حال کے متعلق علامہ سر محمد اقبال نے سات مسلمان[1] اکابرین پنجاب کے ہمراہ ۳ نومبر ۱۹۲۹ء کو درج ذیل بیان دیا:

''ہزایکسیلینسی وائسرائے کے اہم اعلان پر ہم نے اچھی طرح غور کیا ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ملک معظم کی حکومت اور وائسرائے کی طرف سے ہندوستان کے پیچیدہ مسئلے کے اطمینان بخش حل کی نہایت سچی خواہش کا نتیجہ ہے۔ تمام مشکل حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ وائسرائے نے جو اعلان کیا ہے وہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔ ملک معظم کی حکومت کے غیر مشتبہ اعلان سے، کہ برطانوی پالیسی کا اصول یہ ہے کہ ہندوستان کو مستعمرات کے پیمانے کی حکومت دی جائے، ہندوستان کے تمام مخلص بہی خواہوں میں اپنے ملک کے مستقبل کے متعلق اعتماد پیدا ہو جانا چاہیے۔ نیز مقصد جلد حاصل کرنے کے متعلق امید پیدا ہو جانی چاہیے۔ سائمن کمشن کی رپورٹ کے بعد ملک معظم کی حکومت اور ہندوستان کے رہنماؤں نیز دیسی ریاستوں کے نمائندوں کی جو کانفرنس تجویز کی گئی ہے، وہ ہماری رائے میں دور اندیشی اور تدبر کا فعل ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں جماعتوں کے اتحاد اور حسن مفاہمت پر جو ہندوستان کے آئینی مسائل کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ ہماری رائے میں یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان و انگلستان دونوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ جو وعدہ اب دیا گیا ہے، ہندوستان کی آئندہ آئینی ترقی میں اس کا ایفا کیا جائے۔ اس امید کے ساتھ ہم ملک معظم کی حکومت کے دانشمندانہ فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس سلسلے میں وائسرائے نے جو سعی و کوشش فرمائی ہے اس کے شاکرانہ معترف ہیں۔

۱۔ سر محمد شفیع، مولانا غلام محی الدین، خلیفہ شجاع الدین، شیخ نیاز محمد، میاں عبدالعزیز، میاں شاہنواز اور سید محسن شاہ۔

''ہماری رائے میں مجوزہ کانفرنس کی کامیابی کے لیے دو شرطوں کا پورا کیا جانا ضروری ہے اور ہندو مسلم اختلافات نمائندگان ہند کے اس تاریخی اجتماع میں جانے سے پہلے طے ہو جانے چاہییں۔

''تمام صحیح الخیال اصحاب پر واضح ہوگا کہ ان اختلافات کے طے کیے بغیر ہندوستانی نمائندے اپنی صلاحیت درجہ مستعمرات کی بے حقیقتی نمایاں کرنے کے سوا کچھ نہ کرسکیں گے۔

''اگر ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنما اس نازک موقعہ پر اتحاد قائم نہ رکھ سکے تو کانفرنس افسوس ناک ناکامی پر منتج ہوگی۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جو نمائندے اس کانفرنس میں جائیں وہ تمام قوموں کے حقیقی نمائندے ہونے چاہییں۔ ہم حکومت کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر مختلف مفادات کے حقیقی نمائندوں کے انتخاب کا خیال نہ رکھا گیا اور زیادہ شور مچانے والے طبقے کو مطمئن رکھنے کے اضطراب کو دستور عمل بنا لیا گیا تو کانفرنس یقیناً ناکام رہے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر حقیقی ہندوستانی رہنماؤں کو بلا لیا گیا تو کانفرنس حقیقی طور پر اصل مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیگی۔ ان دو شرطوں کے ساتھ ہم کانفرنس کے لیے کامیابی کے خواہاں ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ کانفرنس ہندوستان کی وسیع آبادی کے لیے اطمینان اور خوشی کا پیغام ثابت ہو۔''

— o —

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سپاسنامہ کا جواب*

نومبر ۱۹۲۹ع میں جب علامہ سر محمد اقبال علی گڑھ تشریف

---

*انقلاب: ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ع۔

لے گئے تو یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین نے آپ کی خدمت میں ۲۹ نومبر کو ایک سپاسنامہ[۱] پیش کیا اور آنریری لائف ممبر شپ دی۔ استقبال کی گرمجوشی اور ممبرشپ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد، علامہ اقبال نے سپاسنامے کے جواب میں فرمایا:

''ممکن ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ میں آپ کے سپاسنامہ کے جواب میں ایک ناصح مشفق کی طرح آپ کو کوئی نصیحت کرنے یا بعض نکات حکمت پیش کرنے لگوں گا۔ لیکن میں آپ سے فوراً اور صاف کہے دیتا ہوں کہ میرے پاس اس قسم کی پندو نصیحت کچھ نہیں اور نہ میرے پاس کوئی نکتہ حکمت ایسا ہے جو دوسروں کے لیے بطور دستور العمل پیش کر سکوں۔ مگر پھر بھی میں ایک دو باتیں ایسی کہوں گا جو کتابوں پر نہیں، میرے ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب سے ہمارے تعلقات یورپ، خصوصاً انگلستان، سے قائم ہوئے ہیں، اس وقت سے بہت سی چیزیں ہم تک وہاں سے پہنچی ہیں۔ سب سے اول چیز انگریزی لٹریچر ہے جو ہمارے بہت سے نوجوان مصنفین کے لیے تخلیق مضامین کا ذریعہ ہوا ہے۔ وہ مضامین جنھوں نے موجودہ نسل کی ذہنیت کی تشکیل و توضیح میں بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ دوسری بات جو ہم کو انگلستان سے ملی ہے وہ افکار کی عادت ہے۔ میرے نزدیک یہ عادت اس ملک کے لیے بہترین نعمت ہے جس نے واقعات کے خلاف اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور مسلسل طور پر محض خیال آرائیوں سے کام لیتا رہا ہے۔ الغرض فکر ثقیل کی عادت ہم کو انگلستان سے ملی ہے اور در حقیقت یہی وہ چیز ہے جس کی اس وقت تمام مشرق کو ضرورت ہے۔ تیسری چیز جو انگلستان نے ہم کو دی ہے وہ ایک مشتبہ قدر و قیمت کی چیز ہے اور وہ 'ڈیمو کریسی' ہے۔ جس صورت میں یہ 'ڈیمو کریسی' آ چکی ہے اور جو بمقدار کثیر آئندہ آنے والی ہے، وہ

۱۔ سپاسنامے کے متن کے لیے دیکھیں: *Letters and Writings of Iqbal*, ed. by B. A. Dar, Karachi, 1967, pp. 98-101.

افسوس ہے کہ میرے دل کو نہیں بھاتی۔ ذاتی طور پر میں اس 'ڈیمو کریسی' کا معتقد نہیں ہوں اور محض اس لیے اس کو گوارا کر لیتا ہوں کہ اس کا فی الحال کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ مگر خیر اب چونکہ یہ 'ڈیمو کریسی' انگلستان سے آ چکی ہے اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ موجودہ نسل نوجوانان کے لیے کس قدر مفید ہے۔ واضح ہو کہ 'ڈیمو کریسی' کے معنی صاف، علیٰ رؤس الاشہاد اور آزادیٔ بحث و تمحیص ہیں۔۔۔ حضرات! میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کل تمام دنیا کو فتح کر لینا چاہتے ہیں تو آپ کو لازم ہے کہ آپ اچھے مقرر بن جائیں اور یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ یونین کی روایات کو قائم رکھا جائے۔

''ایک دوسری بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں وہ ہمارا انکشاف ماضی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صرف اپنے ماضی سے محبت کرتے ہیں۔ میں تو مستقبل کا معتقد ہوں۔ مگر ماضی کی ضرورت مجھے اس لیے ہے کہ میں حال کو سمجھوں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ سر چشمہ تہذیب و شائستگی کو سمجھا جائے تا کہ یہ معلوم ہوسکے کہ آج دنیائے اسلام میں کیا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ماضی کو سمجھیں۔ چونکہ ہم جدید تہذیب و شائستگی کے اصولوں سے ناواقف ہیں اس لیے ہم علوم جدیدہ کو حاصل کرنے میں دیگر اقوام سے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان گم گشتہ رشتوں پر نظر ڈالیں جن کے ذریعے سے ہم ماضی و مستقبل سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ علوم جدیدہ پر اصول استقرائی عائد کیا گیا ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو قرآن شریف نے دنیا بھر کو عطا فرمائی ہے۔ اس طریقہ استقرائی کے نتائج و ثمرات ہم کو آج نظر آ رہے ہیں۔ میں گذشتہ بیس برس سے قرآن شریف کا بغور مطالعہ کرتا ہوں، ہر روز تلاوت کرتا ہوں، مگر میں ابھی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کچھ حصوں کو سمجھ گیا ہوں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور

فرصت ہوئی تو میں ایک دن کامل تاریخ اس بات کی قلمبند کرونگا کہ دُنیائے جدیدہ اس مطمح حیات سے کس طرح ترقی کرتی ہوئی بنی ہے جو قرآن شریف نے ظاہر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یونیورسٹی ایسے لوگوں کی ایک تعداد پیدا کر دے گی جو مطالعہ قرآن میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ساتھ مل کر کام کریں۔ گذشتہ چند سال سے میں صرف اپنے جسد خاکی کا مالک ہوں، میری روح ہمیشہ آپ کی خدمات کے لیے حاضر رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ آپ کی خدمت کرتی رہے گی (نعرۂ ہائے مسرت)''۔

— o —

متحدہ سٹیج بناؤ *

۱۸ دسمبر ۱۹۲۹ء کو نواب سر ذوالفقار علی نے برکت علی اسلامیہ ہال میں ایک جلسہ عام میں تقریر کرنی تھی، جس میں آپ نے اپنے تجربات بحیثیت رکن 'انڈین سنٹرل کمیٹی' اور اپنے اختلافی نوٹ جو انھوں نے سائمن کمیٹی رپورٹ کے ساتھ لکھا، پر اظہار خیال فرمانا تھا۔ جلسہ کے صدر علامہ اقبال تھے۔ لیکن بجلی کے نظام میں خرابی کی وجہ سے جلسہ کی کارروائی جلد ختم کرنی پڑی۔ اپنی افتتاحی تقریر میں علامہ صاحب نے فرمایا کہ ''نواب صاحب کی آج کی تقریر زیادہ مفصل و مبسوط تقریروں کا مقدمہ ہے جن سے آپ کو صحیح سیاسی حالات کا اندازہ ہو سکے گا اور آپ اپنی مستقبل کی سیاسی زندگی کے لیے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں گے۔'' نواب صاحب نے بھی ایک مختصر سی تقریر کی اور جلسہ ملتوی ہو گیا۔

دوسرے دن ۱۹ دسمبر کو دوبارہ جلسہ ہوا، جس میں نواب ذوالفقار نے ایک طویل تقریر کی۔ علامہ اقبال نے افتتاحی تقریر میں فرمایا:

---

* انقلاب: ۲۴ دسمبر ۱۹۲۹ء۔

''میں نواب صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ، ان خدمات کا بھی جو آپ نے سر انجام دیں اور اس تقریر کے لیے بھی - میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ڈاکٹر سہروردی اور نواب صاحب کا اختلافی نوٹ ، جو انھوں نے سائمن کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ لکھا ہے ، ضرور پڑھیں- جو رپورٹ اخبارات کے ذریعہ آپ تک پہنچی ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرمایہ داری کو ہندوستان کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے - [شیم] . . . آپ اگر اپنی حالت پر رحم نہیں کرتے تو خدا کے لیے آنے والے مسلمانوں کے تحفظ حقوق کے لیے کچھ کرو - تمام سٹیجوں کو جلا دو اور ایک متحدہ سٹیج بناؤ اور آئندہ گول میز کانفرنس میں جانے سے پیشتر ایک کانفرنس کر لو - ہندوؤں کو ایک موقع دو ، محض اتمام حجت کے لیے تاکہ ان سے مفاہمت اگر ممکن ہو تو ہو جائے ، گو مجھے اس کا یقین نہیں - انگلستان متحد ہوگا ، ہندوستان کو بھی متحد ہونا چاہیے اور متحد ہندوستان کو انگلستان کا مقابلہ کرنا چاہیے - پہلے مسلمان آپس میں اتحاد کریں پھر ہندو اور مسلم کا اتحاد ہوگا - صوبجاتی حکومتیں آزاد ہوں یعنی فیڈرل حکومت ہو تو پچیس فیصد مسلمان بھی اسمبلی میں جائیں تو کوئی اندیشہ نہیں -''

— ○ —

سائمن کمشن رپورٹ پر تبصرہ*

۲۴ جون ۱۹۳۰ع کو علامہ سر محمد اقبال نے نواب سر ذوالفقار علی کے ساتھ سائمن رپورٹ کے متعلق درج ذیل بیان دیا :

''سائمن رپورٹ کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت تھی ، لیکن ہم اس کی نمایاں خصوصیتوں پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں -

* انقلاب: ۲۶ جون ۱۹۳۰ع -

رپورٹ میں سوائے مرکزی فیڈرل اسمبلی کی ترتیب کے جہاں اقلیتوں کے تحفظ کا سامان نہایت خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے، جس کی انہیں کسی اور طرح سے امید نہ ہو سکتی تھی، کوئی اور جدت نہیں ہے۔

''ہندوستانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کم سے کم جو بات کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ صوبجاتی خود اختیاری عطا کر دی گئی ہے، گو وہ بھی واضح اور نمایاں نہیں۔ ہمارے اپنے صوبہ میں اور بنگال میں مسلمانوں سے اصول جمہوری کے حقوق بھی چھین لیے گئے ہیں۔ لیکن آٹھ صوبوں میں سے چھ صوبوں کے اندر ہندو اکثریتیں اپنی حکومتیں آپ مرتب کرنے کے حق سے مستفیض ہوں گی اور مسلمان ان دو صوبوں میں بھی، جہاں ان کی اکثریت ہے، پنجاب میں مساویانہ درجہ اور بنگال میں اقلیت میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ ہندوستان میں طاقت کا ایک خفیف توازن قائم رکھنے کے متعلق مسلمانوں کی امیدیں قطعی طور پر خاک میں ملا دی گئی ہیں۔ وہ صرف ان چھ صوبوں ہی میں گھاٹے میں نہ رہیں گے جہاں ان کی اقلیت ہے بلکہ اس بات کا شدید احتمال ہے کہ ان دو صوبوں میں بھی، جہاں وہ اکثریت میں ہیں، ان پر اقلیتوں کا ظلم ہوتا رہے گا۔

''حیرت ہے کہ سر جان سائمن اور ان کے رفقا نے یہ کہہ کر کہ پنجاب اور بنگال میں فرقہ وار حکومت قائم ہو جائے گی، عجیب نا مطابقت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر اور زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ کمشن نے نہایت آسانی سے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ اسی قسم کی فرقہ وار حکومت باقی چھ ہندو صوبوں میں بھی تو قائم ہو جائے گی۔ پس یہ واضح ہے کہ کمشن مسلمانوں کے معاملہ میں اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، جس کی ہندوؤں کے معاملہ میں پورے طور پر حمایت کی گئی ہے۔

''اگر شاہی کمشنروں نے اپنی سفارشات کی بنا میثاق لکھنؤ کو، یا ان چند ایک مسلمانوں کی تجاویز کو قرار دیا ہے، جو آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نمائندگی کا مطالبہ ترک کر چکے ہیں، تو انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانان ہندوستان نے مقدم الذکر کو کبھی قبول نہیں کیا تھا اور مؤخرالذکر کی اسلامی اخبارات اور عوام نے شدید مذمت کی تھی۔ ہم اپنے صوبے میں صوبجاتی خود اختیاری کو موہوم و خیالی چیز ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کے مستقبل کے لیے تباہ کن سمجھتے ہیں۔

''سندھ کی علحدگی کے مسئلے سے عملی طور پر بے پروائی کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت تک چین سے بیٹھنے نہ دے گا، جب تک نئے دستور کے نفاذ سے قبل اس کا کوئی اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہو جاتا۔

''شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کے بارے میں ہمیں سخت مایوسی ہوئی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اس ضمن میں کمشن کی سفارشات نہ ہندوستانی مسلمانوں کی تسلی کر سکیں گی اور نہ ان دو صوبوں کے مسلمانوں کو خوش کر سکیں گی۔ ان دو صوبوں کے ساتھ دوسرے صوبوں سے مختلف سلوک کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔

''رپورٹ کی سفارشات کی تہہ میں جو پالیسی کارفرما ہے، اس کا مطلب ہمارے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کے اہم مطالبات کو ٹھکرا کر انتہا پسند ہندوؤں کو خوش کرنا مقصود ہے۔ اس وقت جو فوری مسئلہ مسلمانوں کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ آیا ان حالات میں وہ اقلیت کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کریں یا نہ کریں۔ ہماری رائے صاف طور پر یہ ہے کہ جب حالات ایسی صورت اختیار نہ کر لیں، جو مسلمانوں کے

مطالبات کے لیے مفید ہو، کانفرنس میں ہماری شرکت سے قوم کو بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔

"ہم مسلمانان ہندوستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فی الفور ایک جداگانہ طریق عمل پر گامزن ہونے کے لیے اپنی طاقتوں کو مرتکز کریں۔"

— o —

سر آغا خان کے نام تارہ*

۱۵ نومبر کو ڈاکٹر سر محمد اقبال نے درج ذیل برق پیغام سر آغا خان کے نام لندن ارسال کیا:

"تازہ خبریں اضطراب انگیز آ رہی ہیں۔ مسلمانان پنجاب کی رائے عامہ دہلی مسلم کانفرنس کی منظور کردہ قرار دادوں پر قائم ہے۔ اور ان میں رد و بدل کو ناقابل برداشت خیال کرتی ہے۔ اگر کوئی رد و بدل کیا گیا تو مسلم مندوبین پر اعتماد نہیں رہے گا۔ اگر ہندو مسلم مطالبات کو نہیں مانتے تو مسلمان کانفرنس کو چھوڑ کر چلے آئیں۔"

— o —

اپر انڈیا مسلم کانفرنس**

لندن میں پہلی گول میز کانفرنس کی اقلیتوں کی سب کمیٹی میں فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کرنے کے لیے مختلف تجاویز زیر غور آئیں۔

---

* انقلاب: ۱۸ نومبر ۱۹۳۰ء۔
** ایضاً: ۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء۔

ان میں سے ایک تجویز میں ، جو سر محمد شفیع نے کانفرنس کے سامنے پیش کی ، مسلمان مندوبین کانفرنس جداگانہ طریق انتخاب کو بھی چھوڑنے پر راضی ہو گئے لیکن ہندو مہاسبھائی رہنماؤں نے ان تجاویز کو بھی قبول نہ کیا ۔ ان حالات کی خبریں جب ہندوستان پہنچیں تو مسلمانان ہند بہت مضطرب ہوئے ۔ علامہ سر محمد اقبال اور دوسرے رہنماؤں اور اسلامی جماعتوں نے لندن میں مسلم مندوبین کے نام تار بھیجے کہ اگر ہندو مسلم مطالبات کو نہیں مانتے تو مسلمانوں کو کانفرنس چھوڑ کر واپس آ جانا چاہیے ۔

عملی اقدام کے طور پر یہ تجویز منظور ہوئی کہ شمالی ہند یعنی پنجاب ، سرحد ، سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس ، جس کے انعقاد کی ضرورت پر پہلے بھی اخباروں میں لکھا جا رہا تھا ، فوراً بلائی جائے ، جس میں دہلی کانفرنس کی تجاویز کی پرزور حمایت کی جائے اور اگر مسلم مطالبات منظور نہ ہوں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے طرز عمل پر غور کیا جائے ۔ ان حالات کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات معلوم کرنے کے لیے ''مسلم آؤٹ لک'' کے نمائندے نے آپ سے ملاقات کی ۔ دوران ملاقات آپ نے فرمایا :

''پنجاب اور دوسرے حصوں کے مسلمان جداگانہ انتخاب پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں ۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ کے صدر[1] نے اس باب میں مسلمانوں کی رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، نیز یہ سمجھتے ہوئے کہ فرقہ وار مسائل کے متعلق بیان کردہ مفاہمت مسلمانان ہند کے مفاد کے لیے نقصان رساں ہوگی ، ہزہائینس سر آغا خان کو تار دیا کہ مسلمان کسی حالت میں بھی جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ۔ پنجاب اور دوسرے صوبوں سے بھی اسی مضمون کے برقی پیغامات آغا خان اور دوسرے مندوبین کے نام بھیجے جا چکے ہیں ۔ میری رائے میں مسلمانوں کا خوف بالکل حق بجانب ہے ۔ اگر لندن سے آئی ہوئی اطلاعات صحیح ہیں تو ان کا مفاد یہ ہے کہ مسلم مندوبین نے پنجاب و بنگال کے مسلمانوں کے لیے اکثریت کے حقوق حاصل

۱- نواب محمد اسماعیل خان ۔

کیے بغیر مخلوط انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فرقہ وار مسائل کے متعلق اس مفاہمت کے مقابلے میں حکومت ہند کی یادداشت میں اسلامی حقوق کی حفاظت کا زیادہ اچھا بندوبست ہے۔ اگرچہ میں بعض اہم معاملات میں مذکورہ یادداشت سے اختلاف رکھتا ہوں۔

''یہ تجویز پیش ہو چکی ہے کہ شمالی و مغربی ہند اور پنجاب کے مسلمان لاہور میں ایک اجلاس منعقد کر کے بیان کردہ مفاہمت کے متعلق اپنی رائے کا پر زور طریق پر اظہار کریں۔ جن صوبوں میں مسلمانوں کو بہ اعتبار آبادی اکثریت حاصل ہے، ان میں حصول اکثریت کے لیے اصرار ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کسی طرح کی زاید از استحقاق نیابت کا حامی نہیں ہوں۔

''مجوزہ کانفرنس میں پنجاب کے مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ مندوبین کے متعلق ان کی روش کیا ہوگی، نیز یہ کہ ان کے کیے ہوئے سمجھوتے کو قبول کر لینا چاہیے یا مسترد کر دینا چاہیے۔''

—o—

۲۳ نومبر ۱۹۳۰ع کو لاہور کے مسلم اکابر[1] کا ایک اجتماع

۱- مندرجہ ذیل اصحاب نے اس جلسہ میں شرکت کی:

۱- علامہ سر محمد اقبال۔ ۲- مولانا عبدالمجید سالک۔ ۳- مولانا غلام رسول مہر۔ ۴- مولانا محمد علی، امیر جماعت احمدیہ۔ ۵- خان سعادت علی خان، رئیس اعظم۔ ۶- حکیم محمد شریف۔ ۷- مولانا غلام محی الدین۔ ۸- میاں حق نواز۔ ۹- حاجی میر شمس الدین۔ ۱۰- سید محسن شاہ۔ ۱۱- ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین۔ ۱۲- مولوی فضل الدین۔ ۱۳- سردار

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۲ پر)

علامہ سر محمد اقبال کی دعوت پر برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد ہوا۔ کانفرنس کے صدر علامہ اقبال ، تمام حاضرین جلسہ مجلس استقبالیہ کے ممبر ، مجید ملک مجلس استقبالیہ کے سکرٹری اور خان سعادت علی خان فنانشل سکرٹری مقرر ہوئے۔ اس اجتماع کی غرض بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا* :

''حالات حاضرہ کے اعتبار سے شمالی ہند کے مسلمانوں کی ایک خاص کانفرنس کا انعقاد ضروری ہے جس میں صوبہ سرحد ، بلوچستان ، پنجاب و سندھ کے نمائندے شریک ہوں اور ان صوبوں کے مسلمانوں کو اسلامی حقوق کے حصول کے لیے منظم بنانے اور ان میں جوش عمل پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔''

— ٥ —

۴ دسمبر کو مجلس استقبالیہ کا اجلاس علامہ اقبال کی کوٹھی پر منعقد ہوا**۔ دیگر امور کے علاوہ مولانا سید حبیب مدیر ''سیاست'' کانفرنس کے سکرٹری منتخب ہوئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر میں زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال ہونے والا ہے اس لیے کانفرنس دسمبر کے بجائے جنوری کے آخری ہفتے میں لاہور میں منعقد کی جائے۔ کانفرنس میں شمولیت کے لیے سیکریٹریان کانفرنس نے اپیلیں شائع کرائیں۔

۱۹ دسمبر کو بعض مقتدر مسلمانان شمال مغربی سرحدی صوبہ ، پنجاب ، بلوچستان و سندھ کے نام اپر انڈیا مسلم کانفرنس کے متعلق

---

* انقلاب : ۲۵ نومبر ۱۹۳۰ء۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۱ سے)

حبیب اللہ خان - ۱۴- ملک محمد دین - ۱۵- میاں فیروزالدین - ۱۶- مولانا سید حبیب شاہ - ۱۷- سید مراتب علی شاہ گیلانی - ۱۸- فضل کریم - ۱۹- عبداللہ - ۲۰- محبوب الٰہی - ۲۱- خان بہادر میر عزیز الدین - ۲۲- خان صاحب خیر الدین - ۲۳- مجید ملک ، ایڈیٹر ''مسلم آوٹ لک''۔

**ایضاً : ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء۔

علامہ سر محمد اقبال اور دیگر ارکان مجلس استقبالیہ[1] نے درج ذیل اپیل شائع کی:

''از دفتر اپر انڈیا مسلم کانفرنس لاہور مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۰ء
برادران اسلام، السلام علیکم! آپ 'مسلم آؤٹ لک'، 'سیاست'، 'انقلاب' اور دیگر اخبارات کے ذریعے سے یہ خبر سن چکے ہوں گے کہ جنوری ۱۹۳۱ء میں ہم لوگ لاہور میں مسلمانوں کے ایک اجتماع کا بندوبست کر رہے ہیں، جس کا نام بالائی ہند کے مسلمانوں کی کانفرنس (اپر انڈیا مسلم کانفرنس) تجویز کیا گیا ہے۔ اس اجتماع میں شمولیت کے لیے ہم (۱) شمال مغربی سرحدی صوبہ، (۲) بلوچستان، (۳) سندھ، اور (۴) پنجاب کے مسلمان نمائندوں کو.... دعوت دینا چاہتے ہیں اور جن نمائندوں کو مدعو کرنے کا ارادہ ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

''۱۔ ان صوبوں کے وہ مسلمان بزرگ جو کونسل آف سٹیٹ یا اسمبلی کے ارکان ہیں۔ ان صوبوں میں سے جن میں مجالس آئین ساز (کونسلیں) موجود ہیں ان کے مسلمان ارکان۔

''۲۔ ان صوبوں میں جہاں ڈسٹرکٹ بورڈ یا بلدیات یا مشتہرہ علاقہ جات (نوٹی فائڈ ایریاز) یا پنچائتیں یا دوسری ایسی جماعتیں موجود ہیں جو بروئے قانون ملک معرض وجود میں آئی ہوں ان کے مسلمان ارکان۔

۱۔ اس اپیل پر علامہ موصوف کے علاوہ ان اصحاب کے نام تھے:
۱۔ مسٹر مجید ملک، مدیر ''مسلم آؤٹ لک''۔ ۲۔ مولانا سید حبیب، مدیر ''سیاست''۔ ۳۔ خان سعادت علی خان۔ ۴۔ مولانا غلام رسول مہر۔ ۵۔ مولانا عبدالمجید سالک۔ ۶۔ مولوی محمد علی۔ ۷۔ حکیم محمد شریف۔ ۸۔ مولانا غلام محی الدین۔ ۹۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین۔ ۱۰۔ مسٹر عبداللہ۔ ۱۱۔ مولوی محبوب الرحمن۔ ۱۲۔ خان بہادر میر عزیز الدین۔

''۳۔ مقتدر مسلم جماعتوں کے نمائندے۔

''۴۔ دیگر معزز مسلمان اکابر۔

''اس کانفرنس کے طلب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان صوبجات کے مسلمانوں کو حالات حاضرہ اور آج کی سیاسی تحریکات سے آگاہ کیا جائے اور ہماری ہمسایہ اقوام اور ہندوستان کی حاکم قوم کی حکمت عملی سے واقف کر کے ان خطرات سے آگاہ کیا جائے، جن سے اس وقت ملت مرحومہ دوچار ہے اور اس کے بعد مسلمانان ہند کی اس کثرت کو، جو ان صوبجات میں ہے، جن کو خدائے حکیم و علیم و خبیر نے یقیناً بلا مصلحت نہیں بلکہ کسی ایسی مصلحت کے لیے، جو ارباب دانش و بینش پر روز بروز عیاں ہوتی چلی جا رہی ہے یکجا رکھا ہے..... اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل ہونے کا پیغام دیا جائے۔

''آپ جیسے باخبر حضرات کو خطاب کرتے ہوئے سیاسیات حاضرہ پر تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ دور کیوں جائیے، نہرو رپورٹ کے اجرا کے زمانے کے بعد سے جو سیاسی تغیر رونما ہوئے اور سیاسیات کے بحر زخار میں جو تموج پیدا ہوئے آپ ان کے اسباب و علل، تاثرات اور یقینی نتائج سے ناآگاہ نہیں ہو سکتے۔ آپ نے دیسی ریاستوں کے متعلق بٹلر کمیٹی کی رپورٹ اور ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی کے انصرام کے واسطے سائمن کمشن اور اس کی امدادی کمیٹیوں کی تگ و دو کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد جس طرح سر جان سائمن نے دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند کے اتحاد کی لَم پیدا کی اور حکومت ہند نے سائمن رپورٹ پر تبصرہ کیا، اس سے بھی آپ کا واقف ہونا غیر مشتبہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جس وقت وائسرائے کے نامزد کردہ مسلمان مندوب گول میز کانفرنس کی شرکت کے لیے لندن کو سدھارے تھے تو ہم

مسلمان چاہتے تھے کہ

۱۔ ہندوستان کا نظام حکومت فیڈرل ہو۔

۲۔ پنجاب و بنگال کی مسلم اکثریتیں قائم رہیں۔

۳۔ بلوچستان، سرحد اور سندھ کے مسلمان صوبوں کو مکمل اصلاحات ملیں۔

۴۔ وزارتوں اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ بروئے دستور اساسی محفوظ کر دیا جائے۔

۵۔ شریعت حقہ، تمدن اسلام، تعلیم اسلام اور مسلمانوں کا انفرادی قانون غیر مسلم دسترس سے بروئے دستور اساسی محفوظ کر دیا جائے۔

۶۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبجات کے قبضہ میں رہیں۔ اور

۷۔ مرکزی مجالس آئین ساز اور وزارت میں ہمارا حصہ ایک تہائی ہو۔

''یہ مختصر سی روئداد ہے ان مسلم مطالبات کی جو مسٹر جناح کے چودہ نکات یا دہلی کی اس مشہور قرارداد کے نام سے معروف ہیں، جو سر آغا خان کی صدارت میں آل انڈیا مسلم کانفرنس ۱۹۲۹ء کے پہلے روز منظور کی گئی تھی۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ لندن میں دیسی ریاستوں کو فیڈرل نظام ہند میں شمولیت کی دعوت دی جا رہی ہے اور دیسی ریاستوں کی طرح تمام برطانوی ہند کو اس نظام کا ایک صوبہ یا جزو تسلیم کرانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہندوستان کے موجودہ صوبجات کی حیثیت وہی ہوگی جو پنجاب کے کسی ضلع کو اپنے صوبہ کے اندر

حاصل ہے۔ یوں جہاں ہم مسلمان فیڈرل نظام کے تسلیم کیے جانے پر اظہار مسرت کر رہے ہیں وہاں ہم بلا شبہ اس حقیقت سے نا آگاہ ہیں کہ یہ اس لفظی ٹٹی کی آڑ میں ہمیں شکار بنایا جا رہا ہے۔ پھر جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد اقلیت میں ہے ان کو قدرے زیادہ نشستیں دے کر شطرنج سیاست پر سکھوں کے مہرہ کو بڑھایا جا رہا ہے۔ اور ہمیں شاہ مات دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

—o—

جلسہ عام سے خطاب*

۲ مئی ۱۹۳۱ع کو مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ باغ بیرون موچی دروازہ زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال جداگانہ طریق انتخاب اور مسلمانوں کے دوسرے مطالبات کی حمایت میں منعقد ہوا۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں جلسے کے اغراض و مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ جلسہ متعدد جلسوں کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے جو اس نازک زمانہ میں مسلمانوں کو بیدار کرنے کے بعد ان میں روح حیات پھونکنے کے لیے کیے جائیں گے تا کہ وہ سیاسیات کے میدان عمل میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔''

تمام تقریروں کے اختتام پر آپ نے فرمایا:

''بعض تقریروں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں۔ لیکن میرے خیال میں مذہب کے فروعی اختلافات تو کسی قدر موجود ہیں لیکن سیاسی اتحاد بہت حد تک موجود ہے۔ گاندھی جی نے مسلم کانفرنس دہلی کے متعلق کہا تھا کہ مسلمانوں کا مطالبہ متحدہ نہیں۔ لیکن وہ حق بجانب نہ تھے۔ میں اس صحبت میں موجود تھا اور میں نے کہا تھا کہ ہندوؤں کا ایک طبقہ جداگانہ انتخاب مانگتا

---

*انقلاب: ٥ مئی ۱۹۳۱ع۔

ہے ، دوسرا مخلوط انتخاب کا حامی ہے اور تیسرا 'سوشل ڈیمو کریسی' چاہتا ہے۔ جب ہندوؤں میں اس قدر اختلاف ہے تو مسلمانوں کے معمولی اختلاف پر ایک بہانہ بنا لینا اگر منافقت نہیں تو کیا ہے۔''

مذہبی اختلاف کے متعلق آپ نے فرمایا :-

''یہ اختلاف نہیں بلکہ مذہب سے دلچسپی اور محبت رکھنے کا ثبوت ہے ...... سیاسیات کے متعلق مسلمانوں میں اتحاد ہے۔ آل انڈیا [مسلم] کانفرنس کی قرار داد اور لکھنؤ کانفرنس (جو دو ہفتوں کی پیدایش ہے) کی قرار داد کی تیرہ تیرہ دفعات ایک ہی ہیں۔ صرف چودھویں دفعہ میں اختلاف ہے۔ وہ [نیشنلسٹ مسلمان] مخلوط انتخاب کو بالغوں کے حق رائے دہی سے مشروط کرتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان دس سال کے لیے جداگانہ انتخاب کے حامی ہیں اور اس کے بعد بھی بالغوں کے حق رائے دہی کی شرط لگاتے ہیں اور 'زمیندار' کی اشاعت دیروزہ میں لکھتے ہیں کہ بالغوں کا حق رائے دہی ابھی ممکن ہی نہیں . . جداگانہ انتخاب سے پہلے مخلوط انتخاب کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ سر علی امام ، جو لکھنؤ کانفرنس کے صدر تھے ، اس تجربے کی بنا پر اس وفد میں لارڈ منٹو کے پاس گئے تھے ، جس نے مسلمانوں کی حالت زار کا حوالہ دے کر جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ لارڈ منٹو ان کے دلائل سے متاثر ہو کر جداگانہ انتخاب نافذ کرنے پر تیار ہو گئے......

''پہلے معلوم کرنا چاہیے کہ قوم پرستی کا مفہوم کیا ہے۔ نیشنلزم کا جو تجربہ یورپ میں ہوا اس کا نتیجہ بے دینی اور لا مذہبی کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ وہی ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ رسول عربی صلعم کا وہ حکم موجود ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ آج میں نسل ، ذات پات اور برادری کے تمام امتیازات کو پاؤں کے نیچے کچلتا ہوں۔ تم سب مسلمان ہو اور یہی تمہارا صحیح نام ہے۔ ہندوستان میں جس قدر اقوام ہیں ، سب چاہتی ہیں کہ ان کی خصوصیات باقی رہیں ، اس لیے مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں۔ مسلمان

دوسروں پر حکومت نہیں چاہتے اور نہ یہ چاہتے ہیں، دوسرے ان پر حکمران ہوں اور وہ ان کے غلام بنے رہیں۔ مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ سب سے زیادہ قربانی کرنے کو تیار رہیں۔ (نعرہ تکبیر)

"میں مسلمان نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ قومیت کا صحیح تخیل معلوم کریں۔ ہندوؤں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یورپ کا تخیل آزادی اور مذہبیت ہے۔ مسلم نوجوانوں کو چاہیے کہ منظم ہو جائیں اور یہ کوششیں اس لیے ہیں کہ آپ گونڈ اور بھیل نہ بن جائیں۔ ابھی آپ کو ایک شدید جنگ میں قربانیاں کرنی ہیں اور وہ سرمایہ داری کی لعنت کے خلاف جنگ ہے۔ اس لیئے آپ کو چاہیے کہ اس کے لیے بھی ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار رہیں۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ کوئی دوسری قوم یا انگریز اس کی دستگیری کریگا تو وہ بد بخت ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ ورنہ تمھیں کوئی حق نہیں کہ زندہ رہو۔"

—o—

بھوپال کانفرنس پر بیان*

نواب بھوپال کی دعوت پر جدا گانہ طریق انتخاب اور مخلوط طریق انتخاب کے حامی مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس بھوپال میں ۱۰ مئی کو منعقد ہوئی۔ کوشش یہ تھی کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے صورت حالات کے تمام پہلوؤں کی چھان بین کی جائے۔ متعدد فارمولے تیار کیے گئے اور فیصلہ ہوا کہ تمام ارکان ان فارمولوں کو اپنی اپنی جماعت کے سامنے پیش کریں۔ دوسرا اجلاس یکم جون کو قرار پایا۔ ۱۲ مئی کو علامہ سر محمد اقبال، سر محمد شفیع، مولانا شوکت علی اور مسٹر شروانی کے دستخطوں سے درج ذیل بیان شائع ہوا:

---

* انقلاب: ۱۵ مئی ۱۹۳۱ع۔

''ہم ۱۰ مئی کو بھوپال میں ایک غیر رسمی جلسہ میں جمع ہوئے تاکہ ان اختلافات کو مٹائیں جن کی بنا پر مسلمان اس وقت دو سیاسی طبقوں میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ ہمارا مقصد ہندو مسلم سوال کے حل کرنے میں آسانیاں پیدا کرنا تھا۔ ہماری متفقہ رائے ہے کہ اس منزل پر بحث و تمحیص کی تفصیلات شائع کرنا مفاد عامہ کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ ہم خوشی سے بیان کرتے ہیں کہ طرفین کے درمیان انتہائی خوشگوار اور دوستانہ جذبات میں گفتگو ہوتی رہی۔ دوران گفتگو یہ امر عیاں تھا کہ حاضرین میں سے ہر ایک کی یہی آرزو اور خواہش ہے کہ ایسے فیصلے پر پہنچ جائیں جو مسلمانوں کے اتحاد کا ذریعہ بن جائے اور انہیں اس قابل بنا دے کہ وہ متحد ہو کر ملک کی سیاسی ترقی اور نشو و ارتقاء میں حصہ لے سکیں۔ جون کا پہلا ہفتہ گفت و شنید کی تجدید کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس وقت آخری اور تسلی بخش فیصلہ ہو جائے گا۔''

—o—

۱۳ مئی کو سر محمد اقبال اور نواب محمد اسمعیل خان بھوپال سے واپس آتے ہوئے دہلی سے گذرے۔ ریلوے سٹیشن پر نمائندہ ''سٹیٹسمین'' سے ایک ملاقات کے دوران انہوں نے فرمایا*:

''بھوپال کانفرنس کے متعلق اخبارات میں جو اطلاعات شائع ہوئی ہیں وہ اصول اساسی کے اعتبار سے درست ہیں۔ لیکن ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بیان صحیح نہیں کہ ہم دونوں مولانا شوکت علی اور سر محمد شفیع کے ساتھ مل کر جدا گانہ نیابت کے مؤید رہے اور ڈاکٹر انصاری اور مسٹر تصدق احمد خان شروانی مخلوط نیابت کی حمایت پر اڑے رہے۔ ہم چاروں دہلی کی

---

* انقلاب: ۱۷ مئی ۱۹۳۱ع۔

قرار دادوں کے مؤید تھے - لیکن ہم مختلف جماعتوں میں منقسم ہو کر متضاد مقاصد کی خاطر جد و جہد نہیں کر رہے تھے - جب واقعات کا سامنا ہوا تو ہمیں معلوم ہوا کہ دونوں فریقوں میں بہت تھوڑا اختلاف رائے ہے - ہمیں یقین ہے، جس طریق پر یہ کام شروع ہوا ہے اس طرح یہ خفیف اختلاف بھی جاتا رہے گا -

''ہم تفصیلات میں نہیں جاسکتے البتہ ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اتحاد المسلمین کی طرف تسلی بخش ترقی ہوئی ہے، اب گفت و شنید ایسے مرحلے پر پہنچ گئی تھی کہ ہم انفرادی حیثیت سے اسے جاری نہیں رکھ سکتے تھے، اس لیے ہمیں اپنی اپنی مجلس عاملہ کی طرف منظوری اور رہنمائی کے لیے رجوع کرنا پڑا ہے - ہمیں امید ہے کہ جب جون کے پہلے ہفتہ میں کانفرنس کا اجلاس دوبارہ ہوگا تو اس وقت تک کوئی ایسا اصول تیار ہو جائے گا جو سب مسلمانوں کو قبول ہوگا اور موجودہ خفیف اختلاف بھی معدوم ہو جائے گا -''

—o—

بھوپال کانفرنس کے فیصلوں کے متعلق علامہ اقبال نے اپنے ایک بیان مورخہ ۱۵ مئی میں فرمایا*:

''شملہ سے ایسوشی ایٹڈ پریس کا ایک پیغام بدیں مضمون شائع ہوا ہے کہ ڈاکٹر انصاری اور مسٹر شعیب قریشی شملہ پہنچتے ہی گاندھی جی کے مکان پر گئے اور انہیں اطلاع دی کہ ہزہائنس والئی بھوپال نے جن اصحاب کو مدعو کیا تھا انھوں نے ایک عارضی میثاق مرتب کر لیا ہے - اس پیغام میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس

---

*انقلاب : ۱۷ مئی ۱۹۳۱ع -

میثاق میں جو فارمولا پیش کیا گیا ہے اس میں جدا گانہ اور مخلوط انتخاب والوں کا امتزاج پایا جاتا ہے اور تقریباً دس سال تک [نافذ] رہے گا اور اس کے بعد ہر جگہ مخلوط انتخاب جاری کر دیا جائے گا۔ چونکہ میں بھی مدعو تھا، اس لیے میں یہ ظاہر کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اگر ڈاکٹر انصاری اور مسٹر شعیب نے بھوپال کانفرنس کے غیر مباحث کو بمنزلہ عارضی میثاق پیش کیا ہے تو انہوں نے یقیناً نہ صرف ان لوگوں کے ساتھ، جن کے ساتھ انہوں نے گفت و شنید کی بلکہ تمام مسلم قوم کے ساتھ برائی کی۔ میں اسے کامل طور پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عارضی میثاق کی قسم کی کوئی چیز حاضرین جلسہ کے خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ اس جلسہ میں اس سے زیادہ کوئی کارروائی نہیں ہوئی کہ نامُ نہاد مسلم نیشنلسٹوں کو انتخابات کے متعلق آل انڈیا مسلم کانفرنس کے فیصلوں کے قریب تر لانے کے لیے بعض تجاویز پیش کی گئیں تاکہ یہ لوگ پھر کامل مسلم قوم میں شامل ہونے کے قابل ہوسکیں، جس نے جدا گانہ انتخاب کے بدستور بحال رکھنے کا ایسا فیصلہ صادر کیا ہے جس میں کسی قسم کے مغالطہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس جلسے میں ان تجاویز پر عمداً کوئی بحث نہیں کی گئی کیونکہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ ان تجاویز کے رد یا قبول کرنے کے لیے مختلف مسلم سیاسی جماعتوں کی مجالس عاملہ کے روبرو انہیں پیش کیا جائے۔ ایسی تجاویز کو گاندھی جی کے پاس بھاگے بھاگے لے جانے، جن پر کسی قسم کی بحث بھی نہیں ہوئی اور انہیں عارضی میثاق کے نام سے تعبیر کرنے سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بھوپال کانفرنس کو پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہے تو مجھے کامل یقین ہے کہ بھوپال یا شملہ میں دوسرا جلسہ کرنا نہ صرف مفید نہ ہوگا بلکہ لازمی طور پر مسلمانان ہند کے مفاد کے لیے ضرر رساں ہوگا۔"

جلسہ عام سے خطاب*

۱۳ مئی ۱۹۳۱ع کو مغلپورہ انجینئرنگ کالج کے مسلمان طلبہ نے ایک معاملہ کے متعلق پرنسپل کیپٹن وٹیکر سے ملاقات کی ۔ دوران ملاقات پرنسپل نے مسلمانوں کے خلاف بہت باتیں کہیں اور کہا کہ وہ مسلمان قوم کا مخالف ہے اور ان سے لڑنے کو تیار ہے ۔ مسلمان طلبہ پریشانی کے عالم میں اخباروں کے دفاتر میں گئے اور علامہ اقبال کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ۔ تمام اسلامی انجمنوں اور اخباروں نے پرنسپل کے اس رویہ کے خلاف آوازِ بلند کی ۔ اسی سلسلہ میں مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ موچی دروازہ کے بیرونی باغ میں زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال ۳ جون کو منعقد ہوا ۔ علامہ اقبال نے خطبہ صدارت میں فرمایا :

''برادرانِ اسلام ! گذشتہ چالیس پچاس سال سے مسلمانوں کے متعلق ہندوستان میں جس قسم کے خیالات ظاہر کیے جا رہے ہیں ، ان میں مسلمانوں کے لیے عبرت و بصیرت کا ایک مستقل سرمایہ موجود ہے ۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان واقعات کا پیغام سمجھیں ۔ چونکہ مسلمان منتشر ہیں اس لیے یہاں کی ہر قوم مسلمانوں سے عناد رکھتی ہے ۔ یہ صورت حال قابل افسوس ہے'' ۔ آپ نے نہایت درد اور رقت سے مسلمانوں کو مخاطب کیا اور فرمایا : ''تم آج تک اپنی مصیبت کے علاج کے لیے ہزاروں تدبیریں کر چکے ہو ، اب ایک تدبیر محمد عربی صلعم کی بھی آزماؤ ۔ حضور صلعم فرماتے ہیں 'اتحاد اُمتی حجۃ قاطعۃ' ۔ ایک دفعہ اتحاد کر کے دیکھو اگرچہ اب تک کی تمام تدابیر ناکام ثابت ہو چکی ہیں لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کا بتلایا ہوا یہ نسخۂ شفا کبھی ناکامیاب نہیں ہوگا ۔ اتحاد کامیابی کا سر چشمہ ہے اور حصول اتحاد کا راز 'و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا' کی اطاعت میں مضمر ہے ۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو ۔ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ہی وہ رسی ہے ۔ اگر یہ دل میں اتر جائے تو دونوں جہاں کی کامیابیاں

---

*انقلاب : ۵ جون ۱۹۳۱ع ۔

تمہارے قدموں میں ہیں سے

لا الہ گوئی بگو از روئے جان
تاز اندام تو آید بوئے جان
لا الہ از غیر حق نا آگہیست
اندرون درویشی و شاہنشاہیست
زیستن با سوز او قہاری است
لا الہ ضرب است و ضرب کاری است

— o —

مغلپورہ کالج تحقیقاتی کمیٹی*

مسلمانان لاہور نے حکومت پنجاب سے میکلیگن انجینئرنگ کالج مغلپورہ کے معاملے کی تحقیقات کے لیے چار مطالبات پیش کیے، (۱) تحقیقاتی کمشن کا تقرر، (۲) پہلے کمشن پر عدم اعتماد اور اپنے منتخب کردہ آدمی کو رکن بنانے کا مطالبہ، اور (۳) میکلیگن کالج کے امتحان کا التوا۔ حکومت نے تقریباً یہ سب مطالبات منظور کر لیے اور ایک نیا تحقیقاتی کمشن مقرر کیا جس میں مزید ایک مسلمان رکن[۱] شامل کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۳۱ع زیر صدارت مولانا داؤد غزنوی باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا نے ایک قرارداد[۲]

---

*انقلاب : ۵ جولائی ۱۹۳۱ع۔

(۱) شیخ عبدالغنی، ایڈوکیٹ، سرگودھا۔

(۲) قرارداد کا مضمون یہ تھا:

''چونکہ حکومت نے مسلمانوں کی ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے تجویز کردہ نمائندہ کو تحقیقاتی کمیٹی میں شامل کر لیا ہے اور چونکہ اس سے صورت حالات میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے مسلمانان لاہور کا یہ جلسہ فیصلہ کرتا ہے کہ بہ حالات موجودہ امر تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پرنسپل وٹیکر کے خلاف شہادت پیش کی جائے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر دوران تحقیقات یا اس کے بعد تحقیقاتی کمیٹی کے رویہ کے متعلق کسی قسم کی شکایت پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا کہ طلبہ کے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب کارروائی کریں۔''

پیش کی - قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا :

''سب سے پہلے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کا اتحاد حضور صلعم کے مطابق برہان قاطع ہے - آپ نے اس امر میں خلوص نیت سے عمل کیا اور اس کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا - مسلمانوں کے سامنے عنقریب بہت بڑے امور پیش ہونے والے ہیں جن کا تعلق آپ کی اجتماعی زندگی سے ہے - ان کا تقاضا ہے کہ اسی طرح سے ثابت قدم رہیں اور میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اسی طرح اتحاد نصیب کرے ، جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو نصیب ہوا تھا - اے لاہور کے مسلمانو! میں آپ کو آپ کے اتحاد پر مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ ہی حکومت کی دانشمندی کی بھی داد دیتا ہوں کہ اس نے آپ کے اتحاد سے متاثر ہو کر آپ کے مطالبات تسلیم کر لیے -

''مغلپورہ کالج کمیٹی ، جس میں لاہور کے چند بزرگوار ارکان کی حیثیت سے کام کرتے ہیں ، میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کمشن کے سامنے شہادت پیش کی جائے - میں ان سے اور مسلمانان لاہور سے ملتمس ہوں کہ وہ شہادت کے موقع پر مغلپورہ کالج کے لیے ہر سہولت بہم پہنچانے کا کام کریں - ہم وکالت پیشہ ، جو ہمیشہ ان کی مدد کرتے آئے ہیں ، اب بھی ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہیں - ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ آنے والے طلبہ کے لیے بھی آسانیاں بہم پہنچ جائیں اور ان کے ساتھ آئندہ کبھی ایسا سلوک نہ کیا جائے - کمشن کے سامنے یہ معاملات پیش ہونگے : (۱) آیا وٹیکر نے وہ الفاظ استعمال کیے جن سے متاثر ہو کر ۹۰ طلبہ نے کالج چھوڑنے کی درخواست دی؟ (۲) کیا یہ صحیح ہے کہ وٹیکر مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور ان کے داخلے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں اور غیر مسلم طلبہ ان نقصانات سے مبرا رہے؟ (۳) آیا داخلہ کا

معاملہ پرنسپل ہی کے ہاتھ میں رہے یا اس کے لیے کوئی علحدہ بورڈ مقرر ہو؟

''آپ کو یاد ہوگا کہ مغلپورہ کالج ایک پروفیشنل کالج ہے۔ اس میں داخل ہونے سے مسلمانوں کے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ کمیٹی کے سامنے شہادتیں پیش کی جائیں۔ اگر آپ کی شہادت قوی ہے اور آپ کو یقین ہے کہ آپ حق پر ہیں تو ہر قسم کی کمیٹی آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی۔ میں کمیٹی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ لڑکوں کی شہادت کو اچھی طرح سنے ہم نے پہلی کمیٹی کا اس لیے بائیکاٹ نہیں کیا تھا کہ ہمارے پاس کافی شہادت نہ تھی اور ہم شہادت فراہم کرنا چاہتے تھے، بلکہ اس لیے کیا تھا کہ اس کے ارکان سے ہمیں اختلاف تھا۔

''میں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ نے جس خودداری کا ثبوت دیا ہے اسی کے ماتحت اب بھی ہر ممکن کوشش کیجیے۔ میری پنجاب گورنمنٹ کے ذمہ دار افسروں سے گفتگو ہوئی اور ان سے میں نے کہا کہ مسلمان حق پر ہیں اور حق کی فتح ہوتی ہے۔''

— o —

مظلومین کانپور کی امداد کے لیے اپیل*

۱۹۳۱ء میں ہندوستان کے متعدد مقامات پر ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے۔ جن میں مسلمانان ہند کو بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ علامہ سر محمد اقبال نے کانپور کے فسادات کے شکار مسلمانوں کی امداد کے لیے چند دیگر مسلم رہنماؤں کے ہمراہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو درج ذیل اپیل اخبارات میں شائع کرائی:

''برادران ملت! آپ متواتر کانپور کے فساد کے حالات اخبارات

* انقلاب: ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء۔

میں پڑھ چکے ہیں۔ کانپور کا بلوہ کوئی معمولی بلوہ نہ تھا، بلکہ وہ ایک وسیع ہندو سازش کا آخری مظاہرہ تھا۔ بنارس، آگرہ اور مرزا پور کے بعد کانپور میں مسلمانوں کا قتل عام ہندوستان کے مسلمانوں کو چیلنج تھا کہ وہ ایک ایک کر کے اس ملک سے نابود کر دیئے جائیں گے اور کوئی ان کی امداد کرنے والا نہ ہوگا۔ بنارس میں مسلمان مارے گئے اور دوسرے مسلمانوں نے ان کی مدد نہ کی اور متعصب ہندوؤں نے ایک یادداشت لکھ لی کہ مسلمانوں کا خون ہندوستان میں بہت ارزاں ہے۔ آگرہ میں مسلمان مارے گئے اور کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ اور مہاسبھائی ذہنیت والوں نے ایک اور یادداشت لکھ لی کہ مسلمانوں کا خون بہت ہی ارزاں ہے۔ مرزا پور میں مسلمان مارے گئے اور کسی مسلمان نے ان کی مدد نہ کی اور مہاسبھا کی ذہنیت والوں نے ایک اور یادداشت لکھ لی کہ مسلمانوں کا خون بہت ہی ارزاں ہے۔ اس کے بعد کانپور کی باری آئی اور اس میں غدر سے زیادہ دل ہلا دینے والے واقعات ظاہر ہوئے۔ پوربیوں نے انگریزوں سے غدر میں وہ کچھ نہ کیا تھا جو اس شہر میں دوسرے ہندوؤں نے مسلمانوں سے کیا ہے۔

''جس طرح جنگلی جانوروں کے ایک گلے میں گھس کر شکاریوں کا گروہ بے تحاشا بندوقیں چلانا شروع کرتا ہے، اسی طرح کانپور میں ہوا۔ مسلمانوں کے ہزارہا مکانات جلا دیئے گئے۔ کئی محلے ایسے ہیں کہ ان میں شاید ہی کوئی مکان سلامت کھڑا ہو۔ نقصان بھی کوئی معمولی نہیں۔ بلکہ ہر مکان کی چھتیں اور دروازے جلا دیئے گئے۔ اور دیواریں توڑ دی گئیں۔ پیشہ وروں کے آلات بڑے بڑے ہتھوڑوں سے کوٹ کوٹ کر بیکار کر دیئے گئے۔ ایک درزیوں کے علاقہ میں سلائی کی مشینوں کے کچلے ہوئے ڈھیر اب تک نظر آ رہے ہیں۔ بیکس مسلمانوں کو مارا ہی نہیں گیا بلکہ ان پر تیل ڈال کر ان کو جلایا بھی گیا اور بعض

جگہ تو سسکتے ہوئے زندہ آدمی جلا دیئے گئے ۔ کئی مکانوں میں اب تک جلے ہوئے چیتھڑے ملتے ہیں جو ان لوگوں کی یادگار ہیں جنہیں جلایا گیا ۔ کئی گھروں اور مساجد میں اب تک خون کے چھینٹے ان دردناک حوادث کو یاد دلا رہے ہیں جن میں غریب مسلمانوں کو مار مار کر ان کے سر پھوڑ دیئے گئے ۔ مسلمان آگے ہی غریب ہیں لیکن اس بلوہ میں مسلمانوں کو لوٹ مار سے بھی دو چار ہونا پڑا ۔ تیس مسجدیں کلی طور پر یا جزوی طور پر توڑ دی گئیں ، گنبد توڑے گئے ، منارے گرائے گئے اور دروازے جلا دیئے گئے ۔ کئی جگہ قرآن کریم کی بھی بے حرمتی کی گئی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوش میں آ کر مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کا مقابلہ کیا ہے اور ہندوؤں اور ہندوؤں کی عمارتوں کا بھی نقصان ہوا ہے ۔ لیکن اس کی مقدار مسلمانوں کے نقصان کی مقدار سے بہت کم ہے ۔ اور پھر ہندو مالدار بھی ہیں ۔

”اس بلوہ کے بعد پھر متعصب ہندو دلوں میں خوش ہیں کہ گو اس دفعہ مسلمانوں نے کروٹ بدلی تھی ۔ لیکن صرف ایک ہمدردی کا پیغام دے کر وہ پھر سو گئے ہیں ۔ تین مہینے فساد کو ہو گئے ہیں ، ہزاروں بے خانماں ہو رہے ہیں ، سیکڑوں یتیم اور بیوائیں بھوکوں مر رہی ہیں ۔ لیکن ان کا کوئی پرسان حال نہیں ۔ ہندوؤں کا یہ حال ہے کہ ایک معمولی سی مجلس میں ان کا بیس ہزار روپیہ جمع ہو گیا لیکن مسلمانوں نے اب تک سارے ہندوستان سے اٹھائیس ہزار روپیہ جمع کیا ہے ۔ اور اس میں سے بھی اکثر کانپور اور اس کے گرد و نواح کا ہے ۔ پنجاب ، صوبہ سرحد اور سندھ نے اب تک شاید کل ایک ہزار روپیہ دیا ہے ۔ حالانکہ صرف تیس مساجد کی تعمیر اور مرمت ہی پر ایک دو لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اور جو سیکڑوں مقدمات ہوں گے ان کا خرچ اور ان لوگوں کی امداد پر جن کے آلات اور مشینیں توڑ کر انہیں نکما کر دیا گیا ہے اس پر الگ خرچ ہوگا ۔ کل اندازہ مبصروں نے کم سے کم پانچ لاکھ کیا

ہے - اگر دس لاکھ ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں۔

''ہم لوگ، جن کے دستخط آپ نیچے ملاحظہ فرمائیں گے، تمام مسلمانان پنجاب، صوبہ سرحد و سندھ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں چندہ جمع کر کے 'کانپور مسلم ریلیف فنڈ' کے سکرٹری امین برادرز کے نام پر یا اس کمیٹی کے حق میں چارٹرڈ بنک کے نام بھجوائیں۔ اگر ان صوبوں کے شہری ہمت کریں تو خدا کے فضل سے بہت سا چندہ ہو سکتا ہے اور آئندہ کے لیے دشمنان اسلام کی شرارتوں کا سد باب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر کانپور کے مسلمانوں کی امداد ہوئی تو یقیناً وہ لوگ یہ محسوس کریں گے کہ مسلمانوں کو ایک ایک کر کے مارنا آسان نہیں ہے۔ ایک جگہ کے مسلمانوں کو ہم نے مارا تو سب مسلمان ان کی پشت پر ہوں گے اور مسلمان بجائے تباہ ہونے کے ہوشیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر مسلمانوں نے اس موقعہ پر پوری توجہ نہ کی تو دشمن اور بھی ہوشیار ہو جائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ مسلمانوں کو اکیلا اکیلا مار لینا آسان کام ہے۔ ہر ایک مسلمان کو اپنی جان کی فکر ہے اور اپنے ہمسایہ سے غافل ہے۔ خدا نخواستہ یہ خیال اگر دشمنوں کے دل میں پختہ ہوگیا تو وہ دن ہر مسلمان کے لیے مصیبت کا ہوگا اور سپین والا نظارہ ہندوستان میں نظر آنا کچھ بعید نہ ہوگا۔

''اب بھی کافی دیر ہو چکی ہے اور تین ماہ تک مساجد کا شکستہ حالت میں رہنا دشمنان اسلام کی خوشی کا موجب ہو رہا ہے۔ پس آپ جلد اٹھیں اور دشمنان اسلام کو بتا دیں کہ مسلمان ہندوستان کے ہر گوشہ کے مسلمان کہلانے والے کی حفاظت کے لیے اسی طرح بے چین ہو جاتا ہے جس طرح اپنے عزیز ترین رشتہ دار کے لیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ کی مخلص عورتیں بھی اس کام کے لیے آمادہ ہو جائیں تو عورتوں ہی سے اس قدر رقم جمع کی جا سکتی ہے جو مساجد کی تعمیر کے لیے کافی ہو۔ پس امید ہے کہ ہر جگہ کی

تعلیم یافتہ مسلم خواتین اپنی بہنوں میں یہ تحریک پھیلا کر اس نیک کام میں حصہ لیں گی اور بیداری کا ثبوت دیں گی۔

"ہم نے اس اپیل میں پنجاب، صوبہ سرحد اور سندھ سے خطاب کیا ہے۔ اگر دوسرے صوبوں تک بھی جنھوں نے اس تحریک کی طرف اب تک توجہ نہیں کی، ہماری آواز پہنچے تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ بھی اس کام میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔"

— o —

یوم کشمیر منانے کے لیے اپیل*

مسلمانان کشمیر پر مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو یوم کشمیر منانے کا فیصلہ ہوا۔ علامہ سر محمد اقبال نے یوم کشمیر منانے کے لیے چند مسلمان رہنماؤں کی معیت میں درج ذیل اپیل شائع کرائی:

"مسلمانو! پے در پے حملے کرکے تمہارے دشمن کو اب یہ گمان ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک مردہ قوم ہے۔ اس گمان کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ کا یہ فرض ہے کہ 'یوم کشمیر' کو کامیاب بنائیں۔ اور دشمن پر عملاً ثابت کر دیں کہ آپ ظلم و تعدی کو برداشت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔"

— o —

---

* انقلاب: ۱۱ اگست ۱۹۳۱ء۔

گورنر پنجاب کے نام تار*

۱۳ اگست ۱۹۳۱ع کو علامہ اقبال کی خدمت میں امیر شیخ نے مری سے تار بھیجا کہ وہاں یوم کشمیر کے پروپیگنڈے کے لیے ایک جلوس کو مقامی حکام نے حکماً بند کر دیا ہے ۔ آپ نے اسی وقت گورنر پنجاب کے نام برقی پیغام بھیجا :

''مری سے تار موصول ہوا ہے کہ یومِ کشمیر کے جلوس کو مقامی حکام نے روک دیا ہے ۔ مسلمانانِ مری آپ سے مداخلت کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ ''

— o —

یوم کشمیر پر تقریر*

۱۴ اگست ۱۹۳۱ع کو یوم کشمیر منانے کے لیے مسلمانانِ لاہور کا ایک شاندار جلوس نکلا ۔ جلوس کے اختتام پر ایک جلسہ زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال منعقد ہوا ۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد، آپ نے صدارتی تقریر میں فرمایا :

''پہلے پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان کشمیر کے حالات سے بہت کم دلچسپی لیتے تھے ۔ بلکہ وہ لوگ جو کشمیر سے یہاں آئے وہ بھی اس کی تاریخ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے ۔ اب جو مظالم کشمیر میں برپا کیے گئے ، انھوں نے اہل پنجاب کو بھی بیدار کر دیا ہے ۔ ان کے متعلق دربار کشمیر اور ہندو اخبارات نے بعض

---

* انقلاب: ۱۵ اگست ۱۹۳۱ع ۔
* ایضاً : ۱۶ اگست ۱۹۳۱ع ۔

غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں اور رعایا کی طرف سے جائز مطالبات پیش کرنے کو بغاوت یا ہندو مسلم فساد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ ہندو مسلم فساد نہیں ہے۔ میرے پاس کشمیر کے کئی پنڈت حکومت کے خلاف شکایات لے کر آئے۔ میں نے انہیں یہی مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے متحد ہو کر حکومت کے سامنے مطالبات پیش کریں۔ چنانچہ مسلمانوں نے جو عرصہ سے اپنے جائز حقوق کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اب منظم طریق پر مطالبات پیش کرنے کی کوشش کی تو حکومت کشمیر اور ہندو اخبارات نے بے بنیاد خبریں اڑا کر اسے فرقہ وار فساد قرار دے دیا۔ اب ریاست نے ایک تحقیقاتی کمشن مقرر کیا ہے۔ لیکن مسلمان اس کی ہیئت ترکیبی سے مطمئن نہیں اور انہوں نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کا مقاطعہ کر دیا ہے۔ جو شہادتیں پیش کی جا رہی ہیں وہ فضول اور حکمرانوں کے ایما پر پیش کی جاتی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے مظاہرے کو سازش ثابت کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک کا اثر اہل کشمیر پر بھی ہونا لازمی تھا چنانچہ وہ بھی اپنے پڑوسیوں کی حالت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے۔ زمانہ خود لوگوں کو بیدار کر رہا ہے اور کشمیر میں عرصے سے جو مظالم برپا ہیں ان کی موجودگی میں ضروری تھا کہ وہاں کی رعایا بھی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتی۔ (اس موقعہ پر علامہ صاحب نے اپنے چند شعر سنائے جن کا مفہوم یہ تھا کہ حکومت صرف دو طریقوں پر قائم رہ سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ملک کو بزور شمشیر فتح کرکے اس پر تسلط قائم کیا جائے اور دوسرے عوام کی رضا جوئی سے حکومت حاصل کی جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک کو روپے سے خرید کر اس پر حکمرانی کی جائے۔)

''تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ تلوار سے کسی ملک کو فتح کرتے ہیں ان کی حکومت بھی رعایا کی خوشنودی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ بادشاہی خریدنے سے نہیں چل سکتی۔ اس لیے ہر ملک کے حکام

کے لیے ضروری ہے کہ رعایا کی رضا جوئی حاصل کریں۔"

سید محسن شاہ نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ "'کیسری' نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال وہاں (کشمیر) کے وزیر اعظم بننا چاہتے ہیں اور میں جج بننے کا آرزو مند ہوں"۔ علامہ اقبال نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا: "میں ایسے حاکم کی وزارت پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

— o —

مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے اپیل*

علامہ سر محمد اقبال نے کشمیری مسلمانوں کے لیے چندہ دینے کے لیے چند بزرگان پنجاب کے ہمراہ ایک اپیل شائع کرائی۔ ایک نوٹ میں آپ نے توجہ دلائی کہ جملہ رقوم انہیں یا کسی اور شخص کو نہ بھیجی جائیں بلکہ مسلم بنک آف انڈیا میں جمع کرائی جائیں۔ اپیل درج ذیل ہے:

"کشمیر کے حالات روز بروز خطرناک صورت اختیار کر رہے ہیں اور مسلمانان پنجاب کا دائرہ عمل بھی وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے اہل وطن اس تحریک کو فرقہ وار رنگ دے کر دبانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں نہ صرف کشمیر کے مظلوم بھائیوں کی امداد کرنا ہے بلکہ اس زہریلے پروپیگنڈا کا بھی مقابلہ کرنا ہے جس کے لیے بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے ہم نیاز مند مسلمانان پنجاب بلکہ مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کار خیر میں مالی امداد فراہم کرکے عند اللہ ماجور ہوں۔ تمام روپیہ بذریعہ منی آرڈر، بیمہ یا چیک پتہ ذیل پر بھجوایا جائے اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیا

---

* انقلاب: ۲۱ اگست ۱۹۳۱ع۔

جائے کہ اس روپیہ کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے حساب میں جمع کیا جاوے۔

پتہ: مسلم بنک آف انڈیا لمیٹڈ۔ لاہور"۔

— o —

اقبال اور وزارت کشمیر*

"ٹریبیون" مورخہ ۲۶ اگست میں مسٹر راگھون نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ "بعض شخصیتوں کی نیتوں کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شورش کشمیر کے دوران ہی میں برطانوی ہند کے ایک ممتاز لیڈر نے کشمیر کی وزارت میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کے لیے درخواست دی ہے"۔ مدیر "انقلاب" نے یہ فقرہ پڑھ کر علامہ اقبال سے استفسار کیا کہ یہ "ممتاز لیڈر" کون ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"میں نہیں کہہ سکتا کہ کس سے مراد ہے، لیکن چونکہ پہلے بھی ایک ہندو اخبار میرا نام لے چکا ہے اور ممکن ہے کہ مسٹر راگھون کے اس فقرے سے بھی کسی کو غلط فہمی ہو، اس لیے میں اپنے متعلق نہایت زور سے اس افواہ کی تردید کرتا ہوں۔ میں نے 'یوم کشمیر' کے جلسے میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں ایسی وزارت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں نے تو اس وزارت سے بڑی بڑی چیزوں کے لیے کبھی کسی سے درخواست نہیں کی، علاوہ بریں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ممبر ہوں، جو کشمیر کے نظام حکومت میں اصلاحات چاہتی ہے۔ میرے نزدیک اس کمیٹی کا ممبر ہونے کی حالت میں کوئی ایسی حرکت کرنا دیانت و امانت کے خلاف ہے۔"

— o —

---

* انقلاب: ۳۰ اگست ۱۹۳۱ع۔

علامہ اقبال کا پیغام *

لاہور سے لندن روانہ ہونے سے چند منٹ پیشتر ۸ ستمبر کو علامہ اقبال نے مدیر ''انقلاب'' کی وساطت سے درج ذیل پیغام دیا:

''اس پیغام کے بعد جو مسٹر جناح۱ نے دیا ہے، مسلمانانِ ہند کے لیے کسی مزید پیغام کی ضرورت نہیں۔ مختصراً میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا دستور اساسی جو مسلمانوں کے لیے اجتماعی حیثیت سے موت کا پیغام ہو، ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کی آزادی ہندوستان کی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ ہندوستان کی آب و ہوا میں کوئی سمجھوتہ ہندی اقوام کے درمیان نہیں ہو سکا، حالانکہ کم از کم مسلمانوں نے اپنے بعض ضروری اقتصادی اور اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر کے گذشتہ دس سال میں اس کے لیے کوشش بھی کی ہے، تاہم مجھے خیال ہے کہ انگلستان کی فضا اور برطانوی مدبرین کا جینیس۲ شاید اس گتھی کو سلجھا سکے جس کو

---

* انقلاب: ۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ع۔

۱- ۵ ستمبر ۱۹۳۱ع کو مسٹر جناح نے مسلم سٹوڈنٹس یونین بمبئی کے ''ایٹ ہوم'' کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''نئے دستور میں مسلمانوں کے حقوق کی معقول ضمانت مہیا نہ کی گئی تو نیا دستور ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا.... جمہوری حکومت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کو بے دست و پا کر کے ہندوؤں کے ایک طبقہ کو ان پر مسلط کر دیا جائے کہ وہ جس وقت چاہے اور جو چاہے انہیں دے دے۔ کیا یہی نیابتی حکومت ہے؟ کیا اسی کو جمہوریت کہتے ہیں؟.... حکومت ایسی چیز نہیں ہے جو ہر ایک شخص کو فرداً فرداً دی جا سکے۔ حکومت کرنے کے لیے چند شرائط کی پابندی لازمی ہے اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کی تربیت اس طریق پر کی جائے کہ وہ مل جل کر رہ سکیں اور خواہ کتنے ہی اختلاف اور مشکلات حائل ہوں وہ خود ہی انہیں دور کر لیں۔ یہ پرانی کسوٹی ہے۔ فرض کرو کہ اگر حکومت برطانیہ نے ہندوؤں کو ایسا دستور دے دیا جو ان کی مرضی کے مطابق ہے تو قدرتی طور پر مسلمان اس کے مخالف ہوں گے اور وہ اس دستور اساسی کو تباہ کرنے کے لیے لازمی طور پر اپنی تمام قوت صرف کر دیں گے۔'' (انقلاب: ۸ ستمبر ۱۹۳۱ع۔)

۲- Genius

ہندوستانی مدبرین نہیں سلجھا سکے ۔

''آخر میں میں اپنے ہندو بھائیوں سے اور خصوصاً ہندو اخبار نویسوں سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ ؎

سخن درشت مگو در طریق یاری کوش
کہ صحبت من و تو در جہان خدا ساز است

— o —

دہلی میں سپاسناموں کا جواب *

۹ ستمبر کو علامہ سر محمد اقبال فرنٹیئر میل سے ۷½ بجے صبح دہلی پہنچے ۔ سٹیشن پر کثیر تعداد میں لوگ آئے ہوئے تھے ۔ علامہ صاحب نے ان متعدد سپاسناموں کو قبول فرمایا جو صوبہ مسلم کانفرنس دہلی ، سنٹرل مسلم یوتھ لیگ دہلی ، انجمن رفیق المسلمین ، انجمن اتحاد و ترقی ، انجمن تیموریہ وغیرہ کی طرف سے ان کی خدمت میں پیش کیے گئے ۔ لیکن قلت وقت کے باعث انہوں نے تمام ایڈریسوں کے سننے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ وہ ان کو خود پڑھ لیں گے ۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید احمد امام جامع مسجد دہلی نے صوبہ مسلم کانفرنس کی طرف سے سپاسنامہ پڑھ کر سنایا ، جس پر اراکین کانفرنس کے دستخط تھے ۔

سپاسنامے کے جواب میں علامہ اقبال نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

''حضرت امام صاحب جنھوں نے یہ سپاسنامہ پڑھ کر سنایا ، ان کی نسبت سب سے پہلے میں آپ حضرات کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان کی ذات ایک مقدس ذات ہے اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ حضرت شاہجہان نے ان کے آباؤ اجداد کو بخارا سے شاہی مسجد کی امامت

* انقلاب : ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ ع ۔

کے لیے بلایا تھا . . . .

"جہاں تک سیاسی مسائل کا تعلق ہے میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ میرے ساتھ کوئی پرائیویٹ سکرٹری ہے جو میرے لیے ضروری مواد فراہم کرے، نہ میرے پاس سیاسی لٹریچر کا کوئی پلندہ ہے جس پر میں اپنی بحثوں کی اساس قائم کروں، بلکہ میرے پاس حق و صداقت کی ایک جامع کتاب (قرآن پاک) ہے جس کی روشنی میں میں مسلمانان ہند کے حقوق کی ترجمانی کرنے کی کوشش کروں گا۔

"گذشتہ دس سال سے ہم اپنے اقتصادی و سیاسی فوائد کو پس پشت ڈال کر کانگرس اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کی کوشش کرتے رہے لیکن اس میں ہم کو برابر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لہذا اب اگر لندن میں بھی فرقہ وار اتحاد کی کوئی قابل اطمینان صورت نہ نکلی اور مکمل 'پراونشل اٹانمی' نہ دی گئی اور مرکزی حکومت میں ان کا کافی خیال نہ کیا گیا تو مسلمانان ہند کو اجتماعی زندگی پر انفرادی زندگی کو قربان کرنا پڑے گا (نعرہ اللہ اکبر) اور مجھے یقین ہے کہ اگر بنگال اور پنجاب کی اکثریت اور مسلمانوں کے دیگر مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو جو دستور اساسی بھی ہندوستان کو دیا جائے گا، مسلمانان ہند اس کے پرخچے اڑا دیں گے۔ (نعرہ اللہ اکبر) . . . .

"سن رسیدہ نسل نے نوجوانوں کو اپنی جانشینی کے لیے تیار کرنے کا کام جیسا چاہیے تھا، ہرگز نہیں کیا۔ لہذا میں نوجوانوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں اور اگر ان کو زندہ رہنا ہے تو وہ ان قربانیوں کے لیے تیار رہیں جو ہمیشہ سے زیادہ ان کو آئندہ دینی ہوں گی۔ (نعرہ اللہ اکبر)"

مسلمانان دہلی کو خطاب کرتے ہوئے داغ دہلوی کا ایک مصرع پڑھا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اہل کعبہ بھی اذان دہلی کا

انتظار کرتے ہیں - آپ نے فرمایا : ''مسلمانان دہلی کو ایسی آواز بلند کرنی چاہیے جس کا کم از کم تمام ہندوستان انتظار کرے -''

تیموری ایسوسی ایشن کے سپاسنامے کے جواب میں علامہ صاحب نے فرمایا : ''آپ کے لیے میرے دل میں بے حد درد موجود ہے - لیکن آپ سے میں صرف یہ کہوں گا کہ :

چنگ تیموری شکست وآہنگ تیموری بجا است
سر بروں می آرد از ساز سمرقندی مگر

—o—

علامہ اقبال پورٹ سعید میں*

۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ''ملوجا'' جہاز ، جس میں علامہ اقبال لندن تشریف لے جا رہے تھے ، پورٹ سعید پہنچا - حاجی حکیم صدیق محمد نے ان سے ملاقات کی - ملاقات کے دوران علامہ اقبال نے فرمایا :

''ہندوؤں کو فکر لگی رہتی ہے کہ مسلمان افغانوں ، بلوچوں اور سرحد کے مسلمانوں کی مدد سے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے - لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ اگر مصر آزاد ہو جائے تو مصری اپنا ملک ترکوں کو اس وجہ سے حوالے کر دیں کہ ترک مسلمان ہیں - نیز کانگرس کا عدم تشدد محض انگریزی سنگینوں کے سامنے ہے ورنہ کانپور ، مرزا پور ، سری نگر وغیرہ مقامات کے حالات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تشدد ہے . . .

''مصری لوگوں کو شبہ ہے کہ ہندی مسلمان آزادی کے

* انقلاب : ۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء -

راستے میں کانٹا ہیں - اس میں ذرا صداقت نہیں - اگر مصری اصحاب کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے تو اس لیے کہ ان اصحاب نے ہندوستان کی سیاست کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی - اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مصری اخبارات کے مندوبین ہندوستان آ کر مطالعہ کریں - ہندوستان میں مصری مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ مصری مسلمانوں نے قرآن ، اللہ اور اسلام کو خیر باد کہہ دیا ہے ، حالانکہ یہ شرارت ہے "۔

—o—

علامہ اقبال کا مکتوب*

علامہ سر محمد اقبال نے ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو "ملوجا" جہاز سے اپنے ایک دوست کے نام درج ذیل خط بھیجا :

"بمبئی پہنچتے ہی سردار صلاح الدین سلجوقی قونصل افغانستان مقیم بمبئی نے دعوت دی - ان کے ہاں پر لطف صحبت رہی - سردار موصوف فارسی اور عربی ادبیات پر پورا عبور رکھتے ہیں - عربی کی جدید شاعری سے بھی باخبر ہیں - فارسی میں خاقانی کے بڑے معترف ہیں - علوم دینی میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں - ہرات کے قاضی رہ چکے ہیں - ان کے دولت کدہ پر مرزا طلعت یزدی نے ، جو بمبئی میں دس سال سے مقیم ہیں ، ایرانی لہجے میں اپنے اشعار سنائے جو آپ کی نظر سے گذر چکے ہوں گے - اسی شام عطیہ بیگم صاحبہ کے ہاں سماع کی صحبت رہی ، جہاں اہل ہوس بار نہیں پا سکتے :

بر سماع راست ہر تن چیز نیست
طعمہ ہر مرغکی انجیر نیست

---

* انقلاب : ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء -

''۱۲ ستمبر کو ایک بجے کے قریب بمبئی سے روانہ ہوئے۔ 'ملوجا' جہاز کی وسعت کا حال علی بخش سے سنیئے۔ ۱۶ کی شام کو عدن پہنچے۔ عدن ! یہ اسی سر زمین کا ٹکڑا ہے جس کی نسبت حالی مرحوم فرما گئے ہیں :

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا

''میرا مقصد ساحل پر جانے کا تھا مگر ہمارے شہر کے ایک نوجوان شیخ عبداللہ نامی یہاں وکالت کرتے ہیں۔ وہ جہاز پر آئے اور باصرار اپنے ساتھ لے گئے۔ کشتی پر سوار ہو کر ساحل پر اترے اور وہاں سے موٹر پر سوار ہو کر شیخ صاحب موصوف کے مکان پر پہنچے، وہاں مرغ پلاؤ، کباب، قورمہ سب کچھ حاضر تھا۔ کھانے کے بعد یمن کی سیاہ و تلخ و خوش گوار کافی کا دور چلا۔ آغا فکری ایرانی اور ایک اور ایرانی سوداگر سے ملاقات ہوئی۔ آغا فکری نہایت ہوشیار اور مستعد نوجوان ہیں۔ یمنی کافی کی تجارت کرتے ہیں۔ بے انتہا لسّان ہیں۔ رخصت کے وقت انہوں نے مجھے ایک دانہ عقیق یمنی کا بطور یادگار کے عنایت فرمایا۔ ۲۲ سال ہوئے، جب میں نے عدن دیکھا تھا، اس وقت کچھ نہ تھا۔ اب ایک بارونق شہر ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ حضر موت کے عرب یہاں ساہوکار ہیں۔ پنجابی بھی بہت سے ہیں۔ خاص کر سندھ کے دکاندار۔ مسلمانوں میں سمالی قوم نہایت ہوشیار اور محنتی ہے۔ شیخ عبداللہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض آٹھ آٹھ دس دس زبانیں بلا تکلف بولتے ہیں۔ عدن میں عرب نوجوانوں کا ایک لٹریری کلب بھی ہے۔ مگر چونکہ رات کا وقت تھا، کلب مذکور کے ممبروں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ غرضیکہ رات کے ساڑھے دس بجے شیخ عبداللہ کے مکان سے رخصت ہو کر تقریباً گیارہ بجے اپنے جہاز پر پہنچے۔ جہاز ساڑھے گیارہ بجے رات روانہ ہوا۔

''۲۰ ستمبر کو تقریباً ۳ بجے شب پورٹ سعید مقام ہوا۔ یہ جگہ بھی بے انتہا ترقی کر گئی ہے۔ میں تو سو چکا تھا مگر ایک مصری ڈاکٹر سلیمان نے آ جگایا۔ میں اٹھا اور ان سے ملاقات کی۔ اتنے میں اور مصری نوجوان جو وہاں کے 'شبان المسلمین' کے ممبر تھے ملاقات کو آئے۔ ان نوجوانوں سے مل کر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ ایک مصری کرنل کی لڑکی بھی ملنے کے لیے آئی۔ یہ ہمارے جہاز میں انگلستان جا رہی ہے، تاکہ علم نباتات کے مطالعہ کی تکمیل کرے۔ پہلے چار برس وہاں رہ آئی ہے۔ انگریزی خوب بولتی ہے۔ عام طور پر اہل مصر فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں۔ اس لڑکی کا لہجہ بالکل انگریزی تھا۔ لطفی بے نے، جو قاہرہ کے نہایت مشہور بیرسٹر ہیں، ڈاکٹر سلیمان کی زبانی سلام بھیجا اور واپسی پر قاہرہ آنے کی دعوت دی۔ 'رنپورہ' جہاز پر جس میں میرا سفر پہلے قرار پایا تھا، لطفی بے تشریف لائے تھے۔ مگر افسوس کہ میں حالات کی وجہ سے سفر نہ کر سکا۔

''آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ مصر کے مسلمان عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانان ہند ہندوستان کی آزادی کی راہ میں روڑا اٹکا رہے ہیں۔ یہ پراپیگنڈا دیگر ممالک میں بھی کیا گیا ہے۔ پورٹ سعید پر قریباً ہر مسلمان نوجوان نے مجھ سے یہ سوال کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی آنکھوں سے رفتہ رفتہ حجاب اٹھ رہا ہے۔ میں نے ان کو ایک طویل لکچر دیا اور بتایا کہ ہندوستان کا 'پولیٹیکل پرابلم' کس طرح مسلمانان ہند پر مؤثر ہوتا ہے۔ میری گفتگو سننے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ تقریر کے بعض حصے انھوں نے نوٹ بھی کر لیے تھے۔

''جالندھر کے ایک جوان [حکیم صدیق محمد] نے بہ حیثیت نمائندہ 'رائٹر' ملاقات کی۔ یہ یہاں کی 'راول سوسائٹی' کے سکرٹری ہیں۔ شادی بھی مصر ہی میں کر لی ہے، عربی خوب بولتے ہیں اور بہت ہوشیار اور

مستعد معلوم ہوتے ہیں ۔ جہاز تقریباً ساڑھے چھ بجے صبح روانہ ہوا اور مصری جوان صبح تک میرے کیبن میں بیٹھے رہے۔ واپسی پر انھوں نے ساحل سے مصری سگرٹوں کے دو ڈبے ہدیۃً ارسال کیے ۔

''بمبئی سے لے کر اس وقت تک جہاز 'ملوجا' بحر روم کی موجوں کو چیرتا ہوا چل رہا ہے ۔ سمندر بالکل خاموش ہے ۔ طوفان کا نام و نشان تک نہیں ہے ۔ موسم بھی نہایت خوشگوار رہا ۔ البتہ بحر احمر میں گرمی تھی ۔ یہ سمندر عصائے کلیم کا ضرب خوردہ ہے ۔ گرم مزاج کیوں نہ ہو ۔ چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے ۔ سمندر ہی سمندر ہے گویا قدرت الٰہی نے آسمان کے نیلگوں خیمے کو الٹ کر زمین پر بچھا دیا ہے ۔

''سفر کی مختصر روئداد تو میں نے لکھ دی ہے ۔ سویز کنال کے متعلق لکھنا بھول گیا ۔ شاید ۱۹ ستمبر کو ہم سویز کنال میں داخل ہوئے ۔ فراعنۂ مصر ، قدیم ایرانیوں ، مسلمانوں اور اہل فرنگ نے اپنے اپنے عروج و قوت کے زمانے میں اس نہر کے مٹے ہوئے نقوش کو ابھار کر اس سے فائدہ اٹھایا ۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس حیرت انگیز کنال کی اہمیت یعنی تجارتی اہمیت کا خاتمہ قریب ہے ۔ سیاسی اعتبار سے صلح و جنگ کے زمانے میں ہر قوم کے جہاز اس میں سے گزر سکتے ہیں ۔ سویز کنال کے بیشتر حصص انگریزی تصرف میں ہیں اور یہ غالباً اسماعیل پاشا خدیو مصر کی عیش پرستی کا نتیجہ ہے ۔ کیونکہ اس نے اپنے تمام حصص انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیئے تھے ۔ تقریباً ڈھائی کروڑ پونڈ کی لاگت سے ایشیا اور یورپ کے سمندروں کو ملانے والی یہ آبی سڑک تیار ہوئی تھی ۔ لیکن اب جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے شاید اس کی وہ اہمیت نہ رہے جو اسے پہلے حاصل تھی ۔ پرواز کی وسعت و ترقی اور وسط ایشیا اور وسط یورپ میں ریلوے کی تعمیر سے دنیا کے دو بڑے حصوں میں جدید تجارتی رستوں کا کھل جانا ، ایک نئی مگر خشک سویز کنال

کو معرض وجود میں لانے والا ہے جس سے تجارتی اور غالباً سیاسی دنیا میں بھی ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگا۔ اگر آئندہ بیس پچیس سال میں ایسا ہو گیا تو طاقت‌ور کمزور اور کمزور طاقت‌ور ہو جائیں گے۔

''جہاز کی روزمرہ کی زندگی کی داستان نہایت مختصر ہے۔ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق آفتاب نکلنے سے پہلے ہی تلاوت سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد دیگر حوائج سے فراغت پاتے پاتے 'بریک فاسٹ' کا وقت آ جاتا ہے۔ 'بریک فاسٹ' کے بعد عرشہ جہاز پر ہمسفروں سے گفتگو یا گول میز کانفرنس پر جس کی خبریں لاسلکی کے ذریعے سے ہر روز جہاز پر پہنچ جاتی ہیں، بحث و مباحثہ یا گذشتہ سال کی رپورٹوں کا مطالعہ۔ ہاں کبھی کبھی شعر و شاعری بھی ہو جاتی ہے۔ سید علی امام کو عربی، فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں۔ 'الولد سر لابیہ'۔ ان کے والد ماجد مولانا نواب امداد امام ادبیات اردو میں ایک خاص پایہ رکھتے تھے۔ جہاز پر میں نے گوشت کھانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ وطن میں بھی بہت کم کھاتا تھا مگر یہاں تو صرف سبزی، ترکاری، مچھلی اور انڈے پر گذران ہے۔ ایک تو گوشت کی طرف رغبت بہت کم ہے۔ دوسرے ذبیحہ بھی مشتبہ ہے۔ البتہ غیر مشتبہ ذبیحہ بھی کبھی کبھی مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ سر علی امام کی بیگم صاحبہ کہ نیک نفسی اور شرافت کا مجسمہ ہیں، اپنے شوہر کے ہمراہ ہیں۔ ذبیحہ کے متعلق خاص طور پر محتاط ہیں۔ اپنا باورچی ساتھ لائی ہیں۔ ان کی عنایت سے غیر مشتبہ ذبیحہ اور مغلی کھانا قریباً قریباً ہر روز ہماری میز تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں میرا حصہ بالعموم سبزی اور چاول تک محدود رہتا ہے۔

''آپ کہیں گے کہ میں سب کچھ لکھ گیا مگر ہمسفروں کے متعلق اب تک خاموش ہوں۔ ہمارے جہاز میں کچھ زیادہ مسافر

نہیں۔ گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلمان نمائندے شاید سات آٹھ ہیں۔ راجہ نرندر ناتھ صاحب بھی اسی جہاز میں ہیں۔ چار مسلمان نمائندے ہیں اور چاروں 'مغرب زدہ'۔ 'مغرب زدہ مسلمان' کی اصطلاح جو شاید 'معارف' نے وضع کی تھی، نہایت پرلطف ہے۔ لیکن مسلمانوں کے اس مغرب زدہ قافلہ کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں دو حافظ قرآن ہیں، یعنی نواب صاحب چھتاری اور خان بہادر حافظ ہدایت حسین۔ مقدم الذکر ہر روز ورد کرتے ہیں اور سنا ہے کہ ہر سال تراویح بھی پڑھاتے ہیں۔

''سید علی امام صاحب کی مغرب زدگی کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میل و فرنگ کا حساب کر کے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال اس وقت ہمارا جہاز ساحل مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھ نمناک ہوگئی اور بے اختیار ہو کر بولے:

'بلّغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحترم'

''ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ باقی رہا میں، مغرب زدہ بھی ہوں اور مشرق زدہ بھی۔ البتہ مشرق ضرب میرے لیے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔ باقی ہمسفروں میں مسٹر جسٹس سہروردی، شیخ مشیر حسین قدوائی اور اودھ کے دو نوجوان تعلقدار ہیں۔ قدوائی صاحب نہایت پرجوش 'پین اسلامسٹ' ہیں۔ تبلیغی فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتے۔ اور اودھ کے دو تعلقداروں میں ایک عربی خوب بولتے ہیں۔ دوسرے سمجھ لیتے ہیں مگر بول نہیں سکتے۔ ان دونوں نوجوانوں کے والد مدتوں کربلائے معلیٰ میں مقیم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ہے اس مغرب زدہ قافلے کی مختصر کیفیت۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے

خیریت ہے ۔ یہ خط اوسائی سے ڈاک میں ڈالا جائے گا ۔ علی بخش کو میرا سلام ضرور کہیے ''۔
(محمد اقبال)

—o—

مؤتمر عالم اسلامی میں تقریرہ*

۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کو یروشلم سے ہندوستان کو مراجعت سے پیشتر علامہ سر محمد اقبال نے مؤتمر اسلامی میں اپنی الوداعی تقریر کے دوران فرمایا :

''میرا ایمان ہے کہ اسلام کا مستقبل اہل عرب کی ذات سے وابستہ ہے اور ان کا مستقبل ان کے باہمی اتحاد پر موقوف ہے ۔ ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ عظیم الشان طاقت بن جائیں . . . اسلام کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اس الحاد اور مادیت کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کر سکتی جو یورپ سے نشر و اشاعت حاصل کر رہا ہے . . . . مجھے اسلام کے خارجی دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں ۔ میرے خیال میں اگر کوئی خطرہ ہے تو اندرونی دشمنوں سے ہے ۔''

—o—

مؤتمر عالم اسلامی پر تاثرات**

ڈاکٹر سر محمد اقبال لندن کی گول میز کانفرنس میں مسلمانان ہند کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دینے کے بعد یروشلم کی مؤتمر عالم اسلام میں ہند کے مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے شامل ہوئے ۔

---

*انقلاب : ۱۸ دسمبر ۱۹۳۱ء ۔

**ایضاً : ۳ جنوری ۱۹۳۲ء ۔

یکم جنوری ۱۹۳۲ ع کو ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کے نمائندے سے ملاقات[1] کے دوران آپ نے فرمایا :

''سفر فلسطین میری زندگی کا نہایت دلچسپ واقعہ ثابت ہوا ہے ۔ فلسطین کے زمانہ قیام میں متعدد اسلامی ممالک مثلاً مراکش ، مصر ، یمن ، شام ، عراق ، فرانس اور جاوا کے نمائندوں سے ملاقات ہوئی ۔ شام کے نوجوان عربوں سے مل کر میں خاص طور پر متاثر ہوا ۔ ان نوجوانان اسلام میں اس قسم کے خلوص و دیانت کی جھلک پائی جاتی تھی جیسی میں نے اطالیہ کے فاشسٹ نوجوانوں کے علاوہ کسی میں نہیں دیکھی ۔

''میں نے اسلام ، عیسائیت اور صیہونیت کے بعض مشترکہ مقامات مقدسہ کی زیارت کی خصوصاً حضرت عیسیٰؑ کے مقام ولادت سے میں بہت متاثر ہوا . . . . مجھے معلوم ہوا کہ مؤتمر میں مندوبین اس سکیم (صیہونیوں کی سکیم) کی شدید مخالفت کر رہے تھے ۔ مجھے یقین ہے کہ فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کی سکیم بالآخر ناکام رہے گی ، کیونکہ یہودی ہر گز عمدہ کسان نہیں بن سکتا ۔

''ایک ضیافت کی تقریب میں ہائی کمشنر سے ملاقات ہوئی ۔ وہ بے حد نیک دل واقع ہوئے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بڑے مشتاق ہیں ۔ دوران گفتگو میں نے فلاحین فلسطین کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لیے چند تجاویز پیش کیں . . . .

''مقامی جماعتی اختلافات کے باوجود مؤتمر شاندار طریق پر

۱۔ اس بیان کا کچھ حصہ *Speeches and Statements of Iqbal*, comp. by "Shamloo" صفحہ ۱۷۰ - ۱۷۱ میں چھپ چکا ہے ۔

کامیاب رہی - اس عظیم الشان اجتماع میں اکثر اسلامی ممالک کے نمائندے شریک ہوئے اور اسلامی اخوت اور ممالک اسلامیہ کی آزادی کے مسائل پر مندوبین نے بے حد جوش و خروش کا اظہار کیا . . . . عرب پیدائشی مقرر ہیں - غالباً یہ ان کی زبان کی خصوصیت ہے کہ وہ ایسے واقع ہوئے ہیں - میں بہت سی سب کمیٹیوں کا رکن تھا جو بعض تجاویز پر بحث کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھیں - لیکن بد قسمتی سے میں ان سب میں شرکت نہ کر سکا - ایک سب کمیٹی میں میں نے یروشلم میں قدیم جامع ازہر کی طرز پر ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی مخالفت کی ، اور اس بات پر زور دیا کہ مجوزہ یونیورسٹی بالکل جدید طرز پر قائم کی جائے - میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ غلط فہمی کیوں کر پیدا ہو گئی کہ میں یروشلم میں کسی قسم کی یونیورسٹی کے قیام کا حامی نہیں ہوں - 'رائٹر' نے ایک تار بھیج دیا تھا جس کا مفہوم یہی تھا - حقیقت یہ ہے کہ میری یہ پر زور خواہش ہے کہ عربی زبان بولنے والے لوگ صرف ایک نہیں بلکہ کئی یونیورسٹیاں قائم کرکے علوم جدیدہ کو زبان عربی میں تبدیل کر لیں -''

نمائندہ مذکور نے گول میز کانفرنس سے جلدی چلے آنے کے متعلق سوال کیا تو علامہ موصوف نے فرمایا : ''میں نے کانفرنس سے استعفیٰ نہیں دیا بلکہ صرف مسلم وفد سے علحدگی اختیار کی تھی اور میں نے یہ بات آل انڈیا مسلم کانفرنس کے فیصلے کے ماتحت کی تھی -''

برطانوی مدبرین کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے سر سیمول ہور ، وزیر ہند ، کو خاص طور پر خراج تحسین ادا کیا - آپ نے فرمایا : ''ہندوستانی سیاسی مسائل پر ان کو کامل عبور حاصل ہے اور تمام برطانوی مدبرین سے زیادہ ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھتے ہیں -''

ہندوستان میں فرقہ وارانہ تصفیہ ہو جانے کے امکان کے متعلق

آپ نے فرمایا: ''اگر اس مسئلہ پر لارڈ ہیلشیم کے ارشادات کو ذہن میں رکھ کر کام کیا جائے تو کم از کم پنجاب میں فرقہ وار تصفیہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں جن مسائل کو طے کیا جا چکا ہے ان پر دوبارہ بحث نہ کی جائے۔ مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب، صوبہ سرحد اور سندھ کے مسائل پر عملی طور پر بحث و تمحیص ختم ہو چکی ہے۔ دار العوام میں وزیر اعظم اور سر سیموئل ہور نے ان کے متعلق واضح بیان دے دیا ہے۔ اب جس مسئلہ کا تصفیہ باقی ہے وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کا مسئلہ ہے۔ اب اس مسئلے کو حل کرنا چاہیے۔''

— o —

آل انڈیا مسلم کانفرنس*

آل انڈیا مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو بیرون دہلی دروازہ لاہور سے شروع ہوا جس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنا معرکۃ الآرا خطبہ صدارت دیا۔ ۲۲ تاریخ کو کانفرنس کے اختتام والے دن علامہ اقبال نے ایک مختصر تقریر کی جس میں حاضرین جلسہ اور باہر سے آئے ہوئے اصحاب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:

''یہ شور و شغب جو گذشتہ شب یا اب ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اپنے جائز حقوق کو منوانے کے لیے جد و جہد کرنا سیکھ چکے ہیں۔ ان کے دل میں جائز مطالبات کو منوانے کے لیے ایک تڑپ ہے اور میں اس جوش کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اگر کسی مسئلہ پر مسلمانوں میں سر پھٹول بھی ہو تو میں برداشت کر لوں گا کیونکہ یہ زندگی اور احساس کی دلیل ہے۔ مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ مجلس احرار کا اس

* انقلاب: ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء۔

شور و شغب میں کوئی دخل نہیں۔ اگر یہ غلط فہمی کسی کے دل میں پیدا ہو گئی ہے کہ اس میں مجلس احرار کا ہاتھ ہے، تو یہ غلط ہے۔ مجلس احرار کے رضاکار ہمارے پنڈال کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لیکن میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے جو مطالبات ہیں آپ انہیں صفائی کے ساتھ پیش کریں، شور و شغب کی کوئی ضرورت نہیں۔"

—o—

بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت*

علامہ سر محمد اقبال نے پنجاب کے چار دوسرے مسلم راہنماؤں (خان بہادر رحیم بخش، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، سید محسن شاہ اور مولوی غلام محی الدین) کے ساتھ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے حقوق اکثریت کے متعلق مندرجہ ذیل بیان دیا:

"ہم گزشتہ کئی ہفتوں سے نہایت غور کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی قطعی اکثریت کے اہم اور جائز مطالبہ کے خلاف ایک نہایت ہی زہریلا پروپیگنڈا جاری ہے۔ ہم متعجب ہیں کہ ایک بوسیدہ استدلال کو تازہ ہمت اور جرأت کے ساتھ بار بار دہرایا جا رہا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ مرکزی مجلس وضع آئین اور دیگر صوبجات میں فرقہ وار اکثریت قائم رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ان دو صوبجات میں فرقہ وار اکثریت کا وجود ناقابل برداشت ہے جہاں مسلمانوں کو بہ اعتبار آبادی اکثریت حاصل ہے۔ اس خلاف عقل و ہوش نقطۂ نظر کے حامیوں نے اس لفظی شعبدہ گری کو بھی ترک کر دیا جو وہ کسی زمانہ میں قانونی اور غیر قانونی اکثریت کے فرق و امتیاز کی صورت میں کیا کرتے تھے۔

---

* انقلاب: ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء۔

یہ امتیاز بھی عملاً بے سود اور نتیجۃً بے معنی تھا۔ اس لیے کہ مرکز کے علاوہ باقی چھ صوبجات میں بھی ہندوؤں کی اکثریت محض غیر قانونی ہونے کے باوجود مؤثر، محفوظ اور مستقل تھی۔

''غالباً اس لفظی فریب کاری کے ضعف استدلال سے متأثر ہو کر گول میز کانفرنس کے بعض ہندو اور سکھ مندوبین نے اقلیتوں کے مباحث کے وقت یہ چیز اچھی طرح واضح کر دی کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے مطالبہ اکثریت کے سلسلہ میں ان کا اعتراض اکثریت کی قانونی نوعیت پر نہ تھا بلکہ انہیں نفس اکثریت پر ہی اعتراض تھا، خواہ کسی صورت میں بھی کیوں نہ ہو۔ مسلم مطالبات کی مخالفت کی یہ نوعیت پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے سیاسی اجتماعات کی تقریروں سے اور بھی واضح ہو چکی ہے۔

''ہم اس امر کا فیصلہ دنیا پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جس حالت میں ہندو اور سکھ مسلمانوں سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ چھ صوبجات اور مرکز میں اپنے آپ کو عظیم ہندو اکثریت کے حوالے کر دیں۔ وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی شدید مخالفت کر کے ہندوستان بھر کی ہندو اکثریت کی نیک نیتی کا نقش کس حد تک بٹھا سکیں گے اور مسلمانوں کے قلوب میں ان کی طرف سے کس حد تک اعتماد پیدا ہو گا۔

''بہر حال ہم یہ پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ بحالات موجودہ مسلمانوں کے لیے یہ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسے دستور کو تسلیم کر لیں جو مرکز اور دیگر صوبجات میں انہیں ایک مؤثر اور مستقل ہندو اکثریت کے ماتحت رکھ کر پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریت کو ضروری تحفظات سے محروم کر دے۔ مسلم مطالبات کی مخالفت میں سکھوں کی روش نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ وہ پنجاب کی آبادی میں صرف تیرہ فیصد ہیں۔ لیکن ان کا مطالبہ یہ ہے

یا انہیں اس مطالبہ پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ پنجاب کو سکھوں اور ہندوؤں کی مشترکہ اکثریت پر چھوڑ دیا جائے۔

''ان کی دلچسپ تجویز یہ معلوم ہوتی ہے کہ تیرہ فی صد کی اقلیت اور ستاون فی صد کی اکثریت کے تفاوت کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور ملک بھر کے فرقہ وار مسائل کی اہمیت سے بے نیاز ہو کر مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو پنجاب کونسل میں یکساں نیابت دی جائے۔ یا بالفاظ دیگر ستاون فی صد کی اکثریت کو چالیس فی صد کی اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے اور سکھوں اور ہندوؤں کی انتالیس فی صد کی مشترکہ اقلیت کو پچپن فی صد کی اکثریت کے برابر کر دیا جائے اور یہ وہ استدلال ہے جسے منطق اور عقل و خرد سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس استدلال کی حمایت میں ہر طرح کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں - بہرکیف ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اور بالخصوص پنجابیوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ صبر و استقلال سے کام لیں اور اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

''آل انڈیا مسلم کانفرنس نے واقعات کی رو کے بغور مطالعہ کے بعد بحالات موجودہ صبر و استقلال کی تلقین کی۔ باوجود اس کے کہ کانگرس کی ایک خاص خبر رساں ایجنسی کانگرس کے مجوزہ اجلاس سے پیشتر نہایت سرگرمی سے یہ پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ سر سیمول ہور اور وزارت برطانیہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں کے مطالبات کو منظور نہیں کیا جائے گا - ہم توقع رکھتے ہیں کہ مسلمان نہایت امن و سکون کے ساتھ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے مجوزہ پروگرام کے مطابق اپنے آپ کو منظم کریں گے اور یہ جماعت حسب ضرورت مسلمانوں کے لیے کوئی سیاسی پروگرام تجویز کرے گی۔

''ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ ضروری

خیال کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کو بھی اس امر کی طرف توجہ دلا دیں کہ مسلمانان ہند میں بالعموم اور پنجاب کے مسلمانوں میں بالخصوص ایک بدگمانی اور تشویش موجود ہے ۔ مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ اس واقع سے ہو سکتا ہے کہ اگرچہ آل انڈیا مسلم کانفرنس نے پچھلے مہینے یہ متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ گول میز کانفرنس کی کمیٹیوں کے ساتھ عدم تعاون کے مسئلہ کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے پھر بھی پنجاب کے مسلمانوں نے انڈین فرنچائز کمیٹی کے روبرو من حیث القوم کوئی شہادت نہیں دی ۔''

''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کے نمائندے نے مندرجہ بالا اعلان کے متعلق علامہ اقبال سے ملاقات کی تو آپ نے اس معاندانہ تنقید کا حوالہ دیا جو بعض اوقات مسلمانوں کے خلاف اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ پنجاب اور بنگال میں اپنی اکثریت کا تحفظ چاہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا : ''اس مسئلہ پر آل انڈیا نقطہ نظر سے غور کرنا چاہیے ۔ آٹھ صوبوں میں سے دو میں مسلمانوں کی اکثریت کو یقینی بنا دینے سے مسلمانوں کو آل انڈیا اقلیت کی حیثیت میں اپنی مستقل شخصیت کے اظہار کا موقع ملے گا ۔''

—o—

اسلامی تاریخ کو نصاب سے خارج کرنے کے متعلق ارشادات *

پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کا مضمون ۱۹۲۳ع میں شروع ہوا ۔ لیکن یونیورسٹی میں ہندو عنصر غالب ہونے کی وجہ سے اس مضمون کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی ۔ ۱۹۳۲ع میں جب

---

* انقلاب : ۱۲ جون ۱۹۳۲ ۔

پروفیسر جے - ایف - بروس تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے یونیورسٹی میں آئے تو انھوں نے ہندوؤں کے زیر اثر سینٹ میں یہ تجویز پیش کی کہ اسلامی تاریخ کو بی - اے - پاس کورس سے خارج کر دیا جائے - یہ تجویز ایک رائے کی اکثریت سے منظور ہو گئی - مسلمانان پنجاب نے متعدد جلسے کرکے اس فیصلے کی سخت مذمت کی - اسی سلسلہ میں ۱۱ جون ۱۹۳۲ء کو ایک جلسہ باغ بیرون موچی دروازہ زیر اہتمام مسلم انسٹیٹیوٹ منعقد ہوا جس کی صدارت علامہ سر محمد اقبال نے کی - خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا:

''زمانہ قدیم میں بچوں کو ایک دعا پڑھائی جاتی تھی - شاید اب بھی وہ رواج قائم ہو - مجھے وہ دعا اب تک یاد ہے: 'اے اللہ! میرے دل سے غفلت کے پردے کو اٹھا لے'- میرا آج تک یہی خیال تھا کہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں پر غفلت کے گھرے پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ تمدن و تاریخ اسلام سے ایسے ہی ناواقف ہیں جیسے کوئی غیر مسلم - چند ماہ ہوئے مجھے مصر اور فلسطین جانے کا اتفاق ہوا تھا - وہاں کے واقعات سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ غفلت کے پردے اٹھ چکے ہیں - مصر میں قومیت کا جذبہ اور جوش عمل موجود ہے - وہاں ایک ادارہ قائم تھا جو ملکی تمدن و روایات کا محافظ تھا -

''فلسطین کی مؤتمر اسلامی میں میں نے دیکھا کہ وہاں کے نوجوان مقررین کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور وہ کوٹ پتلون میں ملبوس نظر آ رہے تھے - انھیں علم و فضل اور جوش عمل کے اعتبار سے علماء کرام پر فوقیت حاصل تھی - مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں تاریخ اسلامی کی تاریخ کا کوئی خاص انتظام نہیں - لہذا میں 'ریسرچ انسٹیٹیوٹ' سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ تاریخ اسلامی سے ناواقف اور روایات قومی سے نابلد طبقے کی رہنمائی کے لیے اسلامی تاریخ کے لکچروں کا خاص بندوبست کرے - وہ لکچر خواہ آسان اردو میں ہوں یا پنجابی میں، مقصد صرف یہ ہے کہ عوام کو اسلامی تاریخ سے آگہی حاصل ہوجائے - اگر لاہور میں یہ انتظام ہو گیا تو میں امید کرتا ہوں کہ پنجاب کے دوسرے شہر بھی لاہور کی تقلید

کریں گے۔

''اب میں نفس مضمون پر متوجہ ہوتا ہوں۔ ۱۹۲۳ع سے قبل اسلامی تاریخ نصاب میں شامل نہ تھی۔ غالباً ۱۹۲۳ع میں اسے بی۔ اے۔ کے پاس نصاب میں شامل کیا گیا تھا۔ پاس اور آنرز دو جداگانہ کورس ہیں۔ مسٹر بروس کی تجویز ہے کہ اسے پاس کورس سے خارج کیا جائے اور آنرز اور ایم۔ اے۔ میں اسلامی تاریخ بدستور قائم رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنرز اور ایم۔ اے۔ میں اس مضمون کو بہت کم طلبہ لیتے ہیں۔ پاس کورس میں طلبہ کی زیادہ تعداد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کورس سے اسلامی تاریخ کو خارج کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ عقل انسانی جب شرارت پر آتر آئے تو اپنی اندرونی جذبات اور محرکات سے کام لے کر اپنے مقصد کی تکمیل پر متوجہ ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس نوع کے جذبات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے لہٰذا دلائل کا جواب دلائل سے دینا چاہیے۔

''مسٹر بروس کی رپورٹ جو شائع ہوئی تھی، میری تحقیقات کے بموجب اس میں چند غلطیاں رہ گئی ہیں۔ انھوں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ نصاب کے لیے عمدہ کتابیں نایاب ہیں یا قابل پروفیسر نہیں ملتے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے تو یہ خود ان کی جہالت کی دلیل ہوتی۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو ہندوستان کی تاریخ پڑھنی چاہیے۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے کہ کسی قوم کی تاریخ کو اس قوم کی تاریخ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ اجتماعی حیثیت سے انسانی روح کی ایک حرکت ہے۔ روح انسانی کا کوئی ماحول نہیں بلکہ تمام عالم اس کا ماحول ہے۔ اگر اسے کسی قوم کی ملکیت سمجھا جائے تو یہ تنگ نظری کا ثبوت ہے۔

''جب میں اٹلی گیا تو مجھے ایک شخص پرنس کیتانی ملا۔ وہ

اسلامی تاریخ کا بہت دلدادہ ہے۔ اس نے تاریخ پر اتنی کتابیں لکھی ہیں اور اس قدر روپیہ صرف کیا ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت اس کے ترجمے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے لاکھوں روپیہ صرف کرکے تاریخی مواد جمع کیا ہے۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اسلامی تاریخ سے دلچسپی کیوں ہے تو انھوں نے کہا کہ اسلامی تاریخ عورتوں کو مرد بنا دیتی ہے۔

''اسلامی ممالک کی مجموعی آبادی ہندوستان کے مسلمانوں کے قریباً مساوی ہوگی۔ پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ ہم اس شعبہ کی تدوین و تحقیق اور ترتیب و تنظیم پر متوجہ ہوں۔ انجمن حمایت اسلام کو چاہیے کہ ایسے ادارے کا افتتاح کرے جہاں تاریخ اسلامی کی تعلیم کا بہترین بندوبست ہو۔ لیکن انجمن تنہا اس کام کو انجام نہ دے سکے گی بلکہ آپ لوگوں کی امداد کی ضرورت ہے۔ کچھ عرصے سے انجمن مسلمانوں کے مفاد سے غافل اور ان کے جذبات سے نا آشنا ہے۔ اور بعض غرض مند ہاتھوں میں ایک کھلونا بنی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آزاد طبع اصحاب کو خدمت کا موقع دیا جائے تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔''

اس کے بعد صدر نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہو گئی :—

''مسلمانان لاہور کا یہ جلسہ ہندوستان کی تمام جدید و قدیم اسلامی درسگاہوں مثلاً مدرسہ عالیہ دیو بند اور سہارنپور و لکھنؤ وغیرہ کو تاریخ اسلامی کی تعلیم و ترویج کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مروجہ نصاب میں ترمیم کی جائے اور تاریخ اسلامی کو مسلمانوں کی تعلیم کا جزو لاینفک قرار دیا جائے۔''

—o—

گاندھی جی اور وزیر اعظم کی خط و کتابت پر تبصرہ *

گاندھی جی اور وزیر اعظم کے درمیان خط و کتابت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سر محمد اقبال نے اپنے ایک بیان مؤرخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۲ء میں فرمایا:

''مہاتما گاندھی نے جو خطوط وزیر ہند اور برطانوی وزیر اعظم کے نام تحریر کیے ہیں، وہ میری نظر سے گزرے ہیں۔ یہ خطوط شخصی نفسیات کے دلچسپ مظہر ہیں، اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے مجھے ایسی تحریروں سے بہت کم سابقہ پڑا ہے۔ لیکن یہ غیر ضروری ہے کہ مصرحہ خیالات، احساسات اور پیش نظر مقاصد پر کسی قسم کا تبصرہ کیا جائے۔ آپ کے خطوط میں مجھے جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کے نزدیک ہندو مذہب کی صداقت اخلاق اور مذہبی مسائل پر مشتمل ہے۔ ذاتی طور پر میں ان خیالات کا بے حد مداح ہوں، لیکن باوجود اس امر کے ہندو اخبارات نے میرے متعلق بد گمانیاں پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن میرا ہمیشہ یہی خیال رہا ہے کہ سیاسی مسائل، بالخصوص ہندوستان میں، مذہبی اور اخلاقی معاملات کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

''میرے لیے یہ چیز کوئی تعجب انگیز نہیں کہ ہندوستان کی قومیت متحدہ کے تخیل کے علم بردار اور ہندوستانی اقلیتوں میں فرقہ وارانہ بیداری (جو سیاسی طاقت کے انتقال کا لازمی نتیجہ ہے۔) کے اشد ترین مخالف نے نہایت دلیری سے بالخصوص ہندو قومیت کے تحفظ کے مسئلے کی حمایت کو نہایت ضروری خیال کیا۔ یہ صورت حالات مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے کہ وہ مہاتما جو ملک کی تمام اکثریتوں کو قومیت متحدہ ہند میں جذب ہو جانے کی

---

* انقلاب: ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء۔

تلقین کیا کرتا تھا ، آج اسے ایک ایسے فرقہ وار اعلان میں ہندو قوم کا انتشار نظر آ رہا ہے جس کے ذریعے سے مجالس وضع آئین میں ان لوگوں کو محدود نمائندگی حاصل ہونے کا امکان ہے جو خود مہاتما گاندھی کے نزدیک صدیوں تک ہندوؤں کی اونچی جاتیوں کے تختہ مشق بنے رہے ہیں ۔ اگر اچھوتوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے یہ معنی ہیں کہ ہندو قوم کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے تو مخلوط انتخاب کا یہ مطلب ہوگا کہ جو اقلیتیں اسے اختیار کریں گی وہ صفحہ ہستی سے نابود ہو جائیں گی ۔ میرے خیال میں مہاتما گاندھی کی روش سے یہ صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ جس اقلیت کو اپنے جداگانہ وجود کے برقرار رکھنے کی ضرورت ہوگی اسے جداگانہ انتخاب سے دست بردار نہیں ہونا چاہیے ۔

''جہاں تک گاندھی جی کی خودکشی کی دھمکی کا تعلق ہے مذہب اسلام نے خودکشی کو خواہ وہ کسی حالت میں بھی ہو ، نامردی کا ثبوت قرار دیا ہے ۔ معاذاللہ اگر اسلامیان ہند بھی ذات پات کی تمیز کے پابند ہوتے ، اور ان میں بھی اچھوت طبقے کا ایک جم غفیر موجود ہوتا ، اور وہ بھی ہندو جاتی کی اونچی ذاتوں کی طرح ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو اونچے گھرانے کے ہندو نیچ ذاتوں کے ساتھ سالہا سال تک کرتے چلے آئے ہیں ، اور اگر مجھے بھی وہی طرز عمل اختیار کرنا پڑتا جو گاندھی جی نے اختیار کیا ہے ، تو میں حکومت برطانیہ کو دھمکی دینے کے بجائے اپنی قوم کو دھمکی دیتا اور بجائے اس کے کہ اچھوتوں کو حاصل شدہ تحفظ سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ، میں اپنی قوم کو اس بات پر مجبور کرتا کہ وہ ایک خاص مدت کے اندر اچھوت اقوام کے ساتھ مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے کامل مساوات کے ساتھ پیش آئے ۔ اگر ہندو جاتی کو واقعی اچھوت اقوام کی بہتری مقصود ہے تو وہ یقیناً گاندھی جی کے حلف کو اسی روشنی میں ملے گی ۔

''جہاں تک کابینہ برطانیہ کا تعلق ہے مجھے اس بات کی مسرت ہے کہ وزیر اعظم کے خط نے فرقہ وار اعلان کے متعلق بالکل وضاحت کر دی ہے ورنہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اقلیتیں کہیں یہ نہ سمجھنے لگ جائیں کہ گاندھی جی کا اصل مقصد فرقہ وار اعلان کی مخالفت بحیثیت مجموعی ہے اور حکومت برطانیہ کو اس کی بات تسلیم کر لینی چاہیے اور اس کی دھمکی کے باعث تمام اعلان میں ترمیم کر دینی چاہیے۔''

—o—

پونا کا سمجھوتہ*

سمجھوتہ پونا کے متعلق ایک بیان میں علامہ سر محمد اقبال نے فرمایا :

''تفصیلات کی عدم موجودگی میں میں کسی رائے کے اظہار سے قاصر ہوں۔ بہر حال جس سمجھوتے کی اطلاع شائع ہو چکی ہے اس کی روح سے نہ اچھوتوں کی جداگانہ نیابت میں فرق آیا ہے اور نہ انہیں ہندو دھرم سے کوئی قرب حاصل ہوا ہے۔

''اگر گاندھی جی نے اپنی روحانیت کو سیاست کے ساتھ مخلوط کرنے سے اچھوتوں اور ہندوؤں کے درمیان حقیقی اتحاد پیدا کر دیا تو مجھے اس اطلاع سے بے انتہا مسرت حاصل ہوگی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ موجودہ اطلاعات اس حقیقت کی مظہر ہیں کہ گاندھی جی نے موجودہ اختلافات کے تعین یا ان کے ازالہ کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ تاہم مجھے اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اچھوت خود اپنے مفاد

---

* انقلاب : ۲۸ ستمبر ۱۹۳۲ء۔

کی حفاظت کا مناسب بندوبست کر لیں گے۔

"۔۔۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اطلاعات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ گاندھی جی نے کوئی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ میری ایک سرسری رائے ہے، کیونکہ اصل مسائل کے متعلق اچھوت اور ہندو خود فیصلہ کر لیں گے۔"

—o—

مسلمان جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہیں*

اکتوبر ۱۹۳۲ء کے شروع میں بمبئی میں ہندو رہنماؤں، نیشنلسٹ مسلمانوں اور خلافتی رہنماؤں کے درمیان ہندو مسلم مفاہمت پر گفت و شنید ہوئی۔ ۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو علامہ سر محمد اقبال نے مولانا شفیع داؤدی، ڈاکٹر شفاعت احمد خان، سر ذوالفقار علی، ڈاکٹر ضیاالدین احمد، سر محمد یعقوب، سید عبدالحفیظ، مسٹر ایس۔ ایم۔ پاشا، مسٹر محمد معظم، غلام بھیک نیرنگ اور خلیفہ شجاع الدین کی معیت میں اس مسئلے کے متعلق شملہ سے درج ذیل بیان دیا:

"ہم نے اخبارات میں اس گفت و شنید کی جو فرقہ وار فیصلہ میں تبدیلی کے لیے بعض مسلمانوں نے شروع کی ہے مختلف تفصیلات پڑھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گفت و شنید صرف طریق انتخاب تک محدود ہے اور کسی شخص نے بعض دوسرے مسائل پر بحث و تمحیص نہیں کی جو تمام مسلمانوں کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتے ہیں مثلاً پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لیے مؤثر اکثریت کا حصول، سندھ کی علحدگی، فیڈرل مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی ایک تہائی

---

*انقلاب: ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

نمائندگی اور سرکاری ملازمتوں اور کابینہ وزارت میں مسلمانوں کی مناسب اور موثر نیابت۔

"مسلمانان ہند اکثریت والی قوم کے ساتھ اتحاد کے لیے ہمیشہ بیتاب رہے ہیں اور اس حقیقت سے ہر وہ شخص باخبر رہا ہے جو گذشتہ دس سال میں ان کوششوں کا مطالعہ کرتا رہا ہے جو مستحکم بنیادوں پر فرقہ وار اتحاد و موافقت پیدا کرنے کے لیے کی گئی ہیں۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جداگانہ اور مخلوط انتخاب کا مسئلہ چھیڑنا قطعی نا مناسب ہے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری قوم اس نازک وقت میں اس تحفظ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ پس محض طریق نیابت کے متعلق جو بھی بحث کی جائے گی اس سے کوئی مفید نتائج برآمد نہ ہوں گے۔

"تاہم ہم ان واضح تجاویز پر غور و خوض کرنے کے خلاف نہیں جو دوسری قوم کے رہنما ضروری متعلقہ مسائل کو سمجھتے ہوئے پیش کریں۔ لیکن ہم اس امر کو اچھی طرح واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ واضح تجاویز اکثریت والی قوم کی طرف سے پیش ہونی ضروری ہیں۔"

— o —

لکھنؤ کانفرنس*

بمبئی میں گفت و شنید ابھی جاری تھی کہ مولانا شوکت علی اور شیخ عبدالمجید سندھی نے اعلان کیا کہ مسلمان رہنماؤں کی ایک کانفرنس ۱۵ اکتوبر کو لکھنو میں ہوگی۔ علامہ اقبال کو لکھنو میں مسلم رہنماؤں کی ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لیے دعوت نامہ

---

* انقلاب: ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

ملا۔ اس کے جواب میں آپ نے ۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو درج ذیل مضمون کا تار بھیجا:

''باہمی سمجھوتے کی کوشش قابل ستائش ہے۔ لیکن ہندوؤں کی طرف سے قطعی تجاویز پیش ہوئے بغیر مسلمان رہنماؤں کی کانفرنس منعقد کرنا نقصان رساں ہے۔ افسوس کہ ان حالات میں میں شریک نہیں ہو سکتا۔ میری درخواست ہے کہ آپ کانفرنس کی تجویز پر نظر ثانی فرمائیں۔''

—o—

صدر خلافت کے تار کے جواب میں آپ نے مندرجہ ذیل جواب* بھیجا:

''شملہ سے ایک مشترکہ بیان[۱] شائع ہو چکا ہے۔ جب تک ہندوؤں کی طرف سے (مفاہمت کی) قطعی تجاویز موصول نہ ہو جائیں۔ لیڈروں کا اجتماع منعقد کرنا غیر مناسب ہوگا۔ قوم کے فیصلے پر جمے رہیے۔''

—o—

ڈاکٹر انصاری کے نام تار**

ڈاکٹر انصاری اور مسٹر شروانی نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کو ایک تار بھیجا جس میں یہ تجویز تھی کہ جس طرح اچھوتوں کی شکایات دور ہو گئی ہیں۔ اسی طرح ہندو، مسلم اور سکھ سوال کو حل کرنے کے لیے ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ آپ نے اس تار کے جواب میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو درج ذیل بیان دیا:

۱۔ دیکھیے بیان مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

*انقلاب: ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

**ایضاً: ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

''اس تار سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر انصاری اور مسٹر شروانی یہ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں ، سکھوں اور مسلمانوں کی ایک کانفرنس فرقہ وارانہ سوال کو حل کرنے کے لیے منعقد کی جائے نہ کہ مسلمان لیڈروں کی کانفرنس ۔ جس قسم کی کانفرنس ڈاکٹر انصاری اور مسٹر شروانی چاہتے ہیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اکثریت کی طرف سے ہمارے سامنے مفاہمت کی معین تجاویز پیش کی جائیں ۔ ان حالات کے پیش نظر میں مولانا شوکت علی ، مسٹر عبدالمجید سندھی اور دیگر اصحاب سے ، جو کانفرنس میں آنے والے ہیں ، دوبارہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ کانفرنس کی تجویز اس وقت تک ملتوی کر دیں جب تک ہندو رہنماؤں کی طرف سے ہمارے سامنے خاص تجاویز پیش نہ کی جائیں ۔''

—o—

لکھنؤ کانفرنس اسلام اور ہندوستان کے لیے مضر ہوگی*

سردار سلیمان قاسم مٹھا نے ۱۱ اکتوبر کو علامہ سر محمد اقبال کو تار دیا جس میں کہا کہ لکھنؤ کانفرنس سے علحدگی نہایت مضر ثابت ہوگی ۔ اس کے جواب میں آپ نے حسب ذیل جواب دیا :

''مسلمانوں کی پالیسی [مسلم] کانفرنس اور لیگ کی قرارداد میں موجود ہے ۔ اس قرار داد سے کوئی انحراف یا ترمیم یا کسی ایسی کانفرنس کا انعقاد جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ پالیسی قابل ترمیم ہے ، اسلام اور ہندوستان کے مفاد کے لیے بے حد مضر ثابت ہوگا ۔ خدا کے لیے کانفرنس کو اس وقت تک منعقد نہ ہونے دیجیے جب تک اکثریت کی طرف سے تجاویز پیش نہ کی جائیں ۔ آپ پنجاب ، بنگال اور سندھ کی رائے کو مد نظر رکھیں اور اس اتحاد کو ضائع نہ کریں جو بڑی جد و جہد کے بعد حاصل کیا گیا ہے ۔''

---

* انقلاب : ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۲ع ۔

تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے علامہ اقبال نے یورپ روانہ ہونے سے پہلے ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ ع کو درج ذیل بیان* دیا :

''لندن میں گول میز کانفرنس کا یہ اجلاس نہایت اہم ہوگا۔ فرقہ وار فیصلے نے راستے سے بہت سی مشکلات پہلے ہی دور کر دی ہیں۔ اب ہمارا فرض ہوگا کہ باقی اہم مسائل کا مناسب حل دریافت کریں جو ابھی تک فیصلہ طلب ہیں۔ میں مسلمانان ہند اور اپنے غیر مسلم ہموطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم وفد اپنی طاقت اسلام اور ہندوستان کی خدمت میں صرف کر دے گا۔ میں مسلمانوں سے بالخصوص دریافت کرتا ہوں کہ اس حکمت عملی پر سختی سے کاربند رہیں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی قرار دادوں میں درج ہے۔

''میں سمجھتا ہوں کہ میں اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے بیان کردہ اصول عمل یاد دلاؤں : 'جب تو نے ایک طریق عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو فی الفور عمل شروع کر دے اور خدا پر بھروسہ رکھ'۔''

—o—

مسلمان ہندوؤں میں جذب ہو جائیں

یا

اپنا مستقبل آپ بنائیں**

علامہ سر محمد اقبال نے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے یورپ روانہ ہونے سے پہلے مندرجہ ذیل مکتوب ''ہمدم'' (لکھنؤ) کے ڈائریکٹر کے نام ارسال فرمایا :

---

*انقلاب: ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ع۔
**ایضاً: ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۲ع۔

''ہمدم'' نے مسلمانوں کو ہمیشہ بے لاگ مشورہ دیا ہے جس کے لیے تمام ملک آپ کا شکر گذار ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کرانے کے لیے دوبارہ کوشش کرنے کی تجویز آپ ہی کی تھی۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا کہ شاید ایسی مفاہمت کا موقع پونا کے سمجھوتے کے بعد آجائے۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بات تھی کہ شاید اکثریت کوئی تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کرے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ پنڈت مدن موہن مالوی صاحب نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو دہلی میں اس سے پہلے مہاتما گاندھی نے اختیار کیا تھا۔ بہر حال آپ نے مسٹر محمد علی جناح کا تار پڑھ لیا ہوگا۔ وہ بھی اس بات سے متفق ہیں کہ مفاہمت کی تجاویز ہندوؤں کی طرف سے پیش ہونی چاہییں خواہ ان کی اساس مخلوط انتخابات کا اصول ہی کیوں نہ ہو۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ لکھنؤ کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے مطالبات میں جن کا اعادہ کئی بار کر چکے ہیں، از خود ترمیم کر دیں اور بالخصوص اصول انتخاب میں موجودہ حالات میں ایسا کرنا انتہا درجے کی سیاسی کمزوری کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ایسا کرنے سے مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا دروازہ کھل جائے گا اور جو اتحاد خیال انھوں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے ضائع ہو جائے گا۔

''اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حکومت کے تصفیہ میں اور کچھ ہو نہ ہو پنجاب کے اندر مسلمانوں کی اکثریت پانچ یا سات کی زیادتی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ صوبہ سرحد کو آئندہ نظام میں مساوات کا درجہ ملتا ہے۔ سندھ کی علیحدگی کے امکانات بھی قریب تر آگئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی جداگانہ انتخاب بھی قائم رہا ہے جو میری ناقص رائے میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کی اساس ہے۔ جداگانہ انتخابات کو غیر مشروط طور پر رکھ کر حکومت نے مسلمانوں کو موقع دیا ہے کہ وہ اپنا مستقبل آپ منتقل کرلیں۔ چاہیں تو اکثریت میں جذب ہو جائیں اور چاہیں تو کم از کم بعض

حصص ملک میں اپنی جدا گانہ ہستی کو برقرار رکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آج مسلمانوں نے قبل از وقت جداگانہ انتخاب سے دست برداری کر لی تو آئندہ کا مؤرخ ان کے ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے مٹ جانے کے لیے حکومت برطانیہ کو ہرگز مطعون نہ کرے گا، بلکہ خود مسلمانوں کو اس بات کا مجرم قرار دے گا کہ جمہوری نظام میں بحیثیت اقلیت انھوں نے اپنی بربادی اپنے ہاتھوں مول لی۔

''تاسف کا مقام ہے کہ ہمارے بعض لیڈر، جن میں بعض علمائے دین بھی شامل ہیں، مسئلہ انتخاب کو محض نمائندگی کا طریقہ کار تصور کرتے ہیں اور بس۔ جہاں تک میں نے مسلمانان ہند کی گذشتہ تاریخ اور ایشیائی اقوام کے موجودہ امیال و عواطف اور مغربی اقوام کی سیاسی ریشہ دوانیوں پر غور کیا ہے، مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ ابھی ایک عرصہ تک مسلمانان ہند کا مستقبل جداگانہ انتخاب سے وابستہ ہے۔ میرے نزدیک جدا گانہ انتخاب قومیت کے مغربی تصور سے بھی (قومیت کا مغربی تخیل ایک روحانی بیماری ہے) متناقض نہیں اور اس کے باوجود ہندی اقوام میں اتحاد اور یکجہتی پیدا ہو سکتی ہے۔ خود یورپ میں بھی اس مقصد کا اب خاتمہ سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ مشرقی اقوام یورپ کا اترا ہوا لباس پہن لیں اور انھیں مصائب سے دوچار ہوں جس سے یورپ دوچار ہو چکا ہے، اور ہو رہا ہے۔ خاص اس امر کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرتا مگر کل شام یورپ جا رہا ہوں اور جانے سے پہلے ابھی بہت سے کام باقی ہیں۔ اس واسطے ان چند سطور پر کفایت کرتا ہوں۔ مختصراً یہ کہ مفاہمت کی تجاویز کا مسلمانوں کی طرف سے پیش کرانا، خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے مطالبات ایک مدت سے سب کو معلوم ہیں، خلوص اور حب الوطنی کے نیک جذبات کا ثبوت نہیں۔ بلکہ ایک سیاسی حیلہ ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ اکثریت، جس کا فرض ہے کہ اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرے، بھی اس کے لیے

تیار نہیں - موجودہ حالات میں فرقہ وار مسائل کی بحث کو از سر نو چھیڑنا نہ مسلمانوں کی خدمت ہے، نہ ملک کی - زیادہ کیا عرض کروں -"

مخلص

محمد اقبال

—o—

مدیر انقلاب کے نام مکتوب*

علامہ اقبال کا ایک مکتوب میڈرڈ سے مدیر "انقلاب" کو موصول ہوا جس میں بخیریت میڈرڈ پہنچنے کی اطلاع درج تھی، نیز تحریر فرمایا تھا کہ جمہوریہ ہسپانیہ کے وزیر تعلیمات اور پروفیسر آسن سے جنھوں نے ڈینٹے [Dante] کی "ڈیوائن کامیڈی اور اسلام" پر کتاب لکھی، ملاقاتیں کر چکے ہیں - ایک اور مکتوب میں محض یہ فرمایا کہ "مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو"۔

—o—

جاوید اقبال کے نام مکتوب**

علامہ سر محمد اقبال نے جاوید اقبال کے نام دو تصویری کارڈ بھیجے جن پر مسجد قرطبہ کے دو عکس چھپے ہوئے تھے - اس کے ساتھ ہی لکھا کہ

"میں خدا کا شکر گذار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لیے زندہ رہا - یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے - خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو -"

---

* انقلاب : ۶ فروری ۱۹۳۲ع -
** ایضاً : ۹ فروری ۱۹۳۲ع -

جواب سپاسنامہ جمعیۃ الاسلام*

علامہ سر محمد اقبال ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کو یورپ سے واپس لاہور پہنچے - ریلوے سٹیشن پر اراکین جمعیۃ الاسلام لاہور کی طرف سے خواجہ فیروز الدین نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا - علامہ اقبال نے سپاسنامے[۱] کا جواب دیتے ہوئے فرمایا :

''آپ نے اس استقبال اور سپاسنامہ کے پیش کرنے سے میری جس قدر عزت افزائی کی ہے میں اس کے شکریے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا - میری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کی خدمت میں گزرا ہے اور آپ میری سابقہ زندگی سے اچھی طرح واقف ہیں - اول سے لے کر اب تک میری زندگی کا مطمح نظر یہی رہا ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ پستی کی حالت سے نکل کر بلندی پر پہنچ جائیں اور ان میں جو کمزوریاں اور اختلافات رونما ہو گئے ہیں وہ دور ہو جائیں - جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے گول میز کانفرنس میں اسلامی حقوق کے تحفظ کی پوری پوری کوشش کی ہے - اور کوئی ایسا لفظ نہیں کہا جس سے مسلمانوں کے حقوق کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو - باہمی اختلافات دور کرنے کے لیے یہ ایک زرین موقع ہے - وہ اپنی سابقہ روایات کی روشنی میں متحد ہو سکتے ہیں - میں نے یورپ میں اس امر کا بخوبی مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں کا ہر مرد اور عورت ماہیت اسلام سے آگاہ ہونے کے لیے بیتاب ہے اور وہ ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہیں جس سے انسان کی روحانی تشنگی کا ازالہ ہو سکے -

''وقت چونکہ تھوڑا ہے اس لیے اس موضوع پر مفصل تقریر نہیں کر سکتا اور اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے آپ سے دوبارہ یہی درخواست کروں گا کہ خدا کے لیے آپ اپنے تمام

---

*انقلاب : ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء -

۱- سپاسنامہ اور تقریر ''ادبی دنیا'' لاہور کے ''اقبال نمبر'' میں شائع ہو چکے ہیں لیکن اور کسی مجموعہ میں شامل نہیں -

اختلافات کو، خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی، بالکل مٹا دیں اور ایک ہو جائیں۔ اس وقت تمام اسلامی سلطنتوں نے بڑی حد تک ان نقائص کو دور کر دیا ہے۔ آپ کو بھی ان کی تقلید کی کوشش کرنی چاہیے۔"

—o—

گول میز کانفرنس اور سفر سپین کے متعلق بیان*

علامہ سر محمد اقبال نے ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء کو نمائندہ مسلم نیوز سروس کو درج ذیل بیان دیا:

"میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیاں اس آئین کو جو گول میز کانفرنس میں وضع کیا گیا ہے، کامیاب بنانے کی کوشش کریں گی۔ ہندوستانیوں کے لیے یہی بہترین راستہ ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو انتخابات کے لیے منظم کریں اور اپنی جماعت میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دیں۔

"گول میز کانفرنس کے نتیجہ کے متعلق خواہ کوئی کچھ کہے لیکن ایک بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کی وجہ سے ایک بہت پرانی قوم کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ میری مراد اچھوت اقوام سے ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کے رہنما آنے والے خطرات سے خبردار رہیں گے اور خود داری کی جو حس ان میں پیدا ہو گئی ہے، اسے بیرونی سیاسی اور سوشل حملوں سے محفوظ رکھیں گے۔"

سپین کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "میں علاوہ اور مقامات کے قرطبہ، غرناطہ، اشبیلہ اور میڈرڈ گیا۔ میں نے

---

*انقلاب: یکم مارچ ۱۹۳۳ء۔

حدیقۃ الزہرہ [ایک تاریخی محل جو عبدالرحمن اول نے پہاڑی پر اپنی بیوی زہرہ کے لیے تعمیر کرایا تھا] کے کھنڈرات بھی دیکھے۔ سپین کے جنوب کی آباد قوم مورش نسل ہونے پر اور اسلامی تہذیب کے ان آثار پر، جو ان کے ملک میں موجود ہیں، فخر کرتی ہے۔ وہاں بھی ایک نئی ذہنیت پیدا ہو رہی ہے جو تعلیم کے ساتھ ساتھ ترقی کرے گی۔ لوتھر نے جو مذہبی اصلاح کی تھی وہ نامعلوم طریقوں سے ترقی کر رہی ہے اور پادریوں کا اثر تمام یورپ میں عموماً اور سپین میں خصوصاً کم ہو رہا ہے۔''

—o—

اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ*

اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی جانب سے یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ٹاؤن ہال لاہور کے باہر باغ میں علامہ سر محمد اقبال کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت چائے دی گئی جس میں معززین شہر نے شرکت کی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے انسٹیٹیوٹ کی طرف سے علامہ اقبال کا ایک مختصر سی تقریر میں شکریہ ادا کیا۔ اس کے جواب میں علامہ صاحب نے طویل تقریر سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے اپنی زندگی کے گزشتہ ۳۰ سال اسلام اور موجودہ تہذیب و تمدن کی تطبیق کی تدابیر کے غور و فکر میں بسر کر دئیے ہیں اور اس عرصے میں یہی میری زندگی کا مقصد وحید رہا ہے۔ میرے حال کے سفر[1] نے مجھے کسی حد تک اس نتیجہ پر پہنچا دیا ہے کہ ایسے مسئلے کو اس شکل میں پیش نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اسلام موجودہ تمدن کے مقابلے میں ایک کمزور طاقت ہے۔ میری رائے میں اس کو یوں

---

* انقلاب: ۴ مارچ ۱۹۳۳ء۔
۱۔ سفر یورپ۔

پیش کرنا چاہیے کہ موجودہ تمدن کو کس طرح اسلام کے قریب تر لایا جائے۔'' ارکان انسٹیٹیوٹ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''میں اپنے سفر اندلس کے تجربات و مشاہدات کو کسی طویل صحبت میں آپ حضرات کے سامنے پیش کروں گا کیونکہ اس وقت ہمیں ایک نہایت اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لیے جانا ہے۔ جس کی اہمیت آپ حضرات پر کل تک واضح ہو جائے گی''۔

— o —

خطبہ صدارت، اجلاس ادارہ معارف اسلامیہ*

علامہ سر محمد اقبال نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس لاہور ۱۹۲۹ء کے شعبہ اردو، فارسی اور عربی کی صدارت فرمائی اور اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے مسلمانان ہند کو اسلام کے معاشی پہلو اور دیگر علوم طبعی کی تحقیق و تدقیق کی طرف متوجہ کیا۔ لاہور کے اہل علم حضرات کے جوش و خروش، نیز استادان باکمال کے فیض تربیت سے فائدہ پانے والے نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت کو دیکھ کر علامہ اقبال نے ایک ایسے ادارے کی تاسیس کی تحریک کی جس کے پیش نظر اسلامیات کی تحقیق و تدقیق علی الخصوص فلسفہ، تمدن اسلام اور طبیعیات کی تحلیل و تجزیّ ہو۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں آپ نے اس علمی جماعت[1] کی داغ بیل ڈالی۔

---

* انقلاب: ۲۰ اپریل ۱۹۳۳ء۔

۱۔ اس ادارے کے قیام کے موقعہ پر علامہ سر محمد اقبال نے دیگر اہل علم حضرات کی معیت میں درج ذیل بیان ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شائع کرایا تھا:

۱۔ تمہید: اسلام اور تمدن اسلامی اس وقت دنیا کے ہر نزدیک و بعید خطے میں ایک عظیم انقلابی کیفیت سے دو چار ہے۔ ترکی کا اجتہادی اقدام، ایران کا دور تجدد، مصر کا جوش اصلاح، افغانستان کا مغربی توغل، غرض عالم اسلام کے جس نقطہ مدنیت پر نظر ڈالیے حیات کا ایک ہنگامہ زار برپا ہے۔

ممالک اسلامیہ کے یہ تمام تر تغیرات خفی اور جلی، ہندوستانی مسلمانوں کے لیے جہاں ایک نوید زندگی کی شادابیوں سے لبریز ہیں وہاں درحقیقت ایک

۱۵ اپریل ۱۹۳۳ء کو ادارہ معارف اسلامیہ کا پہلا اجلاس زیر صدارت علامہ اقبال ہیلی ہال پنجاب یونیورسٹی میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے ادارے کے اغراض و مقاصد پیش کیے اور ان امور کی طرف توجہ دلائی جو اس ادارے کے پیش نظر تھے۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اب ہم فقہی جزیات کی چھان بین کے بجائے ان اہم شعبہ ہائے علم کی طرف متوجہ ہوں جو ہنوز محتاج تحقیق

پیام بیداری کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ پیغام بیداری کیا ہے؟ خالص علمی نقطہ نظر سے اس کا اور اس کے معنوی اثرات کا تجزیہ کیجیے تو بھی ہماری نگاہوں کو اکثر اہم نتائج سے دو چار ہونے کا موقع ملتا ہے جن میں سے ایک (کم ازکم تاریخی اعتبار ہی سے سہی) ماضیات اسلام کا تحفظ بھی ہے۔ یعنی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی نقاط پر اپنی دماغی قوتوں کو صرف کرنے کے علاوہ، جس حد تک ہندوستانی مسلمانوں اور عام مسلمانوں کی قدیم تاریخ کا تعلق ہے، از بس ضروری ہے کہ اس مفید سلسلے کی طرف بہترین توجہات منعطف کی جائیں۔ کیونکہ مسلمانوں کو موجودہ دور جمود سے نکالنے اور ان میں ایک معنوی بیداری کی روح پھونکنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

اس تدبیر کو عملی صورت میں لانے کے لیے ''ادارہ معارف اسلامیہ'' کے نام سے ایک مجلس قائم کی گئی ہے جس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

۲۔ اغراض و مقاصد: ۱۔ ہندوستان کے تمام محققین علوم اسلامیہ کے درمیان اشتراک عمل، اتحاد ذہنی و اجتماعی اور وسائل امداد باہمی کے قیام میں سہولتیں بہم پہنچانا۔

۲۔ محققین کی ایسی مشکلات کو جو بسا اوقات ان کے مشاغل علمیہ میں پیش آتی ہیں، حتی الامکان رفع کرنے کی کوشش کرنا۔

۳۔ محققین کو نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت کی غرض سے جمع کرنا۔

۴۔ بیرونی ممالک کے مستشرقین کو وقتاً فوقتاً افادہ علمیہ کی غرض سے دعوت دینا۔

ہیں۔ ریاضیات، عمرانیات، طب اور طبیعیات میں مسلمانوں کے شاندار کارنامے ابھی تک دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مستور و پنہاں ہیں۔ جن کے احیا کی سخت ضرورت ہے۔'' علامہ موصوف کے نزدیک ان ذخائر و دفائن کی تلاش ادارہ کے مقاصد میں سے ہونی چاہیے۔ آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''یورپ کے علما بیسویں صدی میں جن نظریات و انکشافات کو اپنے لیے نئی چیز

۵۔ ارتقائے تمدن اسلامی کے سلسلے میں اسلام کی مختلف خدمات کو منظر عام پر لانا۔

۶۔ عام طور پر اسلامی تحقیقات کے لیے قوم میں تحریص و تشویق کی تحریک جاری رکھنا۔

۷۔ آمدنی کافی ہونے پر ایک دارالکتب اور ایک دارالاشاعت اور ایک مشرقیات کا دارالنفائس (Museum) قائم کرنا۔

۳۔ توسیع کا منصوبہ: ادارے کی وسعت کار حسب ذیل دائروں پر مشتمل ہوگی:

۱۔ ادبیات و لسانیات : (۱) عربی۔ (۲) فارسی۔ (۳) اردو۔

۲۔ اخبار و آثار: (۱) تاریخ تمدن۔ (۲) سیرت۔ (۳) علم الانساب۔ (۴) آثار قدیمہ۔ (۵) کتبے۔ (۶) سکے۔

۳۔ جغرافیہ و سیاحت۔

۴۔ مذہبیات : (۱) قرآن و تفسیر۔ (۲) حدیث و اسماء الرجال۔ (۳) فقہ۔ (۴) کلام۔

۵۔ فلسفہ: مابعد الطبیعیات۔ (۲) نفسیات۔ (۳) منطق۔ (۴) اخلاقیات۔ (۵) جمالیات۔

۶۔ عمرانیات : (۱) سیاسیات۔ (۲) اقتصادیات۔ (۳) قانون۔

۷۔ فنون لطیفہ: (۱) مصوری و تعمیرات۔ (۲) موسیقی۔ (۳) سنگ تراشی۔ (۴) خطاطی۔

۸۔ علوم حکمیہ: (۱) ریاضیات۔ (۲) فلکیات۔ (۳) طبیعیات۔ (۴) کیمیا۔ (۵) طب۔ (۶) حیاتیات۔

۹۔ صنعت و حرفت۔

سمجھتے ہیں ۔ ان پر عرب علما و فضلا صدیوں پہلے سیر حاصل بحثیں کرچکے ہیں ۔ آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت یورپ کے نزدیک نیا ہو تو ہو لیکن علمائے اسلام کی کتابوں میں صدہا سال پہلے اس کے مبادی زیر بحث آچکے ہیں ۔ برگسان کے فلسفۂ امتیازی کو سمجھنے کے لیے ابن خلدون کے افکار و خیالات کا مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔" آپ نے شپنگلر کی شہرہ آفاق کتاب ''زوال مغرب'' کے ان ابواب کا حوالہ دیا جن میں ''عربی تمدن'' پر بحث و تمحیص کی گئی ہے ۔ آپ نے مصنف کے استنتاج پر ناقدانہ تبصرہ فرماتے ہوئے خود مسلم علما و فضلا کو دعوت دی کہ وہ اپنے تمدن کی گہرائیوں کا مطالعہ کریں اور ان اسرار و ممکنات کو قوم کی تقدیر کے روشن کرنے اور قوم کے متخیلہ کی تربیت کرنے میں صرف کریں تاکہ مسلمان اپنے قابل صد فخر و مباہات تمدن کو بیش از پیش خوبی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں ۔

۱۰۔ **قومیات :** (۱) عرب ۔ (۲) ترک ۔ (۳) تاجیک ۔ (۴) افغان و غیرہم۔

۴۔ **طریق عمل :** اس لائحہ عمل کے شائع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانان ہند کو ہمارے مقاصد سے آگاہی حاصل ہو اور ہمدردی پیدا ہو ۔ طریق عمل بالفعل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہر دوسرے سال مختلف مقامات پر جلسہ کیا جائے اور اس میں مقالے پڑھے جائیں ۔ جس مقام پر جلسہ ہوگا وہاں کے ارباب علم و فضل سے توقع کی جائے گی کہ وہ استقبالیہ کمیٹی بنائیں اور جلسہ کا انتظام کریں ۔

۵۔ **ادارہ کی مجلس عاملہ :** ان مقاصد کو عمل میں لانے کے لیے معاونین ایک کمیٹی کے طور پر کام شروع کریں گے اور اس میں بیرونجات کے اصحاب کو بھی شامل کیا جائے گا ۔

۶۔ **شرح چندہ اور خازن :** امرائے اسلام سے توقع ہے کہ وہ اپنی روایتی فیاضی کو مد نظر رکھ کر گراں قدر مالی امداد ادارہ کو عملی صورت دینے کے لیے عطا فرمائیں گے ۔ دیگر اصحاب کے لیے رکنیت چندہ ۵ روپے سالانہ مقرر کیا گیا ہے اور کسی خاص جلسہ میں شرکت کے لیے ۲ روپے ۔

محمد اقبال ایم ۔ اے ۔ پروفیسر اورینٹل کالج ، لاہور کو خازن ادارہ مقرر کیا گیا ہے ۔ ادارے کے لیے جملہ عطیات ان کے نام پر بھیجے جائیں ۔

(انقلاب : ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

اسی اجلاس میں حضرت علامہ نے ذیل کی قرار داد بغرض منظوری مجلس کے سامنے پیش کی جو متفقہ طور پر منظور ہوئی :

''ادارہ معارف اسلامیہ کا یہ شاندار اجلاس اعلحضرت حضور نظام خلداللہ ملکہ کا تہ دل سے شکر گزار ہے جنھوں نے اپنی شہرہ روزگار فیاضی سے کام لے کر ادارہ کو دو ہزار روپیہ سالانہ کی گرانٹ عطا فرمائی ۔ یہ جلسہ حضور نظام جہان پناہ کی ان دریا بخشیوں کا صمیم قلب سے معترف ہے اور آپ کے لیے دست بدعا ہے''۔

— o —

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی اپیل*

۱۹۳۱ء میں کشمیر میں ریاستی نظم و نسق اور مسلمانوں کی بدحالی کے باعث تحریک آزادی شروع ہوئی ۔ مسلمانان پنجاب نے کشمیری مسلمانوں کی اعانت کے لیے ایک کشمیر کمیٹی بنائی ۔ علامہ اقبال اس کے سرگرم رکن تھے اور مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت احمدیہ کی کمیٹی کی صدارت سے علیحدگی پر آپ صدر منتخب ہوئے ۔ اس کمیٹی کے مرزائی عنصر سے اختلاف کی وجہ سے آپ نے اس کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور ایک نئی کشمیر کمیٹی بنائی ۔ آپ نے کشمیری مسلمانوں کی امداد کے لیے ۳۰ جون ۱۹۳۳ء کو ملک برکت علی کے ساتھ درج ذیل اپیل شائع کرائی :

''برادران اسلام !

گذشتہ چند سال سے مسلمانان خطہ کشمیر جن مصائب و مشکلات میں مبتلا ہیں ان کے تذکرہ کی چنداں ضرورت نہیں ۔ اس لیے کہ یہ ایسے مصائب و مشکلات ہیں کہ جن کا چرچا نہ صرف آپ کے ہر شہر ، ہر گاؤں اور ہر گھر میں ابتدا ہی سے رہا ہے اور اب تک موجود ہے بلکہ ان کا قومی احساس اکثر مواقع پر افراد قوم کے سوئے ہوئے ملی جذبات کو بیدار کر کے انہیں اخوت اسلامیہ کے بھولے ہوئے سبق از سر نو یاد دلانے اور ملت مرحوم کے فعال عناصر بنانے کا موجب

---

*انقلاب : ۳۰ جون ۱۹۳۳ء ۔

بن چکا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان کے اندر تحریک خلافت کے بعد تحریک کشمیر ایک ایسی تحریک ہے جس سے خالص اسلامی جذبات کو عملی مظاہرے کا موقع ملا اور جس نے قوم کے تن مردہ میں حیات تازہ کی لہر ایک دفعہ پھر دوڑا دی۔

''جن قومی جماعتوں نے اہل خطہ کے ساتھ عملی ہمدردی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، آپ کو تسلیم ہوگا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نام ان کی صف اول میں ہے۔ مقصد ایک ہو تو مختلف جماعتوں اور اداروں کے عملی طریقہائے کار کے اختلافات بجائے ضرر رساں ہونے کے بسا اوقات مفید ثابت ہوتے ہیں اور حصول مقصد کی سچی دھن میں انہیں جس قدر نظر انداز کیا جائے اسی قدر بہتر ہے۔

''آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق نہ صرف اہل خطہ کے حالات و جذبات کی ایسی ترجمانی کی ہے کہ خود اہل خطہ بحالات موجودہ ویسی نہ کر سکتے بلکہ کمیٹی نے کئی گتھیوں کو سلجھانے، مصیبت زدوں کو مالی امداد بہم پہنچانے اور فسادات کے مقدمات کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی پیروی کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اب تک دے رہی ہے۔

''ابتدائے کار سے کشمیر کمیٹی نے حکومت ہند، برطانیہ اور برطانوی قوم پر اس حقیقت کو ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ کشمیر کا مسئلہ تمام مسلمانان ہندوستان کی سیاسی حیات و موت کا مسئلہ ہے۔ اہل کشمیر سے ناروا سلوک ان کی جائز اور دیرینہ شکایات سے بے اعتنائی اور ان کے سیاسی حقوق کا تسلیم نہ کرنا مسلمانان ہند سے ناروا سلوک کرنے کے مترادف ہے، مسلمانان ہند کی شکایات سے بے اعتنائی ہے اور مسلمانان ہند کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ حق بات بھی یہی ہے۔ اہل خطہ ملت اسلامیہ ہند کا جزو لا ینفک ہیں اور ان کی تقدیر کو اپنی تقدیر نہ سمجھنا تمام ملت کو تباہی و بربادی کے حوالہ کر دینا ہے۔ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں فی الحقیقت ایک مضبوط و مستحکم قوم بننا ہے تو ان نقطوں کو

ہر وقت ذہن میں رکھنا ہوگا۔ اول یہ کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے حدود ہندوستان کے اندر جغرافیائی اعتبار سے کشمیر ہی وہ حصہ ہے جو مذہبی اور کلچرل حیثیت سے خالصتاً اسلامی ہے اور ایسا اسلامی کہ اسلام نے وہاں خدانخواستہ جبر و اکراہ سے گھر پیدا نہیں کیا بلکہ یہ بار ور پودا حضرت شاہ ہمدان جیسے نیک و کامل بزرگان دین کے پاک ہاتھوں کا لگایا ہوا ہے اور انہیں کی مساعی تبلیغ دین کا نتیجہ ہے جنھوں نے گھر بار اور وطن محض اس لیے ترک کیے کہ رسول اللہ کے لائے ہوئے پیغام سے ان دیار و ممالک کے بسنے والوں کو بہرہ ور کریں اور الحمد للہ کہ وہ بدرجہ اتم کامیاب ہوئے۔ دوسری بات جسے مسلمانان ہند کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے یہ ہے کہ ان کی تمام قوم میں سب سے بڑھ کر اگر صناعی و ہنر مندی اور تجارت کو بخوبی چلانے کے جوہر نمایاں طور پر کسی طبقہ میں موجود ہیں تو وہ یہی اہل خطہ کا گروہ ہے۔ افسوس ہے کہ اہل کشمیر کی زبوں حالی انہیں اپنی قوم کا مفید عنصر بننے کے راستے میں مانع آ رہی ہے، بلکہ اقوام عالم کی اس نوع کی ترقی ان کی خدمات سے محروم ہے ورنہ اگر ان کی زندگی بھی زندہ قوموں کی زندگی ہو تو صناعی اور ہنر مندی کے طبعی جوہر ہندوستان کی اقتصادی حالت کو بدل دینے میں ممد ثابت ہوں۔"

"بہر حال اہل خطہ 'قومیت اسلامیہ ہند' کے جسم کا بہترین حصہ ہیں اور اگر وہ حصہ درد و مصیبت میں مبتلا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ باقی افراد ملت فراغت کی نیند سوئیں۔

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی جن مساعی کا ذکر ہوا، ان میں ہر ایک اہم ہے اور ہر ایک کی تکمیل ابھی بیسیوں عملی تدابیر کی محتاج ہے لیکن تمام مسلمان بھائیوں پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ فسادات کے ماخوذین کی کہانی بے حد دردناک ہے، ان کے مقدمے ابھی تک چلے جا رہے ہیں اور ان کی مصیبتوں کا سلسلہ ایک حد تک لامتناہی ہو رہا ہے۔ ہرچند ریاست کو اس امر پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مقدمات واپس لے کر

ان مصیبت زدوں کو آلام سے نجات دلا دے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ قصے کچھ طولانی سے ہیں۔ ریاست کے اندر پھر سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ ہیجان اب کونسی رو اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک نیا مرحلہ آ گیا ہے اور اس کے لیے نئی قربانیوں کی ضرورت ہوگی جو لوگ گذشتہ انقلاب سے ماخوذ ہیں اور ان پر مقدمات چل رہے ہیں ان کی طرف بھی توجہ میں ہرگز کمی نہیں آنی چاہیے۔ اب تک ان مقدمات کی پیروی خوش اسلوبی سے ہوئی ہے لیکن قوم کو اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ کشمیر کمیٹی کے پاس جو روپیہ فراہم شدہ تھا وہ خرچ ہو چکا ہے اور جب تک قوم روپیہ سے اعانت پر کمر بستہ نہ ہوگی نہ تو نئی پیدا شدہ صورت حالات میں کوئی اہم کام سر انجام پا سکے گا اور نہ ان سیکڑوں ماخوذین کو قانونی امداد بہم پہنچانے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اس لیے تمام گذشتہ حالات اور موجودہ حالات کے آئندہ امکانات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ملت اسلامیہ ہند سے نہایت مخلصانہ پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اپنی پہلی قربانیوں میں مزید اضافہ کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور جو اعانت وہ پہلے کر چکے ہیں اس کا عملی نتیجہ بھی اسی وقت نیک ثابت ہوگا جب ان موجودہ مراحل پر پھر وہ اسلامی ایثار کا ثبوت دیں۔ یہ افراد کی امداد نہیں بلکہ امت رسول صلعم کی امداد ہے۔ ہم اپیل کا اختتام حضور پر نور صلعم کی اس حدیث پر کرتے ہیں:

ان اللہ متخلص ھذا الدین لنفسا و لا یصلح لد ینکم
الا السخا و حسن الخلق ، الا فزینو دینکم بھما o

(خدا نے دین اسلام کو اپنے لیے مخصوص کیا ہے۔ اور دین کی درستی سخاوت اور حسن اخلاق سے ہے (مسلمانوں!) اپنے دین کو ان ہر دو اوصاف سے آراستہ کرو۔)

(نوٹ) چندہ کی رقوم مسلم بنک انارکلی لاہور کو بھیجی جائیں

الملتمس

(ڈاکٹر سر) محمد اقبال ایم - اے - ، پی - ایچ - ڈی - بیرسٹر ، صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی - (ملک) برکت علی ایم - اے - ، ایل - ایل - بی - ، ایڈووکیٹ ، سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی -

— o —

وائسرائے کے نام تار*

علامہ سر محمد اقبال نے ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء کو وائسرائے ہند کو سرحد پر بمباری بند کرنے کے بارے میں حسب ذیل تار بھیجا :

''اہل لاہور کا ایک پبلک جلسہ کل شام سرحدی قبائل پر بمباری کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے منعقد ہونے والا تھا لیکن ملتوی کردیا گیا - مسلمان پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ بمباری فوراً بند کر دی جائے اور امور متنازعہ کے تصفیے کے لیے پر امن طریقہ برتا جائے -''

— o —

''پین اسلامزم'' کی اصطلاح فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے**

سر فضل حسین کے پنجاب کونسل میں بیان ، کہ سیاسی ''پین اسلامزم'' کا کبھی وجود نہ تھا، کی حمایت میں علامہ اقبال نے ۹ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا جو "Shamloo" کے مجموعہ ''تقاریر و بیانات اقبال'' میں شامل ہے - اس بیان کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ۲۸ ستمبر کو علامہ اقبال نے لفظ ''پین اسلامزم''[1] کی تشریح

---

*انقلاب : ۱۳ اگست ۱۹۳۳ء -

**ایضاً : ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء -

۱- ''پین اسلامزم'' کے متعلق علامہ اقبال نے اپنے خیالات کا اظہار ''بمبئی کرانیکل'' کے نمائندہ کے ساتھ ایک انٹرویو میں بھی کیا - دیکھیں B. A. Dar, (ed.), *Letters and Writings of Iqbal*, Karachi, 1967, pp. 54—62.

کرتے ہوئے درج ذیل بیان دیا:

''میں سمجھتا ہوں کہ 'پین اسلامزم' کے متعلق میرے لیے ایک اور بیان دینا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ بعض اشخاص کے دلوں میں ابھی تک غلط فہمیاں موجود ہیں۔ 'پین اسلامزم' کا لفظ فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے اور یہ لفظ ایسی مفروضہ سازش کے لیے استعمال کیا گیا تھا جو اس کے وضع کرنے والوں کے خیال کے مطابق اسلامی ممالک غیر اسلامی اقوام خاص کر یورپ کے خلاف کر رہے تھے۔ بعد میں پروفیسر براؤن آنجہانی اور دیگر اشخاص نے پوری تحقیقات کے بعد یہ ثابت کر دیا کہ یہ کہانی بالکل غلط تھی۔ 'پین اسلامزم' کا ہوّا پیدا کرنے والوں کا منشا صرف یہ تھا کہ اس کی آڑ میں یورپ کی چیرہ دستیاں جو اسلامی ممالک میں کی جا رہی تھیں، وہ جائز قرار دی جائیں۔

''سر فضل حسین نے جب یہ کہا کہ 'پین اسلامزم' اگر کبھی موجود بھی تھی تو اب اس کی راکھ بھی اڑ چکی ہے۔ لیکن گذشتہ دو ہفتوں میں ہندوستانی اخبارات میں اس لفظ کو کئی معنی پہنائے گئے ہیں۔ اس لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ 'پین اسلامزم' سے اسلام کی عالمگیر سلطنت بہت مختلف ہے۔ اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے، جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ داریوں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔

''ایک مقامی ہندو اخبار نے ہندوستان کے مسلمانوں کی باہمی اتحاد کی خواہش کا نام 'پین اسلامزم' رکھا ہے۔ یہ ایک اصطلاح کا غلط استعمال ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اس بات کا اعلان کر دینے میں ہرگز پس و پیش نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو منجملہ دیگر ہندوستانی اقوام کے ایک علحدہ قوم خیال کرتے ہیں اور ایسا رہنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک علحدہ معاشرتی جماعت کی حیثیت سے قائم

رکھنا چاہتے ہیں۔ اور ایک علاحدہ اقلیت کی حیثیت سے اپنے حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں۔ جو مسلمان قوم پرست کہلاتے تھے انھوں نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں کو اپنی علاحدہ تمدنی حیثیت چھوڑ دینی چاہیے اور اپنی قسمت کو ایسی طاقتوں کے رحم پر چھوڑ دینا چاہیے جو ان کی علاحدہ ہستی کو مٹا دیں۔ اگر کوئی مسلمان سیاسی لیڈر اس کے برعکس خیال کرتا ہے تو اس نے اپنی قوم کے جذبات کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔''

— o —

وائسرائے کے نام تار*

۶ نومبر ۱۹۳۳ء کو علامہ سر محمد اقبال نے فلسطین کی صورت حالات کے متعلق مندرجہ ذیل برقیہ وائسرائے ہند کے نام ارسال کیا:

''فلسطین کی صورت حالات نے مسلمانان ہند میں زبردست ہیجان و اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ نائب وزیر نو آبادیات کی تقریر نے مسلمانوں کے شبہات کو زیادہ عمیق بنا دیا ہے کہ برطانیہ کی یہ پالیسی ہے کہ عربوں کے مفاد کے خلاف عمل پیرا ہو کر فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت قائم کر دی جائے۔ نائب وزیر نو آبادیات نے برطانیہ کی جو پالیسی بیان کی ہے وہ صریحاً مخالفانہ ہے۔ فلسطین میں حال ہی میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں وہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ فوراً تحقیقات کی جائے اور فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ جلد از جلد روک دیا جائے۔ برطانیہ کے بہترین مفاد کا اقتضا یہ ہے کہ 'اعلان بالفور' کو واپس لے لیا جائے۔

''مسلمانوں کو توقع ہے کہ وائسرائے اس نازک صورت حالات

---

*انقلاب: ۹ نومبر ۱۹۳۳ء۔

کی طرف ملک معظم کی حکومت کی توجہ دلائیں گے اور برطانیہ اور مسلمانوں کے تعلقات کو کشیدہ ہونے سے بچالیں گے۔''

— o —

جدہ مکہ ریلوے اور علامہ اقبال*

علامہ سر محمد اقبال نے جدہ مکہ ریلوے کے متعلق ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ع کو درج ذیل بیان دیا:

''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک ہندوستانی اسلامی کمپنی نے جدہ اور مکہ کے درمیان ریلوے لائن بنانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اس کمپنی کی کامیابی عربوں اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بے حد فائدہ کا موجب ہوگی۔

''مجھے امید ہے اور میری دعا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سکیم کو کامیاب بنائے۔''

محمد اقبال

— o —

پیغام تعزیت

محمد نادر شاہ غازی شہنشاہ افغانستان کے قتل ہونے پر علامہ اقبال نے ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ع کو اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ اور وزیر اعظم کے نام حسب ذیل پیغامات ارسال کیے:

اعلیٰحضرت محمد ظاہر کے نام

''اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کے قتل کی خبر سے مجھے ذاتی

---

*انقلاب: ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ع۔
**ایضاً: ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ع۔

حیثیت سے بے حد صدمہ پہنچا ہے ۔ اعلیٰحضرت شہید کی خدمت میں گذشتہ کئی سال سے مجھے نیاز حاصل تھا اور میں ان کی شفقت اور محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ اللہ تعالیٰ شہید کی روح کو اعلیٰ علّیین میں جگہ دے اور آپ کے لیے اس جلیل القدر شہید کی یاد ہمیشہ موجب راہنمائی ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو افغانستان کی خدمت کے لیے مدت دراز تک زندہ رکھے ۔

''ملت افغانی نے اتفاق آرا سے آپ کے حضور میں اطاعت کر کے جس دانشمندی اور جذبات و تشکر کا ثبوت دیا ہے اس کی تحسین میں ساری دنیا ہم زبان و ہم آہنگ رہے گی ۔''

وزیر اعظم کے نام

''میں نے اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کے غدارانہ قتل کی خبر سے نہایت شدید رنج و اندوہ محسوس کیا ۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰحضرت شہید کی روح کو خلعت مغفرت عطا فرمائے ۔ آپ نجات دہندہ افغانستان اور زمانہ حاضر کے جلیل ترین حکمرانوں میں سے تھے اور آپ کے انتقال کا نقصان تمام دنیائے اسلام میں محسوس کیا جائے گا ۔ اعلیٰحضرت شہید کی ذاتی شجاعت، ذاتی تقویٰ اور اسلام اور افغانستان سے محبت آئندہ نسلوں کے لیے بہت بڑی ہمت افزائی اور تحریک عمل کا باعث ہو گی ۔ از راہ نوازش میری طرف سے دلی ہمدردی کا اظہار اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ، سردار شاہ محمود خان اور دیگر افراد خاندان شاہی کی خدمت میں پہنچا دیجیے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اس صدمے میں صبر و ثبات کی توفیق عطا فرمائے ۔''

(محمد اقبال)

—o—

صدر نیشنل لیگ لندن کے نام تار*

علامہ سر محمد اقبال نے ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو مندرجہ ذیل پیغام نیشنل لیگ لندن کے صدر کو ارسال فرمایا:

''مسلمانوں کے درمیان مسئلہ فلسطین پر بہت جوش پایا جاتا ہے اور نا خوشگوار نتائج رونما ہونے کا خطرہ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آپ مزید نقل وطن کو روکنے میں کامیاب ہونگے اور مسلمانوں اور انگلستان کے درمیان کشیدگی پیدا نہ ہونے دیں گے۔ آپ کی بروقت کارروائی کی تعریف کی جاتی ہے''۔

—o—

وائسرائے کے نام تار**

۲۲ فروری ۱۹۳۴ء کو علامہ اقبال نے حالات کشمیر کے متعلق وائسرائے ہند کے نام درج ذیل تار بھیجا:

''کشمیر سے نہایت خوفناک اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ بلا امتیاز بید زدنی کی جا رہی ہے اور گولی چلائی جاتی ہے۔ صورت حال کا اقتضا یہ ہے کہ ہز ایکسیلینسی فوری طور پر توجہ فرمائیں ورنہ انتہائی افسوسناک نتائج کا اندیشہ ہے۔''

—o—

جمعیۃ اقوام کو تار***

۳ مارچ ۱۹۳۴ء کو علامہ محمد اقبال نے مجلس اقوام کے نام اور اخبار ''لندن ٹائمز'' کو مندرجہ ذیل برقی پیغام ارسال فرمائے:

''حکومت کشمیر سیاسی ایجی ٹیٹروں کو وحشیانہ سزائے بید

---

*انقلاب: ۲۶ نومبر ۱۹۳۳ء۔
**ایضاً: ۲۴ فروری ۱۹۳۴ء۔
***ایضاً: ۶ مارچ ۱۹۳۴ء۔

زدنی دے رہی ہے۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ اس انسانیت سوز سزا کے خلاف آواز اٹھائیے۔''

—o—

فرقہ وار اعلان کے متعلق بیان*

تینوں گول میز کانفرنسوں میں فرقہ وار مفاہمت کی کوئی صورت نہ نکلی۔دوسری گول میز کانفرنس کے بعد وزیر اعظم انگلستان نے فرقہ وار مسئلہ کے متعلق اعلان کیا جو بعد میں ''وائٹ پیپر'' میں شامل ہوا۔ فرقہ وار اعلان کے متعلق علامہ سر محمد اقبال نے نمائندہ ایسوشی ایٹڈ پریس کو درج ذیل بیان ۲۲ مئی ۱۹۳۴ع کو دیا:

''میری رائے میں کانگرس کو فرقہ وار اعلان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے بجائے مسلمان اور ہندو رہنماؤں کو باہمی سمجھوتے کے لیے مشترکہ جدوجہد کرنی چاہیے۔ فرقہ وار اعلان کی مخالفت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا اختلاف اور زیادہ بڑھ جائے گا اور باہمی سمجھوتے کی امید پہلے سے بھی زیادہ موہوم ہو جائے گی۔

''میری رائے میں 'وائٹ پیپر' کی ترمیم کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ...اگرچہ اس (سوشلسٹ گروپ) کو پٹنہ میں شکست[1] ہو گئی ہے۔

---

*انقلاب: ۲۶ مئی ۱۹۳۴ع۔

۱۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا ایک اجلاس ۱۸ اور ۱۹ مئی کو پٹنہ میں ہوا۔ سوراج پارٹی کا اصرار تھا کہ کانگرس کمیٹی کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ آئندہ انتخابات کا بندوبست سوراج پارٹی کرے گی۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو کافی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کانگرس کے اندر ایک علیحدہ جماعت کے طور پر

لیکن اس کے روبرو ملک کا مستقبل ہے۔ مستقبل کا انحصار زیادہ تر اس بات پر ہے کہ یہ کانگرس سے علیحدہ ہو جائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ پنڈت جواہر لال کی اس مسئلے کے متعلق کیا رائے ہوگی۔ ... ملک میں سرمایہ دار جماعتوں کے خلاف سخت شکایت موجود ہے۔ عوام کو اس بات کی شکایت ہے کہ ضرورت کے وقت اس جماعت [سرمایہ داروں] نے ہمیشہ دھوکا دیا ہے۔ بہر حال ایسے سوشلسٹ پروگرام کی تشکیل جو تقسیم شدہ ملک کے لیے مفید ہو، حد درجہ دشوار ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ہندوستان میں سوشلسٹ خیالات کی ترویج روسی پراپیگنڈے پر مبنی ہے؛ سراسر غلط ہے۔ اہم اقتصادی تغیرات کے سلسلے میں ملک کے بہت سے عناصر کام کر رہے ہیں۔"

ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس کے لیے عام طور پر مطالبہ کیا جا رہا ہے چنانچہ میں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سیکرٹری حاجی رحیم بخش کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ انعقاد اجلاس کے مسئلے پر غور کریں۔ مولانا شفیع داؤدی کی طرف سے بھی اس موضوع کے متعلق ایک خط موصول ہوا ہے۔ میری رائے میں اکتوبر میں لاہور یا پٹنہ کے مقام پر کانفرنس کا اجلاس منعقد ہونا چاہیے۔" آخر میں فرمایا کہ "ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر کانفرنس کا اجلاس نہایت ضروری ہو گیا ہے۔"

سوراج پارٹی بنانے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ قرارداد منظور ہوئی کہ کانگرس خود انتخابات کا بندوبست کرے گی۔ (انقلاب: ۲۱، ۲۲ مئی ۱۹۳۴ء۔)

اس اجلاس میں فرقہ وار اعلان پر غور نہ کیا گیا لیکن بعد میں جب کانگرس نے اس کے متعلق رائے کا اظہار کیا کہ کانگرس نہ تو اعلان کو منظور کرتی ہے اور نہ مسترد کرتی ہے تو علامہ اقبال نے ایک بیان مورخہ ۱۹ جون ۱۹۳۴ء میں کانگرس کے اس رویے کی سخت مذمت کی۔

("Shamloo," pp. 212-13)

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی*

۶ جولائی ۱۹۳۴ء کو ہوم ڈیپارٹمنٹ نے ایک قرار داد شائع کی جس میں ملازمتوں میں اقلیتوں اور خاص کر مسلمانوں کی نمائندگی کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ پالیسی اختیار کی گئی تھی کہ ملازمتوں کی ایک خاص تعداد کو فرقہ وار توازن کو درست کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ لیکن اس سے ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا اور اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ جب تک مسلمانوں کے لیے ایک خاص تناسب مقرر نہ کیا گیا تو ان کی نمائندگی پوری نہ ہو سکے گی۔ ۶ جولائی والی قرار داد کی رو سے براہ راست پر ہونے والی اسامیوں میں مسلمانوں کے لیے ۲۵ فیصد حصہ محفوظ کیا گیا اور اگر یہ اسامیاں بذریعہ مقابلہ پر کی گئیں اور مسلمان یا دیگر اقلیتیں مقررہ تناسب حاصل نہ کر سکیں تو کمی کو بذریعہ نامزدگی پر کیا جائے گا۔ علامہ اقبال نے اس قرار داد پر تبصرہ کرتے ہوئے خان بہادر حاجی رحیم بخش کے ساتھ ۷ جولائی کو مندرجہ ذیل بیان دیا:

''آخر کار حکومت ہند نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شکایت حق بجانب ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو کافی نمائندگی دئیے جانے کے متعلق ۱۹۲۵ء میں جو پالیسی مرتب کی گئی تھی اس کا مقصد ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ حکومت نے مسلمانوں کے اس مطالبے کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ ان کے لیے ملازمتوں میں بھرتی کی فیصد شرح مقرر کر دی جائے۔ اس حد تک تو سرکاری فیصلہ اطمینان بخش ہے۔ مگر حکومت نے مسلمانوں کے لیے جتنی ملازمتیں مخصوص کر دینے کا فیصلہ کیا ہے، وہ ان کے مطالبے سے بہت کم ہیں۔ برطانوی حکومت کے فیصلے کے مطابق مرکزی مجلس آئین ساز میں مسلمانوں کا حصہ برطانوی ہند کی کل نشستوں کا ۳۳⅓ فیصد ہوگا۔ اندریں حالات سرکاری ملازمتوں

---

*انقلاب: ۱۰ جولائی ۱۹۳۴ء۔

میں مسلمانوں کے لیے کافی نیابت کا فیصلہ کرنے کے لیے اس تناسب کو چھوڑنے کی کوئی کافی وجہ نہیں۔ حقیقتاً حکومت کو چاہیے تھا کہ پچھلی کمی کو پورا کرنے کے لیے تمام خالی اسامیوں کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ کم از کم عارضی طور پر ہی مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیتی۔ جہاں تک براہ راست بھرتی کا تعلق ہے، ان کے لیے صرف ۲۰ فیصد خالی اسامیاں مخصوص ہوں گی۔ اگرچہ جو قدم اٹھایا گیا ہے وہ بالکل درست اور دلیرانہ ہے مگر مسلمانوں کا مطالبہ صرف ایک حد تک منظور کیے جانے کے باعث ان میں کسی قدر بے چینی ضرور پیدا ہوگی۔

''ایک بات جس پر ہم اس موقع پر زور دئیے بغیر نہیں رہ سکتے، یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ مختلف محکمہ جات کے انچارج افسر اور بھرتی کرنے والے حکام حکومت کی مرتب کردہ پالیسی پر صحیح جذبہ فرمانبرداری کے ساتھ ہمیشہ ہی عمل درآمد کرتے ہوں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس امر کی گہری جانچ پڑتال رکھے کہ اس کی پالیسی پر اس کے افسر کس طرح عمل درآمد کر رہے ہیں۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ملازمتوں میں مسلم نیابت زیادہ نہ ہو، انہوں نے ۱۹۲۵ء کی قرارداد کے مقصد کو بہ کامیابی زایل کر دیا ہے۔ اب حکومت کو اس بات کا لحاظ رہے کہ کہیں ۱۹۳۴ء کی قرارداد کا بھی پہلی قرار داد کا سا حشر نہ ہو۔''

— ० —

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی*

علامہ سر محمد اقبال نے سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے فیصلے کو مؤثر بنانے کے لیے ۹ جولائی ۱۹۳۴ء کو ذیل کا بیان دیا:

---

*انقلاب: ۱۱ جولائی ۱۹۳۴ء۔

''لارڈ ولنگڈن کی حکومت کے ہوم ڈیپارٹمنٹ نے ہندوستانی مسلمانوں کو انتظامی امور میں خاطر خواہ حصہ دینے کے متعلق جو اقدام کیا ہے وہ واقعی مسلمانوں کے نزدیک تعریف کے قابل ہے۔ مسلم طبقہ امید کرتا ہے کہ تسلیم شدہ اصول کو صوبجاتی حکومتوں تک بھی وسیع کر دیا جائے گا۔ ملازمتوں کے متعلق حکومت ہند نے جبکہ پرانا فارمولا ترک کر دیا ہے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ صوبجاتی حکومتیں بھی مرکزی حکومت کے ریزولیوشن کی تائید کا اعلان نہ کریں۔

''امید ہے کہ حکومت کے اس فیصلے سے ملازمتوں کے متعلق فرقہ وارانہ جھگڑے بالکل مٹ جائیں گے۔

''متنازعہ فیہ حقوق کی بہتر تقسیم ان جھگڑوں کے چکانے کا بہترین طریق ہے۔ وہ قوم جو اکثریت میں ہے اس کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے اس اقدام کا خیر مقدم کرے۔ ہمیں اس حقیقت کو بھی بالکل فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حکومت کے اس اقدام کو کئی طریقوں سے غیر مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز کہ ہر سال کے اختتام پر گوشوارے طلب کیے جایا کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ حکومت ہند کی قرارداد پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں، کچھ زور دار نہیں ہے۔ ان گوشواروں کی وقعت خبریں میسر کرنے کی ایجنسی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ حکومت کے محکموں میں جو خرابیاں ہیں، اس تجویز سے ان کا بالکل قلع قمع نہیں ہو سکتا کہ کچھ اسامیاں براہ راست پر کرنے کے بجائے ترقیوں سے پر کی جائیں اور ان ملازموں کی ملازمتوں میں توسیع کر دی جائے جو ریٹائر ہونے والے ہوں۔ ان حالات کے ماتحت حکومت ہند کی قرار داد بالکل بے کار ثابت ہوگی۔

''اس قرارداد کو مؤثر بنانے کے لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ انصاف پسند، ہوشیار اور قابل اعتماد حکام مقرر کیے جائیں

جو یہ دیکھتے رہیں کہ قرارداد پر صحیح طریقے سے عمل درآمد ہو رہا ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں ان کام کے فرائض مندرجہ ذیل ہونے چاہییں:—

۱۔ ان کو چاہیے کہ وہ ابھی سے ایسے گوشوارے تیار کریں جن میں ہر محکمے کی ملازمتوں میں فرقہ وار نمائندگی بتلائی جائے جو اب ہے۔

۲۔ وہ ان اسامیوں کا اندازہ کریں جو دوران سال میں خالی ہو جائیں گی۔

۳۔ ان اعداد و شمار کے پیش نظر انہیں چاہیے کہ وہ بتلائیں کہ ۲۵ فیصد کی نمائندگی کو پورا ہونے میں کتنا عرصہ درکار ہے۔

۴۔ انہیں چاہیے کہ وہ ہر وقت خیال رکھیں کہ تبدیلیوں، توسیعات اور عارضی ملازمتوں سے مراد کہیں یہ تو نہیں ہے کہ حکومت کی قرارداد کے اثر کو زائل کیا جائے۔

"جب تک حکومت متذکرہ صدر احتیاطیں نہیں کرے گی اس کی قرارداد ایماندارانہ خواہش سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی۔"

—o—

علامہ اقبال اور سر فیروز خان نون کا فیصلہ*

۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کو میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء اور سید امجد علی شاہ نے اپنے دستخطوں سے مندرجہ ذیل تحریر علامہ سر محمد اقبال اور سر فیروز خان نون کے حوالے کی:

---

*انقلاب: ۲۹ ستمبر ۱۹۳۴ء۔

''چونکہ لائل پور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے حلقہ انتخاب سے سید امجد علی شاہ اور میاں عبدالعزیز بار ایٹ لا لاہور سے کھڑے ہو رہے ہیں۔ لہذا ہم اپنی رضامندی سے سر محمد اقبال اور سر فیروز خان نون کو اس بات کے لیے حکم مقرر کرتے ہیں کہ ہم میں سے کس کو غیر مشروط طور پر دوسرے کے حق میں سبکدوش ہو جانا چاہیے۔ ان کا فیصلہ ناطق اور واجب التعمیل ہوگا۔''

(دستخط) عبدالعزیز بیرسٹر لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ع

(دستخط) امجد علی شاہ لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ع

''ہماری رائے میں میاں عبدالعزیز کی خدمات پنجاب کونسل کے لیے ضروری ہیں۔ لہذا ہم نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔ چونکہ ہماری قوم اس قابل نہیں کہ انتخابات پر روپیہ ضائع کرسکے۔ لہذا ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ وہ بلا مقابلہ منتخب ہوجائیں گے۔ ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ دوسرے حلقوں کے مسلمان امیدوار بھی اسی طرح انتخاب کی پریشانیوں اور اخراجات سے نجات حاصل کریں گے۔''

(دستخط) محمد اقبال (دستخط) فیروز خان نون

۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ع

—o—

جامعہ ملیہ کی اعانت کے لیے اپیل*

علامہ سر محمد اقبال نے جامعہ ملیہ دہلی کی امداد کے لیے ۲۵ فروری ۱۹۳۵ع کو درج ذیل اپیل شائع کرائی:

*انقلاب: ۲۵ فروری ۱۹۳۵ع۔

''مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ جامعہ ملیّہ کی عمارات کا سنگ بنیاد نصب ہونے والا ہے۔ میں ان تعلیمی مجاہدوں سے جنھوں نے مسلمانوں کی تعلیم کی اصلاح و ترقی کا علم بلند کیا ہے ابتدا سے دلی ہمدردی رکھتا ہوں۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء[1] اور ۱۹۲۸ء میں جو اپیلیں جامعہ کی امداد کے لیے شائع ہوئی تھیں ان پر میں نے بھی دستخط کیے تھے۔ پچھلے چند سال کے عرصے میں مجھے اکثر دہلی جانے کا اتفاق ہوا اور میرے تعلقات اس درسگاہ سے اور بھی مستحکم ہو گئے۔ اس کے کارکنوں کے ایثار اور خلوص اور جوش عمل نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ مالی پریشانی اور بے سرو سامانی کے باوجود ان لوگوں نے جو علمی اور تعلیمی خدمت انجام دی ہے، اس سے امید ہوتی ہے کہ اگر انھیں معمولی مصارف کی طرف سے اطمینان ہو اور رہنے کے لیے مکان مل جائیں تو یہ حقیقت میں ہندوستان کی تعلیمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیں گے اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دیں گے۔ میں اپنے دوست ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری کی اپیل[2] کی پر زور تائید کرتا ہوں اور ہر مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ جامعہ کی عمارت کے فنڈ میں حسب حیثیت مدد دیں۔''

محمد اقبال

— o —

''انڈیا بل'' کے متعلق بیان*

''گورنمنٹ آف انڈیا بل'' جب شائع ہوا تو اس میں فرقہ وار اعلان کو بعینہٖ شامل نہ کیا گیا۔ دیگر امور کے علاوہ ''انڈیا بل'' کی دفعہ ۳۰۴ میں فرقہ وار اعلان کی اس دفعہ کو بھی نظر انداز کر دیا گیا

۱- دیکھیے ضمیمہ۔

۲- ڈاکٹر مختار احمد انصاری امیر جامعہ ملیہ نے جامعہ کی اعانت کے لیے ۱۷ فروری ۱۹۳۵ کو اپیل شائع کرائی تھی۔

*انقلاب : ۵ جولائی ۱۹۳۵ع۔

کہ ''مجالس آئین ساز دستور سازی اور ترمیم کرتے وقت متعلقہ اقوام کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے''۔ اس صورت حال سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا اور انہوں نے ان فروگذاشتوں کو درست کرانے کے لیے جد و جہد شروع کر دی۔ علامہ سر محمد اقبال نے ایک بیان مورخہ ۳ جولائی ۱۹۳۵ء میں، جو سیٹھ عبداللہ ہارون اور مولانا شفیع داؤدی کے ہمراہ دیا گیا، فرمایا:

''اگرچہ اخبارات نے 'انڈیا بل' کی دفعہ ۲۹۹ کے متعلق بہت سے پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے لیکن فرقہ وار اعلان کی ترمیم کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ کو بعض حالات میں صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ بعض حلقوں میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمان فرقہ وار اعلان کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مسلمانوں نے فرقہ وار اعلان کو کبھی بھی اپنے سیاسی تدبر کی آخری منزل قرار نہیں دیا۔ موجودہ ایجی ٹیشن سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بین الاقوامی معاہدہ کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں کیونکہ یہی ایک صورت ہے جو فرقہ وار اعلان کی جگہ لے سکتی ہے۔

''ہم مسلمانوں کے اغراض و مقاصد کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔ مسلمان نہایت سختی کے ساتھ فرقہ وار اعلان کی ان دفعات پر قائم ہیں جن کے متعلق وزیر ہند نے بارہا یہ کہا ہے کہ وہ صرف ایک وعدہ ہے۔ 'کمیونل اوارڈ' میں ملک معظم کی حکومت نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ آئندہ دستور میں موجودہ انتخابی نظام میں ترمیم کرنے کی گنجائش رکھی جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ شرطیں بھی موجود تھیں کہ (۱) دس سال کے بعد (۲) متعلقہ اقوام کی رضا مندی سے (۳) مناسب ذرائع اختیار کیے جائیں گے۔ اس کے بعد ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو 'وائٹ پیپر' کے ذریعے سے متذکرہ اصول کی تائید مزید کی گئی۔ ملک معظم کی حکومت نے فرقہ وار اعلان میں یہ وعدہ کیا تھا کہ متعلقہ اقوام کے سمجھوتے کے بغیر اس باب میں پارلیمنٹ کے

پاس کوئی سفارش نہیں کرے گا اور اگر اس فیصلے کی ترمیم کے متعلق متعلقہ اقوام نے کسی گفت و شنید کا بندوبست کیا تو وہ اس میں حصہ نہیں لے گا۔ چنانچہ اس دعویٰ کی تائید میں ملک معظم کی حکومت نے 'پونا پیکٹ' کی مثال کو پیش کیا جو ۲۴ ستمبر ۱۹۳۲ع کو معرض وجود میں آیا تھا۔

''ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ دفعہ ۲۹۹ (جو اب ۳۰۴ بن گئی ہے) کے ذریعہ سے فیڈرل مجالس آئین کو کچھ دستوری اختیارات دیئے گئے ہیں۔ لیکن بل کے بغور مطالعہ کے بعد بھی ہمیں فرقہ وار اعلان کی وہ تین شرائط کہیں بھی نظر نہیں آئیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ فروگذاشت حد درجہ اہم ہے اور مسلمانوں کا اس پر بے چین ہونا بالکل حق بجانب ہے۔

''۲۵ جون ۱۹۳۵ع کے 'سٹیٹسمین' میں نہایت مناسب طریقہ پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ حکومت نے فرقہ وار اعلان کی اس شرط پر عمل نہیں کیا کہ وہ متعلقہ اقوام کی باہمی مفاہمت کے بغیر اس میں کوئی ترمیم نہیں کرے گی۔ اخبار مذکور کی یہ رائے مسلمانوں کے خیالات کی صحیح طریق پر ترجمان ہے۔ 'کانسٹی ٹیوشن ایکٹ' کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ بین الاقوامی اختلافات کو مٹا دے اور ان میں خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ ہندوستان کا کوئی بھی خواہ بین الاقوامی اختلافات کو تقویت دینا پسند نہیں کرے گا۔ اس لیے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ آئندہ دس سال کے اندر بین الاقوامی تعلقات باہمی میل جول کے ذریعے اس قدر خوشگوار صورت اختیار کر لیں گے کہ فرقہ وار اعلان کے بجائے کوئی دوسرا معاہدہ مرتب ہو جائے۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ کسی مصدقہ اور مخلصانہ معاہدہ کا معیار مقرر کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ 'انڈیا بل' میں یہ کہا گیا ہے کہ گورنروں، گورنر جنرل یا وزیر ہند نے اقلیتوں کے

متعلق جو ترمیم تجویز کی ہے، وہ اقلیتوں کے خیالات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہمیں اس بات سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک دفتری حکومت کی مشین اقوام کی جمہوری آرا کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ گورنر، گورنر جنرل اور وزیر ہند وغیرہ سب لوگ اکثریت کے زیر اثر رہیں گے۔

''یہ پرلے درجے کی حماقت ہے کہ اسّی ملین آبادی کے سیاسی مستقبل کو گنتی کے ان اعلیٰ حکام کے رحم پر چھوڑ دیا جائے جنہیں خود کسی بات پر قرار نہیں اور یہ لوگ حسب ضرورت رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ بہر حال ہمارے نزدیک یہ انتظام حد درجہ ناکافی اور غیر تسلی بخش ہے۔ مسلمانوں کا من حیث الجماعت مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے مطالبات کو اپنی نمائندہ جماعتوں کی وساطت سے پیش کریں گے۔

''آئندہ دستور کے تحت مسلمانوں کی رائے مندرجہ ذیل تین جماعتوں پر مبنی ہوگی:- (۱) مسلمانوں کی منظم رائے اسلامی حلقہ ہائے انتخاب پر مبنی ہوگی۔ (۲) مسلمانوں کا نقطہ خیال معلوم کرنے کے لیے صوبجات و مرکزی مجلس وضع آئین میں مسلم ارکان کا وجود۔ (۳) وزراء کی کونسل کے مسلمان ارکان بشرطیکہ ان کو مسلم ارکان کونسل کا اعتماد حاصل ہو اور وہ ہندو اکثریت کے غلام نہ ہوں۔

''مسلم نقطہ نگاہ کو معلوم کرنے کے لیے یہ تینوں طریقے بتدریج اہم ہیں اور ہر جماعت کی حیثیت اسی ترتیب کے اعتبار سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

''ہماری رائے میں فرقہ وار اعلان کی ترمیم کا مسئلہ اسلامی حلقہ ہائے انتخاب پر منحصر ہونا چاہیے اور مسلم ارکان مجالس وضع آئین اور کابینہ کو صرف اسی صورت میں مسلمانوں کا نمائندہ خیال کیا جا

سکتا ہے کہ ان دونوں جماعتوں کو اول الذکر (حلقہ ہائے انتخاب) کا اعتماد حاصل ہو۔

''ہم اس ابتدائی اصول پر قائم رہتے ہوئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان 'انڈیا بل' کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانان ہند کا مختصراً یہ مطالبہ ہے کہ وہ فرقہ وار اعلان کے پیرا گراف ۲ دفعہ ۶ کے مطابق (یہی وہ اصول ہیں جن کا ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے) 'انڈیا بل' میں شامل ہوں۔ وہ تین باتوں کے آرزو مند ہیں: (۱) دس سالہ مدت حفاظت اور اطمینان — اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اصلاحات کا نظام کم از کم دس سال کی مدت کے لیے فرقہ وار اعلان کے اصول پر مبنی ہو۔ اقلیتوں کا اعتماد اور تعاون حاصل کرنے کے لیے اس شرط پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ (۲) فرقہ وار اعلان کی ترمیم کے سلسلے میں ہر قسم کی گفت و شنید میں ان کی قومی رضا مندی اور خوشنودی کو ضروری قرار دیا جائے۔ (۳) اس کی وضاحت کی جائے کہ متعلقہ اقوام کی رضا مندی سے مقصود کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل کی جائے گی؟

''مثلاً دس سال کی مدت طے ہونے کے بعد مسلمان یہ پسند کریں گے۔ کہ (۱) ایک صوبہ میں مخلوط انتخاب کے مقابلے میں جداگانہ انتخاب کی بنا پر عام انتخاب عمل میں لایا جائے۔ (۲) اس عام جداگانہ انتخاب کے بعد مسلم ارکان مجالس کی ⅔ آرا اور (۳) متعلقہ اقوام کے نمائندوں کے درمیان جو سمجھوتہ ہو اس میں مسلمانوں کی ⅔ آرا۔

''انڈین نیشنل کانگرس نے بھی بین الاقوامی معاملات کے متعلق لیگ کانگرس کے معاہدہ ۱۹۱۶ء میں اقوام کے ⅔ آرا کے اصول کو تسلیم کیا تھا۔ ہماری رائے میں فرقہ وار اعلان کو تبدیل کرنے کے لیے اس تجویز پر عمل کرنا چنداں مشکل نہیں۔''

—o—

''انڈیا بل'' کے متعلق بیان*

مسلمانوں میں جب ''انڈیا بل'' میں خامیوں کے باعث اضطراب بڑھ گیا تو علامہ اقبال اور دیگر مسلم رہنماؤں نے ۱۸ مئی ۱۹۳۵ ع کو درج ذیل بیان اخبارات میں شائع کرایا:

'' 'انڈیا بل' کی دفعہ ۳۰۴ کے خلاف جو شورش پیدا ہو رہی ہے، اس نے جہاں کہیں نقاط کو صاف کیا ہے وہاں کئی غلط فہمیوں کی پیدائش کا بھی باعث ہوئی ہے۔ بعض حلقوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان 'کمیونل اوارڈ' کے استمرار کے حامی اور ہمیشگی کے طالب ہیں۔ یہ بیان سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس سے زیادہ کوئی بات حقیقت سے دور نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں نے 'اوارڈ' کو کبھی سیاسی تدبر کے الہام آخری کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ موجودہ شورش کے جاری کرنے کی واحد غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بین الملی راضی نامہ پیدا کرنے کی مستند 'کانسٹی ٹیوشنل' راہ، متعین، صاف اور ہموار ہو جائے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ صرف فرقہ وار راضی نامہ ہی فرقہ وار فیصلہ کی جگہ لے سکتا ہے'۔

''مسلمانوں کے دماغ میں جو کچھ ہے ہم اس کو مختصراً بیان کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان اپنے مطالبات کی بنیاد 'کمیونل اوارڈ' کی شرائط اور دفعات کی ٹھوس اساس پر رکھتے ہیں۔ 'کمیونل اوارڈ' کو وزیر ہند نے بار بار ایک عہد و پیمان سے تعبیر کیا ہے۔ ملک معظم کی حکومت نے 'کمیونل اوارڈ' کی دفعہ ۶ پارہ ۲ میں حسب ذیل تصریحات کی ہیں:

'خود دستور اساسی کے اندر ہی، اس انتخابی انتظام کی ترمیم کی ایسی صورت پیدا کی جائے گی جس کی رو سے (۱) دس سال کے

---

*انقلاب: ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ع۔

انقضاء کے بعد (۲) متعلقہ ملّتوں کی رضا مندی سے ترمیم جائز ہوگی اور (۳) متعلقہ ملّتوں کی رضا مندی کو اس معاملے میں دریافت کرنے کے لیے خاص ذرائع وضع کیے جائیں گے۔'
[ملاحظہ ہو ''کمیونل اوارڈ'' - دفعہ ۶ ، پارہ ۲-]

''اس کے بعد ملک معظم کی حکومت نے ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو اپنا مشہور 'قرطاس ابیض' شائع کیا اور اس کے دیباچے کی دفعہ ۹۴ پارہ ۲ میں مذکورہ اصول کی مزید تقویت مندرجہ ذیل عبارت کے ذریعے کی:

'ملک معظم کی حکومت نے اپنے اوارڈ میں اس امر کا عہد و پیمان اور قول و قرار کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر پارلیمنٹ کے سامنے اپنی سفارشات میں کوئی تبدیلی بغیر ملّتوں کی باہمی رضا مندی کے نہیں کرے گی۔ نیز اس اوارڈ کی ترمیم اور تبدیلی کے لیے جن مذاکرات کی سلسلہ جنبانی کی جائے گی اس میں بھی وہ خود شریک نہیں ہوگی۔'

''اس عہد و پیمان کے معنی کی تشریح کے طور پر ملک معظم کی حکومت نے، اس کے بعد، 'قرطاس ابیض' میں 'پونا پیکٹ' (راضی نامہ پونا) کا ذکر کیا ہے جو ۲۴ ستمبر ۱۹۳۲ء کو دو متعلقہ اقوام یعنی اونچ ذات کی ہندو قوم اور اچھوت قوم کے درمیان وجود میں آیا۔

''یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ دفعہ ۲۹۹ (جو اب دفعہ ۳۰۴ ہے) وفاقی مجالس آئین ساز کو دستور سازی کے کئی اہم اختیارات منتقل کرتی ہے۔ ہم اس تفویض اختیار کی پوری طرح قدر کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ہندوستانی مجالس آئین ساز کو دستور سازی اور ترمیم کے مناسب اختیارات، مناسب طریقوں کے ساتھ تفویض ہونا چاہییں۔ لیکن دو چیزیں بالکل علاحدہ، جدا گانہ اور مستقل وجود رکھتی ہیں اور ہمیں اس بنیادی حقیقت کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایک

چیز مجالس آئین ساز ہے اور دوسری چیز اقوام ہند ہیں۔ دونوں باہم مترادف نہیں ہیں۔ ہم نے بار بار 'انڈیا بل' کی ایک ایک دفعہ، گوشہ اور پہلو کو دیکھا، جانچا اور تولا لیکن کہیں بھی ہمیں اقوام متعلقہ کی سرخی کے متعلق مذکورہ تین وعدوں کا ذکر نہیں ملا جن کی تصریح اس شد و مد کے ساتھ محولہ بالا الفاظ میں 'کمیونل اوارڈ' دفعہ ۶، پارہ ۲ کے اندر کی گئی ہے۔

''ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک نہایت ہی اہم اور سنگین فرو گذاشت ہے اور مسلمانان ہند اس کو نہایت تردد، تشویش اور بد گمانی کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

'''سٹیٹسمین' مورخہ ۲۵ جون ۱۹۳۵ء اپنے نوٹ میں بجا طور سے یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ:

'یہ دفعہ فی الحقیقت 'کمیونل اوارڈ' کے اس وعدے سے روگردانی یا دوری کی مظہر ہے کہ بغیر اقوام متعلقہ کی رضا مندی کے جن پر اس کا اثر ہوگا کوئی ترمیم فرقہ وار فیصلے میں نہ کی جائے گی۔'

''یہ تبصرہ مسلم رائے عامہ کا ترجمان ہے۔ اس نوٹ کے آخر میں اس کا جو چارۂ کار تجویز کیا گیا ہے ہم اس کی عملی اور اخلاقی بنیاد کی تردید کرنے میں تیزی اور عجلت سے کام لینا اپنا فرض محسوس کرتے ہیں۔ نوٹ کے آخر میں یہ چارۂ کار تجویز کیا گیا ہے کہ اگر ہندو یو۔ پی۔ اور بہار میں مسلم نیابت کو ختم کرنے کے درپے ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے پنجاب اور سرحد میں انتقامی کارروائی کرنے کا موقع حاصل ہے۔ اقلیات کو انتقاماً نیابت کے حقوق سے محروم کر دینے کی پالیسی خواہ اس پر بہار اور یو۔ پی۔ کی ہندو اکثریت عمل پیرا ہو یا پنجاب اور سرحد کی مسلم اکثریت ہندوستان کو ایک 'سول وار' (خانہ جنگی) کے جہنم زار میں تبدیل کرنے والی پالیسی ہوگی۔ کسی صحیح الخیال ہندوستانی کا یہ

مطمح نظر نہیں ہو سکتا ۔ 'کانسٹی ٹیوشن ایکٹ' کا یہ فرض ہے کہ وہ اقوام ہند کے درمیان اس طرح کی اعلانیہ آویزش اور تصادم کے امکانات کو کم سے کم کرنے کی سعی کرے ، نہ یہ کہ اس کو بڑھانے کی خاص تدبیر اختیار کرے ۔ اس کا فرض ہے کہ وہ فرقہ وار راضی نامہ کے ارتقا کی راہ ہموار کرنے کی ہر ممکن صورت پیدا کرے ۔ کوئی محب وطن ہندوستانی بین الملی مناقشات کی ہمیشگی اور بقا کا خواہاں نہیں ہے ۔ ہم مخلصانہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آئندہ دس سال کے اندر دستور اساسی کا صوبجات میں تعمیری عمل و دخل لوگوں میں اشتراک مفاد اور اتحاد جذبات کی کافی مقدار پیدا کردے گا جو ایک خالص ، حقیقی اور مستند راضی نامہ کی پیدائش کو آسان بنا دے گا اور یہ صرف فرقہ وار راضی نامہ ہی ہے جو فرقہ وار فیصلہ کا بدل ہو سکتا ہے ۔

''اقوام متعلقہ کے درمیان ایک خاص ، حقیقی اور مستند راضی نامہ کے دریافت کرنے کی کونسی عملی کسوٹی ہو سکتی ہے ؟ 'انڈیا بل' سے یہ پایا جاتا ہے کہ گورنر جنرل اور وزیر ہند مجوزہ ترمیمات کے اقلیات کے مفاد پر اثر کے تعلق میں جو بیان اپنی ذاتی رائے کا دیا کریں گے وہ اقلیات کی مرضی دریافت کرنے کے لیے کافی و شافی ذریعہ تصور کیا جائے گا ۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ افسران حکومت اقلیات کی فیصل شدہ رائے اور مرضی کے مستند ذرائع ترسیل ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہ ماننے سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ یہ دفتری مشینری کبھی تن تنہا اقوام کی جمہوری رائے کی حقیقی ترجمان اور وکیل ہو سکتی ہے ۔ گورنر ، گورنر جنرل اور سیکرٹریز آف سٹیٹ (وزرائے سلطنت) خاص مقاصد رکھنے والی پارٹیوں کی مخلوق ہوں گے ۔ خاص وزارتوں کے بنائے ہوئے ہوں گے ۔ وقتی مصالح کے آوردہ اور سرکاری مفاد کے گماشتہ و کارندہ ہوں گے ۔ علاوہ بریں وہ کامل صوبائی سوراج کے نظام حکومت کے ماتحت ، ہمیشہ اکثریت کے زیر اثر رہنے پر مجبور ہوں گے ۔ آٹھ کروڑ نفوس کی ایک عظیم الشان قوم کی

سیاسی تقدیر کو سلطنت کے چند ایسے حکام بالا کی من مانی مرضی یا ذاتی وہم و خیال پر موقوف، و منحصر بنا کر چھوڑ دینا ، جن کی سیاست ، رنگت اور حالت ہر وقت متغیر رہتی ہے ، ایک نا معقول حرکت ہوگی۔ اس نظام کی کمترین تعریف یہ ہے کہ یہ سراسر نا کافی اور بالکل نا تشفی بخش ہے۔ مسلم قوم اپنے سیاسی مقدمہ کی خود اپنے منتخب شدہ نمائندوں کے مستند واسطہ سے ترجمانی کے حق کی طالب ہے۔

''آئندہ دستور ہند کے نظام جدید کے ماتحت مسلم رائے عامہ کے نمائندگان کے تین منظم طبقات ہوں گے :

اولین اہم ترین اور بنیادی چیز ، منظم مسلم رائے عامہ کی مسلم بالغین کی فہرست ہوگی۔ اور اس سے مراد وہ حلقہ رائے دہندگان ہے جن کا نام ووٹرز رول پر درج ہوتا ہے اور جو مقامی اور مرکزی انتخابات میں حصہ لینے کا مجاز اور مختار ہوتا ہے۔ مجالس آئین ساز کے مسلم ممبران ، ان ہی مسلم رائے دہندگان کے اجتماعی فیصلے کی مخلوق ہوں گے۔

۲- مسلم رائے عامہ کا دوسرا مستند 'آرگن' یعنی صوبائی و مرکزی مجالس آئین ساز کے مسلم ممبروں کی جماعتیں اس حد تک مسلم رائے عامہ کی ترجمان ہوں گی کہ وہ مسلم رائے دہندگان کی منتخب کردہ ہوں گی۔ لیکن واضح رہے کہ ہر معاملے میں ان کی رائے بھی مستند نہیں ہوگی اور اہم اور نئے معاملات میں تازہ الیکشن کے ذریعے قوم کی رائے دریافت کرنا ضروری ہو گا۔

۳- مسلم رائے کے دریافت کرنے کا تیسرا معین 'آرگن'، بعض حالات میں ، صوبائی یا مرکزی کابینہ ہائے حکومت کے ذمہ دار مسلم وزراء کی جماعت ہو سکتی ہے ، بشرطیکہ وہ مسلم ارکان مجلس آئین ساز کے معتمد علیہ ہوں اور محض ہندو اکثریت کی مخلوق نہ ہوں۔

''مسلم رائے عامہ کے یہ تین معین مظہر کم و بیش اہم ہیں۔

سب سے زیادہ اہم مسلم رائے دہندگان کی منظم جماعت ہے۔ اس کے بعد مسلم ارکان مجالس آئین ساز کی منظم جماعت ہے اور سب سے آخری درجہ اہمیت اور سند کا مسلم ارکان کابینہ کا ہے۔ مسلم رائے دہندگان کی جماعت مسلم پالیسی اور قومی فیصلہ کی اصلی مالک و مختار ہوگی۔

''ہماری یہ قطعی رائے ہے کہ 'کمیونل اوارڈ' کی آئندہ ترمیمات کے اہم ترین سوالات کے تعلق میں مسلم رائے عامہ کے اظہار اور فیصلے کا اختیار صرف مسلم حلقہ رائے دہندگان کی منظم و متعین جماعت ہی کے ہاتھ میں ہو سکتا ہے اور مجالس آئین ساز کے مسلم ارکان کی جماعت یا کابینوں کے مسلم وزراء کی جماعت اسی حد اور اسی زمانے تک مسلم رائے عامہ کی مستند مظہر مانی جائے گی، جب تک مسلم رائے دہندگان کی بنیادی اور اصلی جماعت کی رائے ترجمان اور اعتماد کی حامل رہے گی۔

''اس ابتدائی اصلی اور بنیادی اصول کی اساس پر اپنے خیال کو مبنی کرتے ہوئے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانان ہند 'انڈیا بل' میں کیا چیز شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اجمالاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اس سے زیادہ اور اس سے کم کوئی چیز نہیں چاہتے کہ 'کمیونل اوارڈ' دفعہ ٦ پیرا ۲ کے مذکورہ تین وعدوں کو 'انڈیا بل' میں بالتصریح درج کردیا جائے۔

''۱۔ اول یہ کہ 'کمیونل اوارڈ' کو حسب قرارداد دس سال کی مدت کے لیے بعینہ برقرار رکھا جائے اور اس دس سال کے زمانے کو معاملات کے داخلی بندوبست اور اقلیات کی مامونیت کی ضمانت کے لیے ضروری تصور کیا جائے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ کم سے کم آئندہ دس سال تک دستور ہند کی تمام اصلاحات کی بنیاد 'کمیونل

اوارڈ' کے اصول پر رکھی جائے۔ یہ ابتدائی زمانہ اقلیات کے خوش دلانہ تعاون کے حاصل کرنے اور ان کے دل میں اپنی مامونیت کا احساس اطمینان پیدا کرنے کے لیے لازمی اور ضروری زمانہ ہے۔ اس کے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اقوام اور اقلیات ہند کی باہمی رضامندی، خوش دلانہ تعاون باہمی اور ان کا دلی احساس اطمینان ہی وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے ملک میں مشترکہ شہریت اور وطنیت کے تخیل کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔

''۲۔ ثانیاً مسلم قوم، فرقہ وار فیصلے کے عہد و قرار کے مطابق اس کی طالب ہے کہ ان کی قومی مرضی اور جمہوری رضامندی کو 'کمیونل اوارڈ' کی ترمیم کی ابتدائی کارروائی گفت و شنید اور انجام رسانی کی اولیں لازمی شرط قرار دی جائے۔ فرقہوار فیصلہ، جدا گانہ نیابت اور جدا گانہ انتخاب مسلم قوم کے مطالبات کا نتیجہ ہیں۔ مسلم قوم ان تحفظات کی طالب اور محتاج رہی ہے اور وہی بتلا سکتی ہے کہ کب اس کو ان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

''۳۔ ثالثاً مسلم قوم اس کی بھی طالب ہے کہ دستور اساسی کے اندر اقوام متعلقہ کی باہمی رضا مندی کو دریافت کرنے کے لیے خاص ذرائع کی تصریح اور تعریف کر دی جائے تاکہ شک وشبہ اور ابہام کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔

''مثلاً مسلم قوم ایک اس نوعیت کی صورت اصلاح چاہتی ہے جو دستور اساسی کی رو سے ابتدائی دس سال کے زمانۂ ضمانت و بندوبست کے انقضاء کے بعد مندرجہ ذیل تین طریقہ ہائے عمل کو 'کمیونل اوارڈ' کی ترمیم کے لیے ضروری قرار دے:

''۱۔ اول یہ کہ دس سال کے زمانۂ ضمانت کے ختم ہونے کے بعد جو صوبہ 'کمیونل اوارڈ' کی ترمیم کا طالب ہو، وہ جدا گانہ انتخاب اور مخلوط انتخاب کے سوال پر ایک انتخاب عام کرائے۔

''۲- دوم یہ کہ جدا گانہ اور مخلوط انتخاب کے سوال پر عام الیکشن کے بعد جو نئی مجلس آئین ساز مرتب ہو اس کے اندر اسی سوال کا دوبارہ فیصلہ رائے شماری کے ذریعے کیا جائے اور مسلم قوم کی تین چوتھائی اکثریت کی حمایت ترمیم کے حق میں حاصل کرنا تبدیلی کے لیے ضروری اور لازمی تصور کیا جائے۔

''۳- سوم یہ کہ اقوام متعلقہ (ہندو اور مسلم) کے مستند نمائندگان کے درمیان ایک باہمی راضی نامہ طے کیا جائے جس کے اندر مسلم نمائندگان مجلس آئین ساز کی تین چوتھائی حمایت کا ریزولیوشن اور آئندہ ہندو مسلم نیابت اور حقوق کے متعلق ضروری بندوبست کی شرائط درج ہوں۔ اس راضی نامہ کے مناسب ذرائع تصدیق و توثیق اور اجرا اور نفاذ کا بھی سامان ہونا چاہیے۔

''خود انڈین نیشنل کانگرس لکھنؤ کی 'لیگ کانگرس پیکٹ' دسمبر ۱۹۱۶ع کی رو سے اقوام متعلقہ تین چوتھائی ووٹ کو بین الملی معاملات کی ترمیم و تبدیلی کی لازمی شرط کے طور پر تسلیم کر چکی ہے۔ ہم نہیں دیکھتے کہ اس معقول اور مستند ذریعہ ترمیم کے تسلیم کرنے میں کونسی رکاوٹ ہو سکتی ہے . . .''

— o —

مسلمانان پنجاب کے نام اپیل*

آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ع کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے ایک ''سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ'' اور مختلف صوبوں میں پراونشل

---

*یہ اپیل میکیگن پریس، لاہور سے چھپوا کر علحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کی گئی۔

پارلیمنٹری بورڈ بنائے۔ پنجاب میں ایک بورڈ علامہ سر محمد اقبال کی صدارت میں بنا - ۸ مئی ۱۹۳۶ء کو مسلمانان پنجاب کے نام درج ذیل اپیل مسلم لیگ اور محمد علی جناح کی حمایت میں علامہ اقبال اور ۱۴ دیگر مسلمان رہنماؤں کے دستخطوں سے چھپوا کر تقسیم کی گئی:

"گیا دور سرمایہ داری گیا تماشہ دکھا کر مداری گیا

شاعر مشرق

مسلمانان پنجاب کے نام

اہم اپیل

"برادرانِ اسلام! آپ کو معلوم ہوگا کہ چند مہینوں میں نئے آئین کے تحت صوبائی اسمبلیوں کا انتخاب ہونیوالا ہے۔ صوبے کی تمام سیاسی پارٹیاں انتخاب کے ہنگامے میں حصہ لینے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ پنجاب پراونشل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے بھی سنٹرل الیکشن بورڈ کے مطابق ان انتخابات میں حصہ لینے کا عزم صمیم کیا ہے۔

"بطل جلیل مسٹر محمد علی جناح ان قابل فخر مسلم رہنماؤں میں سے ہیں جن کی سیاسی دانش ہمیشہ مسلمانوں کے لیے صبر آزما وقتوں میں مشعل راہ کا کام دیتی رہی ہے۔ جس خلوص اور عزیمت سے انھوں نے مسلمانان ہند کی تمام اہم اور نازک موقعوں پر خدمت کی ہے، اس کے لیے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے سر عقیدت و احترام سے جھکے رہیں گے۔ ان کی تازہ ترین خدمت شہید گنج کے سانحِ المناک سے متعلق ہے۔ جس وقت کہ تمام صوبہ شہید گنج کے واقعہ خونچکاں کی وجہ سے خوف و ہراس سے سرا سیمہ تھا۔ اور مسلمانوں کے جلیل القدر رہنما اور سرفروش رضا کار قید میں ٹھونس دئیے گئے تھے اور تقریباً تمام اسلامی پریس ضمانتوں اور ضبطیوں کے بار گراں سے عضو معطل بنا ہوا تھا اور پنجاب کے نام نہاد رہنما منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر اپنے فلک بوس محلوں میں محو عشرت تھے، اس وقت

مسٹر جناح ہی تھے جو بمبئی سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے پنجاب کے مسلمانوں کے زخمی دلوں پر مرہم لگانے کے لیے فرشتہ رحمت بن کر نمودار ہوئے۔ ان کی تشریف آوری سے صوبے کی تمام فضا یکسر بدل گئی، رہنماؤں اور رضا کاروں کو قید و بند کی مصیبتوں سے رہا کر دیا گیا اور ضمانتوں اور ضبطیوں کی تیز تلوار جو اسلامی پریس کے سر پر لٹک رہی تھی، ہٹا لی گئی۔ ان پاکیزہ خدمات کو یاد کر کے آج بھی ہر احسان شناس پنجابی مسلمان کا دل تشکر و امتنان کے جذبات سے مسحور ہو جاتا ہے۔

''ان کی سب سے آخری خدمت جو ان کی سیاسی بصیرت پر دال ہے، اس سکیم کی صورت میں جلوہ گر ہوئی ہے جس کے تحت تمام صوبوں میں انتخابات مسلم لیگ کے جھنڈے تلے لڑے جائیں گے اور اس طرح مسلمان ان کھرے اور قابل اعتماد ارکان کو اسمبلی میں بھیجنے کے قابل ہو سکیں گے جو قوم اور وطن کے مفاد عالیہ کے لیے ہر ممکن قربانی اور ایثار کرنے کو تیار ہوں گے۔ چنانچہ 'پنجاب پراونشل پارلیمنٹری بورڈ' کی تشکیل اسی منشاء کے مطابق کی گئی ہے جس کی صدارت کی باگ ڈور دنیائے اسلام کے سب سے بڑے جلیل القدر فرزند حضرت علامہ سر محمد اقبال مدظلہ کے ہاتھ میں ہے۔

''حضرات! آپ لوگوں پر مخفی نہ رہے کہ اس صوبے میں نام نہاد یونینسٹ پارٹی بھی انتخابات میں حصہ لے رہی ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ مسلمانان پنجاب کی وحدت کو دیہاتی اور قصباتی تقسیم کے ناپاک اور غیر اسلامی حربے سے پارہ پارہ کرنے کے ذمہ دار ہیں اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی عالمگیر اخوت کو اقتصادی مفاد کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ افسوس! کہ یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اسلام دنیا میں مادی بنیادوں پر انسانیت کے بکھرے ٹکڑوں کو جوڑنے نہیں آیا بلکہ آراء اور افکار کی یک جہتی پر انسانیت کے قصر رفیع کو

استوار کرنے کے لیے آیا تھا ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں ، ہندوؤں اور سکھوں کا باہمی اتفاق ہندوستان کے قصر آزادی کی پہلی اینٹ ہے اور اسمبلی کے اندر جا کر ہمارا بھی مسلک آزاد خیال اور محب وطن ہندوؤں ، سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ سیاسی تعاون ہوگا ، لیکن ہم ایک لمحے کے لیے بھی اسلام کے بلند ترین مقاصد کو پس پشت ڈال کر اپنی خود غرضیوں اور جاہ پرستیوں کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے غیر مسلموں کے ہاتھ اپنے اصولوں کو فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ 'سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ' کا منشاء صرف یہ ہے کہ قابل مسلمان صوبائی اسمبلیوں میں بھیجے جائیں ۔ اور 'سنٹرل لیجسلیچرس' متحدہ آواز سے مسلمانوں کے حقوق کی کما حقہ حفاظت کرسکیں ۔

''حضرات! پنجاب اسمبلی میں جو مسلمان ارکان لیگ کے ٹکٹ پر جائیں گے وہ 'سنٹرل الیکشن بورڈ' کے سامنے اپنے تمام افعال و اعمال کے لیے جواب دہ ہوں گے ۔ وہ قوم اور ملک کے خادم بن کر جائیں گے اور اگر قوم و وطن کے مفاد عالیہ کے لیے انھیں بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرانا ہوا تو وہ کبھی اس سے دریغ نہ کریں گے ۔

''اس لیے ہم اسلام کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ نام نہاد رہنماؤں کے جل میں نہ آئیں اور صرف ان امیدواروں کو ووٹ دیں جو اپنے آپ کو 'مسلم لیگ بورڈ' سے وابستہ کر چکے ہیں ۔''

الـداعـيـان الى الـخـيـر

۱۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم ۔ اے ۔، پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔، بار ایٹ لاء، جاوید منزل ، لاہور ۔

۲۔ خان بہادر ملک زمان مہدی خان ایم ۔ ایل ۔ سی ۔ ، ڈپٹی کمشنر (ریٹائرڈ) ۔

۳۔ ملک برکت علی ایم ۔ اے ۔، ایل ۔ ایل ۔ بی ۔، بیرسٹرایٹ لاء، لاہور ۔

۴۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ایم۔ اے۔، ایل۔ ایل۔ ڈی۔، بیرسٹر ایٹ لا، لاہور۔

۵۔ نواب زادہ مظفر علی خان قزلباش بیرسٹر ایٹ لا، لاہور۔

۶۔ نواب زادہ رشید علی خان، لاہور۔

۷۔ آنریبل راجہ غضنفر علی خان ممبر کونسل آف سٹیٹ، پنڈدادنخان، ضلع جہلم۔

۸۔ سید کریم بخش حیدری چیف سیکرٹری، پنجاب شیعہ کانفرنس، علی پور، ضلع مظفر گڑھ۔

۹۔ سید تصدق حسین بی۔ اے۔، بھیرہ، ضلع شاہ پور۔

۱۰۔ خان صاحب شیخ محمد حسین سینئر سب جج (ریٹائرڈ)، لاہور۔

۱۱۔ شیخ محمد معظم قریشی بی۔ اے۔، ایل۔ ایل۔ بی۔، پلیڈر، آنریری سیکرٹری مسلم لیگ، ملتان۔

۱۲۔ شیخ اکبر علی بی۔ اے۔، ایل۔ ایل۔ بی۔، ایڈووکیٹ، لاہور۔

۱۳۔ پیرتاج دین۔، بی۔ اے۔، بیرسٹر ایٹ لا، لاہور۔

۱۴۔ مولوی عبدالحنان (جمعیت العلماء) خطیب آسٹریلیا مسجد، لاہور۔

۱۵۔ غلام رسول خان بی۔ اے۔، بیرسٹر ایٹ لا، سیکرٹری، پارلیمنٹری بورڈ، لاہور۔

—o—

یوم غالب پر پیغام*

۱۰ فروری ۱۹۳۷ء کو 'انجمن اردو پنجاب' کی طرف سے 'یوم غالب' زیر صدارت پنڈت برجموہن کیفی وائی - ایم - سی - اے - ہال، لاہور میں منعقد ہوا - سب سے پہلے انجمن کے سیکرٹری میاں بشیر احمد نے علامہ اقبال کا پیغام پڑھ کر سنایا جو انہوں نے خاص طور پر 'یوم غالب' کے لیے بھیجا - پیغام درج ذیل ہے:

''اپنا پیغام تو میں کیا دوں گا البتہ غالب کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو آج یوم غالب منا رہے ہیں - ان کا پیغام یہ ہے: ؎

بگذر از مجموعۂ اردو کہ بی رنگ من است

''مرزا آپ کو اپنے فارسی کلام کی طرف دعوت دیتے ہیں - اس دعوت کا قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے - لیکن اگر آپ اسے قبول کرنے کا فیصلہ کرلیں تو ان کے فارسی کلام کی حقیقت اور ان کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے - اول یہ کہ عالم شعر میں مرزا عبدالقادر بیدل اور مرزا غالب کا آپس میں تعلق ہے - دوم یہ کہ مرزا بیدل کا فلسفہ حیات غالب کے دل و دماغ پر مؤثر کہاں تک ہوا اور مرزا غالب اس فلسفہ حیات کو سمجھنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے - مجھ کو یقین ہے کہ اگر آج کل کے وہ نوجوان جو فارسی ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس نقطہ نگاہ سے مرزا غالب کے فارسی کلام کا مطالعہ کریں تو بہت فائدہ اٹھائیں گے -''

—o—

*انقلاب: ۲۱ فروری ۱۹۳۷ء -

مسلم انڈیا سوسائٹی اور مسلم لیگ*

رسالہ ''ثروتھ'' کی اشاعت مورخہ ۴ مئی ۱۹۳۷ء میں ایک مضمون بعنوان ''مسلم انڈیا سوسائٹی'' شائع ہوا۔ اس سے لوگوں کے دل میں ایک غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال تھا کہ علامہ اقبال آل انڈیا مسلم لیگ کے بجائے کوئی دوسری جماعت بنانے کے آرزو مند ہیں۔ اس سلسلے میں میاں محمد شفیع نے علامہ اقبال سے دریافت کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''آل انڈیا مسلم لیگ کو توڑنے کا خیال میرے دماغ سے اس قدر بعید ہے جس قدر کہ ممکن ہوسکتا ہے۔ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی سب سے پرانی سیاسی جماعت ہے جسے تمام مسلمانوں کا مکمل اعتماد حاصل ہونا چاہیے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ اس کی عنان قیادت مسٹر محمد علی جناح ایسے رہنما کے ہاتھ میں ہے جنہیں تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔

''مسلم انڈیا سوسائٹی جس کے متعلق میں نے درّانی صاحب اور دوسرے دوستوں کو مشورہ دیا تھا، میرے خیال میں سیاسی جماعت نہیں ہونا چاہیے۔ درّانی صاحب کو میرا مشورہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کے اقتصادی پہلوؤں کے متعلق پر جوش ذہنی انہماک پیدا کرنے کے متعلق تھا تاکہ ہماری نوخیز نسلیں اخلاق سرگرمیوں سے بیش از پیش بہرہ مند ہوں۔ اگر اس قسم کی سوسائٹی کا قیام معرض وجود میں آئے تو میری عمیق ترین ہمدردی اس کے ساتھ ہوگی۔''

—o—

---

*انقلاب: ۷ مئی ۱۹۳۷ء۔

انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے استعفیٰ*

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کی ایک قرار داد کے مطابق انجمن کے چند ممبروں پر مشتمل ایک وفد ۲۱ جولائی ۱۹۳۷ع کو علامہ سر محمد اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ وہ انجمن کی صدارت سے اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ وفد نے اس سلسلے میں علامہ موصوف سے استدعا کی کہ اس وقت چند در چند غلط فہمیوں کے زیر اثر بعض سر کردہ حضرات اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے رہے ہیں اس لیے اس وقت وہ اپنی سر پرستی سے انجمن کو محروم نہ کریں، تاکہ مسلمانوں میں کسی قسم کی غلط فہمی اور بے چینی پیدا نہ ہوجائے۔ علامہ موصوف نے وفد کے جواب میں فرمایا کہ ”جن وجوہ کی بنا پر دیگر حضرات انجمن سے مستعفی ہوئے ہیں، میرے استعفیٰ کی وہ وجوہ نہیں۔ اب سے چھ ماہ پیشتر میں نے انجمن کو استعفیٰ بھیجا تھا مگر انجمن نے اسے منظور نہ کیا۔ اب میری صحت مجھے ایسی سر گرمیوں کی اجازت نہیں دیتی۔ ڈاکٹروں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں ذمہ داری کا بوجھ نہ اٹھاؤں۔ میں بدستور حتی المقدور انجمن کی خدمت کرتا رہوں گا۔“

— ٥ —

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام**

۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ع کو 'پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن' کے زیر اہتمام حبیبیہ ہال میں ایک جلسہ زیر صدارت ملک برکت علی منعقد ہوا - علامہ اقبال نے فیڈریشن کے نام درج ذیل پیغام بھیجا:

---

*انقلاب : ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ع -

**ایضاً : ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ع -

''میں مسٹر جناح کے ایک ایک حرف[1] کی تائید کرتا ہوں۔ مسلمان نوجوانوں کو اس سے بہتر کوئی مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ مجھے مسرت ہے کہ مسلم طلبہ کو موجودہ صورت حال کی نزاکت اور اس کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔''

—o—

مسلم طلبہ کے نام پیغام*

مسٹر محمد نعمان آرگنائزنگ سیکرٹری آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں علامہ اقبال کو کلکتہ کی آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں آپ نے درج ذیل مکتوب ارسال کیا: (خط انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ ''انقلاب'' مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو شائع ہوا۔)

''ڈیر مسٹر نعمان!

السلام علیکم۔ میں بہت خوشی سے کلکتہ کی آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کی صدارت کی دعوت قبول کرلیتا لیکن بد قسمتی سے طویل علالت نے مجھے اس امر کے ناقابل کر دیا ہے کہ میں ملک کی تازہ تحریکات میں کوئی سر گرم حصہ لے سکوں۔ تین سال کی مسلسل علالت نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا ہے۔ میری نظر

---

(۱) مسٹر جناح نے اپنے پیغام میں فرمایا:

''...آجکل مسلمانوں کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اپنی تنظیم کریں اور ہندوستان کی واحد اسلامی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ایک محاذ پر جمع ہو جائیں۔ ہماری امیدیں نوجوانوں سے وابستہ ہیں جنھیں عنقریب مستقبل کا بوجھ اور ذمہ داری اٹھانی پڑے گی ...... میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خیال آرائیوں سے گمراہ ہونے کے بجائے حقائق کی روشنی میں عملی کام کرکے دکھائیں۔ میں آپ کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں۔''

*انقلاب: ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

کمزور ہو رہی ہے اور ڈاکٹروں نے مجھے پڑھنے لکھنے کی ممانعت کر رکھی ہے بہر کیف میں آپ کے اس نیک اقدام کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں اور مجھے امید ہے کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل اس نازک سیاسی دور کی اہمیت کو سمجھے گی جس میں سے آجکل مسلمانان ہند گزر رہے ہیں۔

''مخالف قوتوں سے ہرگز نہ ڈرو۔ ان سے جدوجہد جاری رکھو کیونکہ جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔''

میاں رشید احمد اپنے والد اور بھائیوں کے ہمراہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کی درج ذیل روئداد* ۳ فروری ۱۹۳۸ء کو ''انقلاب'' میں شائع ہوئی:

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہین زیر دام آیا

یوں تو میں بچپن ہی سے ترجمان حقیقت جناب علامہ اقبال کے کلام کو دلچسپی اور شوق سے پڑھا اور سنا کرتا تھا۔ اور دعائیں مانگا کرتا تھا کہ کبھی اس جلیل القدر ہستی کی قدم بوسی کا فخر نصیب ہو۔ لیکن تحصیل علم کی گونا گوں مصروفیتوں نے ہمیشہ رکاوٹیں ہی پیدا کیں۔ زندگی کی پندرہ سولہ بہاریں گزرنے کے بعد سال گذشتہ کے موسم خزاں میں بوجہ بخار چند دنوں کے لیے ڈاکٹری مشورے کے تحت علمی و درسی مشاغل کو معرض التوا میں ڈالنا پڑا۔ اس جبری تعطیل کے دوران علامہ ممدوح کے کلام کا مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ جب سے ''یوم اقبال'' منانے کی تجویز شائع ہوئی تھی، ایک دیرینہ آرزو اور خواہش چمک اٹھی کہ چند

---

*انقلاب: ۳ فروری ۱۹۳۸ء۔

لمحے عالمگیر شہرت رکھنے والے اقبال کے قدموں میں بیٹھوں اور درس خودی و حریت کی اس جیتی جاگتی تصویر کو اپنی انتظار بھری آنکھوں سے دیکھوں ۔ چنانچہ اسی جذبے کے تحت میں نے جناب علامہ کی خدمت میں تحریری عریضہ بدیں عنوان

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ

ارسال کیا اور چند لمحوں کے لیے شرف باریابی بخشنے کے لیے درخواست کی ۔ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی وساطت سے اجازت نامہ مل گیا اور میں مع اپنے بھائیوں کے جو تعداد میں پانچ تھے، اور جن میں سب سے چھوٹے کی عمر تقریباً ۸ سال ہے سیالکوٹ سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا ۔ میرے دو بڑے بھائی اور والد محترم بھی دہلی سے پہنچ کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے اور گیارہ بجے دن کے قریب یہ بچوں کا وفد اپنے والد کی قیادت میں جاوید منزل تک پہنچا ۔ جہاں مشرق کے شاعر اعظم کو جس کا فلک پیما تخیل حقیقت کی بلند ترین فضاؤں میں پرواز کرتا ہے جاوید منزل کے صحن میں ایک چارپائی پر دیکھا ۔ پہنچتے ہی ہمیں علامہ ممدوح کی خدمت میں پیش کیا گیا اور جس جلیل القدر شخصیت کے متعلق طرح طرح کے خیالات میرے دل میں تھے کہ خدا جانے رسائی بھی ممکن ہوگی یا نہیں، اس عالمگیر شہرت رکھنے والے تک پہنچنے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کرنے پڑیں گے ۔ وہ ایک علیل اور نحیف ہستی تھی ۔ ایک چارپائی جس پر صرف ایک دری اور تکیہ تھا اور دنیا کی یہ عزیز ترین متاع سورج کی دھوپ میں بظاہر استراحت فرما، لیکن کسی گہری سوچ بچار میں مصروف نظر آئی ۔ دیکھتے ہی بے اختیار یہ شعر میرے لبوں تک آ کر رہ گیا :

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

لیکن پاس ادب نے زبان پر مہر لگا دی - جناب ممدوح نے بکمال محبت و شفقت اپنے قریب بلایا - خود بھی اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئے - اپنے خلوص بھرے انداز میں ہم سب سے مصافحہ فرمایا اور اپنے ارد گرد کرسیوں پر بٹھا لیا اور رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ ''اے بچو تم کب آئے - جب موتیا اتر آنے کی وجہ سے میں تم کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکتا - آؤ بیٹھو-'' جب میں نے بغور چہرہ مبارک پر ایک نظر ڈالی تو آنکھیں پر نم تھیں اور فرما رہے تھے کہ ''میں تم کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا -'' مجھ سے لے کر میرے چھوٹے بھائی تک ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہم کسی اپنے ہی خاندان کے ایک بزرگ کے ارد گرد جمع ہیں - ہم تو سب محو حیرت تھے اور دم بخود - آخر والد محترم نے ہماری ترجمانی کرتے ہوئے خدمت عالیہ میں گذارش کی کہ عالیجاہ یہ ننھے ننھے طالب علم مدت سے آپ کو دیکھنے کے مشتاق تھے - اپنے پندو نصائح سے ان کو مستفیض فرمائیے اور ان کے لیے دعائے خیرو برکت فرمائیے - اس پر جناب علامہ نے دھیمی لیکن رقت آمیز اور پر سوز آواز میں ہم سب بھائیوں کو مخاطب فرمایا :

''دیکھو تم ہی کو اب یہاں رہنا ہے - ہم تو مسافر ہیں - یاد رکھو مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے - زمانے کے ساتھ ضرور چلنا چاہیے ، لیکن اپنے دامن کو اس کے بد اثرات سے آلودہ نہ ہونے دو - میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے - کلام مجید کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو -''

اس دوران آپ پر ایک رقت طاری تھی اور آواز بوجہ ضعف اور زیادہ دھیمی ہو گئی - آپ نے پانی کا گھونٹ کئی مرتبہ پی کر پھر فرمایا کہ

''تم ابھی بچے ہو، سمجھ نہ سکو گے کہ قرآن مجید کیونکر مسلمانوں کی جائے پناہ ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے وقت درکار ہے۔ خدا کرے تم ننھے ننھے جذبات کو خودی اور اولوالعزمی میں تبدیل کر سکو۔ دین و دنیا میں ترقی کرو۔ نماز و تلاوت قرآن شریف اپنا شعار بنا لو۔''

اس ارشاد عالیہ کے دوران کئی بار آپ کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ اور آپ کے دل پر ایک رقت کا عالم طاری تھا۔ ہم سب کی آنکھیں بھی پر نم تھیں۔ مجھ میں حوصلہ ہی نہ تھا کہ اس عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی کو مخاطب کر سکوں، جو باوجود اپنی عظمت کے محض اپنے سوز و گداز کے سہارے جی رہا ہے اور کسی طرح بھی کسی شان و شکوہ کا متمنی نہیں ہے۔ غالباً یہ شعر اسی جذبہ سے سرشار ہو کر رقم فرمایا ہے ؎

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

ہم نے حضرت کی علالت کے پیش نظر آپ کو زیادہ دیر تک تکلیف دینے کی جرأت نہ کی اور رخصت کے لیے اجازت چاہی۔ آپ نے پھر سب سے علحدہ علحدہ مصافحہ فرمایا اور مارچ میں آنکھوں کے آپریشن کے بعد پھر شرف قدم بوسی بخشنے کا وعدہ فرمایا۔ میں اور میرے بھائی آپ کی صحت و درازی عمر کے لیے دست بدعا ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں سر بسجود ہیں کہ وہ اس جلیل القدر ہستی کو جلد سے جلد صحت یاب فرمائے۔ آمین۔

(میاں رشید احمد نائیک۔ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ)

—o—

علامہ اقبال جنوبی ہند میں

علامہ اقبال نے مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی فرمائش پر چھ لیکچر لکھے - پہلے تین لیکچر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں لکھے گئے - جنوری ۱۹۲۹ء کے اوائل میں آپ خود مدراس تشریف لے گئے اور وہاں پبلک کے سامنے گوکھلے ہال میں وزیر اعظم حکومت مدراس ، ڈاکٹر سبرائن ، کے زیر صدارت ارشاد فرمائے - باقی تین لیکچر اس سفر سے واپسی پر چھ سات ماہ کے اندر لکھے گئے اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی استدعا پر نومبر ۱۹۲۹ء میں وہاں یونیورسٹی کے طلبہ ' اساتذہ اور پبلک کے سامنے پڑھے گئے -

آپ لاہور سے ۲ جنوری کو روانہ ہوئے اور آپ کے ہمراہ چوہدری محمد حسین اور (ڈاکٹر) محمد عبداللہ چغتائی پروفیسر اسلامیہ کالج تھے - واپسی پر میسور یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی فرمائشوں پر ان تین لیکچروں کا اعادہ بنگلور ، میسور ، اور حیدرآباد میں بھی کیا گیا - ان مصروفیات کی روئداد (ڈاکٹر) عبداللہ چغتائی ''ہم سفر'' کے فرضی نام سے اپنے خطوں میں مدیر ''انقلاب'' کو بھیجتے رہے -

مدراس*
۵ - جنوری

مکرمی! السلام علیکم! ۲ جنوری کو صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب آپ نے ہمیں دہلی سے فرنٹئر میل پر سوار کرایا - ۳ کو بارہ بجے دوپہر کے قریب ہم کولابا (بمبئی) پہنچ گئے - سفر آرام و اطمینان سے گذرا - سیٹھ اے - ایس - اسماعیل کے صاحبزادے سیٹھ اسماعیل سٹیشن پر استقبال کو موجود تھے - انہوں نے ڈاکٹر صاحب قبلہ کو دعوت دے رکھی تھی کہ جتنا وقت آپ بمبئی ٹھہریں میرے مہمان رہیں - دوپہر کا کھانا ہم نے سیٹھ ہاشم اسماعیل صاحب کے ہاں ان کے مکان پر کھایا - سیٹھ ہاشم اسماعیل کی اہلیہ

---

*انقلاب : ۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء -

اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ آپ مشہور سوداگر حاجی یوسف سبحانی کی صاحبزادی ہیں۔ سینئر کیمبرج کرنے کے بعد جرمنی میں دو سال علم طب کی تحصیل کر چکی ہیں۔ کھانا کھا چکے تو انہوں نے اپنی کتاب (Goethe's *Faust*) بھیجی اور کہلایا کہ اس پر ڈاکٹر صاحب اپنے ہاتھ سے کوئی اپنا شعر لکھ دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ شعر لکھا ؎

کلام و فلسفہ از لوح دل فرو شستم
ضمیر خویش کشادم بہ نشتر تحقیق

لکھتے وقت فرمایا کہ ''یہ وہ نتیجہ ہے جس پر 'فوسٹ' کو پہنچنا چاہیے تھا مگر وہ نہ پہنچا۔''

پانچ بجے شام موصوف کی طرف سے بوری بندر کے قریب گرینڈ ہوٹل (متصل تاج ہوٹل) میں چائے کی دعوت کا اہتمام تھا۔ بمبئی کے سر کردہ حضرات مدعو تھے۔ ان میں سردار غلام احمدخان، قونصل جنرل افغانستان، سر چمن لال سیتلواڈ اور مرزا محمد علی سولسٹر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح مدعو تھے مگر کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے۔

شام کو ۸ بجے مسلم فیڈریشن بمبئی کی طرف سے کھانے کی دعوت تھی۔ مسٹر ہدایت حسین صاحب، وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ کے علاوہ اور دس گیارہ جلیل القدر مسلمان اصحاب مدعو تھے۔

۳ جنوری کو دس بجے رات مدراس میل میں سوار ہوئے۔ وہ رات، دوسرا دن اور گذشتہ رات گاڑی میں گذری۔ عجیب سفر ہے اور جس حصہ ملک میں یہ سفر کیا وہ بھی کم عجیب نہیں۔ افسوس کہ سفر کے حالات کی اس مختصر نامہ میں گنجائش نہیں اور نہ ہی میں بمبئی کے متعلق مفصل حالات لکھ سکا ہوں۔ جنوبی ہند کو دیکھ کر اور یہاں کے لیے علامہ اقبال کے مقاصد سفر کو مد نظر رکھ کر میں ایک مستقل

سفر نامہ ترتیب دینے کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہوں ۔

آج صبح سات بج کر پینتیس منٹ پر جب ہماری گاڑی مدراس سٹیشن پر پہنچی تو استقبال کرنے والے حضرات کا ایک ہجوم سٹیشن پر موجود تھا ۔ بیشتر مسلمان تھے اور ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے ۔ مدراس کے اکثر علماء و فضلاء اور زعماء و رؤسا موجود تھے ۔ حضرت علامہ کو گاڑی سے اترنا مشکل ہو گیا ۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ پہلے میں دیکھوں اور مصافحہ کروں ۔

مدراس کے ایک معزز گھرانے کی ایک تعلیم یافتہ اور ذوق ادب سے بہرہ ور خاتون جنھوں نے علامہ کے انتظار میں لاہور ہی میں خط لکھے تھے مدراس سے ایک سٹیشن پہلے ہی یعنی باسن برج کے سٹیشن پر اپنے والد معظم کی معیت میں گاڑی میں استقبال کو آ گئی تھیں ۔

لاہور سے بمبئی اور بمبئی سے مدراس تک سات سو چوراسی (۷۸۴) میل سفر کرنے کے بعد اقصائے ہند میں اقبال کے لیے اتنے مسلمانوں کا اجتماع دیکھ کر مجھ جیسے ''اقبالی'' اور ''مسلمان اقبالی'' کے دل پر جو کیفیات گذرتی ہوں گی ان کا اندازہ [مولانا غلام رسول] مہر نہ کر سکے گا تو اور کون کرے گا . . . . گاڑی سے اترنا مشکل ہو گیا ۔ جناب حمید حسن اور سیٹھ جمال محمد صاحب کے صاحبزادہ صاحب گاڑی کے اندر ہی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر صاحب کو پھولوں کے ہار پہنائے ۔ بصد مشکل باہر نکلے ۔ گاڑی کے اندر ہی سے جناب حمید حسن صاحب نے لوگوں کو بلند آواز میں یقین دلا دیا تھا کہ سب کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا موقع ملے گا ۔

پلیٹ فارم پر جو معززین مدراس تشریف لائے ان میں ذیل کے حضرات کے نام خاص ذکر کے قابل ہیں :

مولوی سید ابو ظفر داؤدی ، افضل العلماء عبدالحق ایم ۔ اے ، جمال محمد صاحب ، خان بہادر عبدالعزیز بادشاہ صاحب ،

عبدالعزیز حسن صاحب ، عبدالحکیم صاحب ، حاجی جلال عبدالکریم صاحب ، حکیم مخدوم اشرف صاحب ، جمال محی الدین صاحب ، سید یوسف صاحب ، ڈاکٹر جمال الدین صاحب اور خان بہادر محمد حسین صاحب ۔

جب محمد حسین صاحب عمائد و معززین سے تعارف کرا چکے تو ڈاکٹر صاحب قبلہ سیٹھ جمال محمد صاحب کے ہمراہ موٹر میں بوسوٹو ہوٹل (جو ہماری قیامگاہ ہے) تشریف لے گئے ۔ چند منٹ بعد جناب محمد حسین صاحب کے ساتھ ہم بھی وہاں پہنچ گئے ۔ کمرے میں بیٹھے ابھی پندرہ منٹ نہ ہونے ہونگے کہ مدراس پریس بیورو کے فوٹو گرافر نے پھر کیمرہ سامنے لا کھڑا کیا ۔ ۔ ۔ اور جب تک تصویریں نہ لے چکا خلاصی نہ کی ۔ ہوٹل میں چائے سیٹھ جمال محمد صاحب ، ان کے بیٹے اور ان کے بھتیجے کے ساتھ پی ۔ یہ 'بریک فاسٹ' تھا ۔

اس مختصر سی صحبت میں پہلی بات یہ کھلی کہ وہ سیٹھ جمال محمد صاحب جو اپنی بعض قومی فیاضیوں کی وجہ سے پنجاب بلکہ تمام اسلامی ہندوستان میں مسلمانوں کے 'برلا' مشہور ہو رہے ہیں ، محض سیٹھ ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کے علم و فضل کے مالک ہیں ۔ انگریزی خوانوں کی اصطلاح میں کلچرڈ (Cultured) ہیں اور ایک عرصے سے مسلمانوں کی موجودہ مذہبی اور تعلیمی کمزوریوں نے آپ کو فکر مداوا میں مبتلا کر رکھا ہے ۔

پرانی مذہبی تعلیم اور عہد حاضر کے علوم و فنون کی تعلیم کو کس طریق پر آمیزش دی جائے کہ ''ملا'' عہد حاضر کا تعلیم یافتہ بن جائے اور عہد حاضر کا تعلیم یافتہ ''ملا'' نہ سہی ''مسلمان'' بن کر دنیا میں رہے ۔ یہ آپ کی نیک سرگرمیوں کا سب سے بڑا نصب العین ہے ۔ آپ سائنس کے مسائل پر عالمانہ گفتگو کرتے ہیں ۔ قرآنی آیات سے بعض ایسے مسائل کا استنباط نہایت خوبی سے کرتے ہیں ۔ آپ شاکی ہیں کہ گذشتہ دو صدیوں بلکہ اس سے زیادہ عرصے سے علماء

حضرات نے اپنے فرائض تبلیغ و تعلیم میں حالات شناسی سے کام نہیں لیا ۔ تاہم وہ اس قدر مورد ملامت بھی نہیں ۔ یہ صورت حال ایک وجہ سے نہیں بیسیوں وجوہ سے قوم کو دیکھنی پڑی ہے ۔

تاہم گذشتہ گذشتہ تھا ۔ اس پر واویلا مفید نہیں ہو سکتا ۔ عہدحاضر کے مسلمان علماء و زعماء کو ''قدیم ونو'' اس طرح ''ترتیب'' دینا چاہیے کہ تمام گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے اور دنیا پھر اس ''مسلم'' کو دیکھ سکے جس کا دنیا میں پیدا کرنا قرآن کا مقصد ، پیغمبر اسلام کا مقصد اور خدائے دو جہاں کا مقصد تھا ۔

سیٹھ جمال محمد بین الاقوامی تاجر ہیں اور جاپان ، آسٹریلیا ، امریکہ اور یورپ کے تمام بڑے بڑے ممالک سے آپ کا سلسلہ تجارت قائم ہے ۔ جس ہوٹل (ہوسوٹو) میں ہم ٹھہرے ہیں یہ بھی آپ ہی کی ملکیت ہے ۔ بمبئی کلکتہ میں اس شان کے ہوٹل ہوں تو ہوں لاہور میں آج تک دیکھا نہیں ۔

مسلمان یتیموں اور غریبوں کے لیے آپ نے ایک مدرسہ جمالیہ مدت سے جاری کر رکھا ہے ۔ اکثر مسلمان طلبہ اس میں تعلیم پاتے ہیں ۔ زیادہ تفاصیل ابھی دستیاب نہیں ہوئیں ۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کل شام اس مدرسے کے جلسہ عام میں ''یتیم اور اسلام'' کے موضوع پر تقریر فرمائیں گے ۔ سیٹھ جمال محمد وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اسلامی علوم و فنون پر سالانہ لیکچروں کا ادارہ قائم کر رکھا ہے اور یہ لیکچر بھی اسی غرض کو ملحوظ رکھ کر کرائے ہیں کہ مسلمانوں کے ''قدیم ونو'' کو کسی طرح اس ''ایک حقیقت'' کی شکل میں دنیائے اسلام کے سامنے رکھ سکیں ۔

مسٹر حمید حسن جو اس ادارے کے سیکرٹری ہیں ، سیٹھ صاحب کی ان تعلیمی اور مذہبی سرگرمیوں میں ان کے مخلص کارکن اور رفیق ہیں . . . آپ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ بھی ہیں ۔ مدراس ہائیکورٹ میں فارسی اور اردو کے ترجمان بھی ہیں اور باوجود سرکاری ملازمت میں ہونے کے

تعلیمی امور کی خاص دھن رکھتے ہیں۔

اور لکھتا مگر کام آپڑا۔ ہو سکا تو انشاء اللہ کل لکھوں گا ورنہ پرسوں۔ حضرت علامہ اقبال کا جنوبی ہند میں سفر کرنا خاص معنی رکھتا ہے۔ اسلام کے مقتدر علماء و مشائخ ہندوستان کے اس حصے میں خاص مقاصد لے کر ہمیشہ آتے ہیں اور غالباً آئندہ آتے رہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا پہلا لیکچر آج شام گوکھلے ہال میں ہوگا۔ ڈاکٹر سبرائن چیف منسٹر مدراس گورنمنٹ صدر ہونگے۔

''ہم سفر''

— o —

بوسوٹو ہوٹل نمبر ۳۲ مونٹ روڈ مدراس*

جنوری ۱۹۲۹ع۔

مکرمی، السلام علیکم!

.... حاجی جمال محمد صاحب کی تجارت ایک کروڑ روپے سالانہ سے کم نہیں سنی جاتی... ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''اللہ اللہ! یہ انسان ایک کروڑ سالانہ کی تجارت کرتا ہے، تہبند کرتا پہنتا ہے اور حقیقت، مادہ اور روح جیسے علمی مسائل پر انگریزی اور اردو میں گفتگو کرتا ہے اور اس کو فکر دامنگیر ہے کہ مسلمانوں کی قدیم اور نئی تعلیم کا حقیقی اتصال ہو اور اسلام اپنی اصلی شان میں دنیا پر ظاہر ہو۔ مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ 'ٹائپ' نہ پیدا ہوگا نصب العین تک رسائی محال ہے۔''

---

*انقلاب: ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ع۔

پانچ بجے گوکھلے ہال میں لیکچر تھا ۔ جب وہاں پہنچے تو تمام ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ۔ لیکچر کا عنوان ''دینیات اسلامیہ اور افکار حاضرہ'' (Muslim Theology and Modern Thought) تھا ۔ پریذیڈنٹ صاحب ڈاکٹر سبرائن (چیف منسٹر مدراس) تشریف لاچکے تو قرآن کریم کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوا ۔ حاضرین میں بیشتر مسلمان تھے مگر ہندو حضرات بھی کم تعداد میں نہ تھے ۔

مسٹر عبدالحمید حسن صاحب نے بطور سیکرٹری سوسائٹی مختصر سی تقریر فرمائی اور "Madras Lectures on Islam" کا سلسلہ قائم کرنے کی غرض و غایت سے چند الفاظ میں لوگوں کو روشناس کیا ۔ مختلف ہندوستانی اقوام کو ایک دوسرے کی تہذیب و مذہب سے واقف ہونے کی ضرورت بتلائی اور فرمایا کہ ''اقبال کا نام بطور شاعر مشرق تو آپ کو معلوم ہی تھا ۔ ان کی شاعری نے ہندوستان اور بالخصوص اسلامی ہندوستان میں صحیح زندگی کی جو لہر دوڑائی ہے ، اس سے آپ لوگ بھی ملک کے اس دور دراز گوشے میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ۔ مگر آج وہ شاعر کی حیثیت سے آپ کے شہر میں نہیں آئے بلکہ اسلامی مذہب و فلسفہ اسلامی ، دینیات و فنیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کے پیغام بر بن کر آئے ہیں ۔''

صاحب صدر نے نہایت موزوں الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اسلامک ایسوسی ایشن کا جس نے اقبال کو مدراس میں بلایا تھا ، صاحب صدر نے پرائیویٹ سیکرٹری ہز ایکسیلینسی لارڈ گوشن گورنر مدراس کی طرف سے ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں لکھا تھا کہ گورنر صاحب بہادر کو افسوس ہے کہ پہلی مصروفیتوں کی وجہ سے وہ جلسے میں شریک ہو کر سر محمد اقبال کا لیکچر نہیں سن سکتے ۔ سر محمد اقبال کا ذکر وہ کئی دفعہ سن چکے ہیں اور لیکچر سن کر انہیں خوشی ہوتی مگر مصروفیتوں کی وجہ سے معذوری کا

اظہار فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر سپرائن نے فرمایا: ''اس سر زمین میں ہندو اور مسلمان دونوں آباد ہیں۔ اگر وہ خود اختیاری حکومت حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان میں اتحاد ضروری ہے۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ یہ ہندوؤں کا فرض ہے کہ مسلم اقلیت کو اطمینان دلائیں کہ وہ اس سرزمین میں بھائیوں کی طرح زندگیاں بسر کریں گے (چیئرز)۔ میرے لیے باعث عزت ہے کہ میں اگرچہ ہندو ہوں لیکن اسلامی فلسفہ پر لیکچر کی صدارت کے لیے منتخب کیا گیا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ اس صوبے کے مسلمانوں کا زاویہ نگاہ صحیح ہے۔ اسلام نے مشرق کو بلکہ ساری دنیا کو اخوت کا سبق دیا ہے۔ ہم ہندو ذات پات اور قومی امتیازات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمیں ابھی اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر سے اخوت کا سبق سیکھنا ہے۔ میں یہاں غیر برہمن کی حیثیت میں تقریر نہیں کر رہا اور نہ اس نقطہ خیال سے ذات پات کے خلاف کہہ رہا ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے اور تمام ہندوستانی اقوام میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ہمیں اسلامی اخوت کو دلیل راہ بنانا ہے۔'' اس کے بعد علامہ اقبال نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

جلسے کے اختتام پر اخباروں کے نمائندوں نے ڈاکٹر صاحب کے گرد جھرمٹ ڈال دیا۔ بھلا تمام تقریر کو وہ کہاں تک لکھ سکتے تھے اور ایسی فلسفیانہ تقریر کا لکھنا آسان کب تھا۔ اپنے لکھے ہوئے دو جملوں کی صحت پر بھی اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔ سب نے تقاضا کیا کہ لیکچر ہمیں دیں اور ہم یہیں بیٹھ کر دو گھنٹے میں اس کو نقل کر لیں گے۔ چونکہ لیکچر کی ایک ہی کاپی تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب دے نہ سکے البتہ جو خلاصہ تیار کیا گیا تھا، اس کی کاپیاں پہلے سے موجود تھیں، وہ ہر ایک کو دے دی گئیں۔ پریس والے اس خلاصے سے ہرگز مطمئن نہ تھے مگر ایک ہندو عالم جو سٹیج پر تشریف رکھتے تھے اور جنھوں نے تمام لیکچر نہایت غور سے سنا تھا، اٹھ کر

فوراً ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ صاحب ان کے تقاضوں کا کچھ خیال نہ کیجیے گا۔ ان رپورٹروں کے ہاتھ آپ کا لیکچر پڑ گیا تو عجیب و غریب صورت میں مختلف اخباروں میں اس کے بعض حصے چھپ جائیں گے اور پھر آپ پچھتائیں گے . . . ."

"ہم سفر"

— ٥ —

گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس حیدر آباد (دکن)*

۱۵ جنوری ۱۹۲۹ع

برادرم ، السلام علیکم ، کئی دن کے بعد آپ کو خط لکھنے بیٹھا ہوں۔ خیال تھا کہ حالات سفر کی مختصر کیفیت قلمبند کر کے دوسرے تیسرے دن آپ کو بھیجتا رہوں گا مگر مدراس کے پروگرام ہی نے ناطقہ بند کر دیا۔ تین دن میں پندرہ بیس منٹ کی مسلسل و پرسکون فرصت بھی نصیب نہ ہوئی۔ سیٹھ حمید حسن صاحب نے جس طرح فراخدلی سے ایڈریسوں اور دعوتوں کو مختلف افراد اور انجمنوں کی طرف سے قبول کر لیا تھا اسی طرح سختی سے ہمیں اوقات کی پابندی پر مجبور رکھا۔ پھر بھی انھیں یہ شکایت رہی کہ کئی افراد اور کئی انجمنیں مجھ سے خفا ہیں کہ میں نے ان کی دعوتوں کو آپ کے لیے قبول نہ کیا۔

مدراس میں تینوں لیکچروں کے موقع پر عظیم الشان اجتماع دیکھنے میں آئے۔ جنوبی ہند کے برہمن علما اب تک مذہب و فلسفہ کے مسائل

---

*انقلاب : ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ع۔

میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں ۔ مدراس ، بنگلور، میسور، ہر جگہ یہ بات مشاہدے میں آئی ۔ تینوں لیکچروں کے اقتباسات تمام مشہور انگریزی اخبارات یعنی ''ہندو''، ''سوراجیہ''، ''مدراس میل''، جسٹس''، ''ڈیلی ایکسپریس'' وغیرہ میں شائع ہوئے ۔ قریباً ہر اخبار نے ڈاکٹر صاحب کا فوٹو شائع کیا ۔ مدراس کے ایک ہندو پروفیسر فلسفہ کی ایک چٹھی ''ہندو'' میں چھپی ۔ غالباً وہ آپ کو بھیج چکا ہوں ۔ ''سوراجیہ'' میں ترکی کے متعلق جو انٹرویو[1] نکلا اس کی کاپی بھی آپ

۱- ۷ جنوری کو علامہ اقبال نے ''سوراجیہ'' کے نمائندہ خصوصی سے ملاقات کے دوران فرمایا :

''میں اس امر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ میں بحیثیت ایک ہندوستانی کے مذہب کو سوراج پر مقدم خیال کرتا ہوں ۔ ذاتی طور پر مجھے ایسے سوراج سے کوئی واسطہ نہ ہوگا جو مذہب سے بے نیاز ہو ۔ یورپ میں تعلیم کا خالصتاً دنیوی طریق بڑے تباہی آمیز نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا ملک بھی ان تلخ تجربات سے دو چار ہو ۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ باشندگان ایشیا یورپ کے خالص مادی رویہ کو بھی فراموش نہیں کرسکتے ۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ در پیش ہے کہ روحانی اور مادی امور کو کس طرح ایک جگہ جمع کیا جائے ۔

''سب سے پہلی ایشیائی قوم جسے اس مسئلے کو حل کرنے سے واسطہ پڑا تھا ، ترک تھی ۔ میں کہوں گا کہ ترک روحانیت و مادیت کے مطلوبہ اجتماع کو حاصل کرنے میں ناکامیاب رہے ۔ تاہم میں ترکوں کی طرف سے مایوس نہیں ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ تاتاری نسل اس تیزی فہم و ادراک اور اس عمق ضمیر سے محروم ہے جو اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری تھی ۔ میں فی الحال اس مسئلے کے متعلق ایران ، عرب اور افغانستان کی آئندہ روش پر بھی اظہار خیال نہیں کرسکتا جو اقوام ایشیا کے سامنے پیش ہو رہا ہے ۔

''میرا عقیدہ ہے کہ باشندگان ہند اس کار عظیم کو انجام دینے کے اہل ثابت ہوں گے کیونکہ ان کی مذہبی روایات ، ان کے ادراک کی تیزی اور

بقیہ اگلے صفحہ پر

کو بھیجی تھی ۔ اس انٹرویو کے مضمون پر ''سوراجیہ'' نے ایک مقالہ افتتاحیہ ''مذہب ، سیاسیات اور تعلیم'' کے عنوان سے لکھا ، غالباً نظر سے گذرا ہو گا۔

ان کے جذبات کی شدت اس کام کی اہلیت کا ثبوت دے رہی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ نوع انسان کی عام بھلائی کے لیے میں یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی مفاہمت کا متمنی رہتا ہوں اور اسے اشد ضروری خیال کرتا ہوں ۔ صرف باشندگان ہند ہی پرانی دنیا کے کھنڈروں پر بنی آدم کے لیے نئی دنیا تعمیر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کی باتیں کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ سیاسیات پر دینی چاہیے ، یورپ کی غلامانہ تقلید کے سوا اور کچھ نہیں جس کی مادہ پرستی یورپ کی روحانیت اور دوسری اقوام کی مادیت کے لیے پیام موت ثابت ہوچکی ہے۔

''روحانیت اور مادیت کو یک جا جمع کرنے میں ترکی کی ناکامی کی زبردست وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یورپ کی نقالی شروع کر دی۔ اگر وہ اس مسئلے کا حل اسلام کی وساطت سے ڈھونڈتے تو معاملہ دگرگوں نہ ہوتا ، کیونکہ میرے نزدیک اسلام تخیل اور حقیقت یعنی روحانیت اور مادیت کے درمیان تطابق پیدا کرنے کی بڑی کامیاب کوشش ہے۔ ترکی کے عامۃ الناس مذہب کے ویسے ہی دلدادہ ہیں جیسے پہلے تھے ۔ اس معاملے میں ترکی کے مسلمان اور ہندوستان کے مسلمان میں کوئی فرق نہیں ۔ تعلیم یافتہ ترکوں نے فرانس سے تعلیم حاصل کی اور اسی کی تقلید کر رہے ہیں ۔ اس لیے میرے خیال میں ان کی نظریں انگریزی تمدن و شائستگی کی طرف نہیں پہنچیں ۔

''اس حیثیت سے ہندوستان کا تعلیم یافتہ مسلمان جس نے انگلستان سے تعلیم حاصل کی ہے، ترکوں کی بہ نسبت بہتر ہے ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آگسٹس اور کومتے کے خیالات سے نیم طور پر تاثر حاصل کرنا مصطفیٰ کمال کو ڈانواں ڈول چھوڑ دے گا اور اس کے معاشرتی تجربات کا نتیجہ زبردست ارتجاعی عمل کی صورت میں رونما ہو گا اور ایک زبردست انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کو زندہ رہنے کی خاطر دنیائے حاضرہ میں داخل ہونا پڑے گا ، لیکن اس داخلے کے وقت صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو زمانہ حاضرہ میں انسان کے معاملات کو بنانے اور بگاڑنے والی قوتوں سے باخبر ہوں گے۔''

بقیہ اگلے صفحہ پر

''انجمن ترقی اردو مدراس'' اور ''ہندی پرچار سبھا'' کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو جو ایڈریس پیش کیے گئے ان کی کاپیاں بھیجتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے جو جواب ان دو انجمنوں کو دیا گیا وہ مدراس اور بنگلور کے بعض اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اردو کاپیاں ہاتھ میں اس وقت نہیں۔ ''جسٹس'' میں جو اس تقریر[1] کا ترجمہ شائع ہوا ہے وہ ملفوف ہے۔

''خواتین مدراس کی طرف سے جو ایڈریس پیش ہوا اس کے حالات بہت دلچسپ ہیں۔ خواتین کے ایڈریس کے جواب میں جو تقریر[2] قبلہ نے

علامہ موصوف سے سوال کیا گیا کہ پردے کی تنسیخ کے متعلق ان کے احساسات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا ''میں اس معاملے کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے فقہ اسلامی کے اس مسئلے کی تفتیش نہیں کی۔'' آپ نے مزاحاً کہا ''مجھے قانون قدرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ذرائع کو پوشیدہ رکھنے کا عادی ہے''۔

سوال کرنے پر علامہ موصوف نے کہا ''پین اسلامزم' کے لفظ کے متعلق یورپ اور ایشیا میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ لفظ پہلے پہل ایک فرانسیسی اخبار نویس نے گھڑا تھا جس کا مقصد یورپ کو مسلمان اقوام کے اتحاد کے خیالی اندیشہ سے متنبہ کرنا تھا۔ یہ لفظ بھی 'زرد خطرہ' کی طرح کا ہے جو ایسے ہی مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جہاں تک معانی کا تعلق ہے 'پین اسلامزم' کی کوئی تحریک نہیں۔ کیمبرج کے ایک پروفیسر براؤن بھی اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر چکے ہیں۔ اگر اس لفظ کے کوئی معنی ہیں تو یہی کہ اخوت انسانی کا دوسرا نام 'پین اسلامزم' ہے۔ لفظ 'پین' اسلامی لغت میں نظر نہیں آتا کیونکہ اسلام اس تجربے کا نام ہے جو قوم، نسل اور ملک سے بالا ہو کر انسان کو یکجا کرنے کے لیے کیا گیا۔ اخوت انسانی کے حصول کی جدوجہد میں اسلام، بدھ مت اور عیسائیت کی بہ نسبت زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے حالانکہ اس کی عمر صرف تیرہ سو سال ہے۔'' (انقلاب: ۱۹ جنوری ۱۹۲۹ع۔)

۱۔ یہ تقریریں نہیں مل سکی۔

۲۔ دیکھیے تقریر ''شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' صفحہ ۵۷ تا ۸۰۔

قربانی اس کا نفس مضمون ہر مسلمان خاتون کے کانوں تک پہنچنا چاہیے۔ آج یا کل اس تقریر کی ایک کاپی بھیجوں گا۔ وقت نہ ملا تو لاہور آ کر دوں گا۔

مدراس کا ساحل سیر کی دلفریب جگہ ہے۔ یہاں کا ماہی خانہ خالق برحق اور صناع حقیقی کی شان خالقیت کا یگانہ مظہر ہے۔ خدا کی بحری مخلوق اپنے حقیقی حسن ونیرنگی میں کبھی آج تک نہ دیکھی تھی تعجب ہے اگر ساحل بحر کے انسان بھی خدائے پاک کی ہستی کے منکر رہیں۔ یہاں تو کوئی کافر کبھی پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے۔ سیٹھ جمال کے لیے ان مچھلیوں کا وجود خالق ارض و سماء کی ہستی کا بین ثبوت ہے۔

۸ جنوری کی شام کو چل کر ۹ کی صبح کو ہم بنگلور کنٹونمنٹ پہنچے۔ مسلمانان بنگلور ہزاروں کی تعداد میں سٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کے استقبال کو جمع تھے۔ پھولوں کے ہار اس جگہ خاص طرز کے بنتے ہیں۔ یہاں معلوم ہوا کہ ہار بنانے میں بھی 'آرٹ' کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے قیمتی ہار تیار ہوتے ہیں۔ پانچ دس روپے عام اچھے ہار کی قیمت ہے۔ ایک نمونہ ساتھ لا رہا ہوں آپ کو دکھاؤں گا۔ بنگلور کنٹونمنٹ سٹیشن پر فخر التجار حاجی سر اسماعیل سیٹھ اور حاجی عبدالغفور صاحب ڈاکٹر صاحب سے سب سے پہلے ملے۔ عملہ 'الکلام' نے 'اقبال نمبر' سٹیشن پر ہی پیش کیا۔ حاجی اسماعیل سیٹھ اور حاجی عبدالغفور صاحب کے ہمراہ موٹر میں سیٹھ صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ لوگوں نے موٹر کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیا، اس لیے قریباً نصف میل تک موٹر کو بہت آہستہ لے جانا پڑا۔

دس بجے کے قریب 'مسلم لائبریری بنگلور' کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ امین الملک دیوان مرزا اسماعیل، چیف منسٹر میسور صدر تھے۔ جلسے کی کارروائی 'الکلام' میں شائع ہو چکی ہے اور

غالباً آپ کی نظر سے گذری ہوگی۔ شام کو 'انٹرمیڈیٹ کالج بنگلور' کے صحن میں زیر صدارت ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات میسور عام جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں بنگلور کے ہزاروں تعلیم یافتہ لوگ مسلمان اور غیر مسلمان سب جمع ہوئے۔ اس کی کارروائی بھی 'بنگلور ٹائمز' اور 'الکلام' وغیرہ میں نکل چکی ہے۔

۱۰ جنوری کی صبح کو ریاست کی موٹر میں میسور کو روانہ ہوئے۔ راستے میں 'سوا سمدرم' کے مقام پر ریاست میسور کا بجلی پیدا کرنے کا کارخانہ دیکھا۔ سوا چار بجے کے قریب میسور پہنچ گئے چونکہ ہزہائینس مہاراجہ صاحب میسور مدعو فرما چکے تھے اس لیے موٹر سیدھی گورنمنٹ میسور کے گیسٹ ہاؤس میں لے گئی۔ عجیب پر فضا مقام ہے۔ میسور شہر کی سڑکوں کی صفائی اور بجلی کے انتظام کے بھی کیا کہنے۔ بہت کم شہر ہندوستان میں اتنے صاف ستھرے اور پر فضا ہوں گے۔ قدرت بھی اس مقام پر خوب مہربان ہے۔ مگر انسانی حسن انتظام بھی داد کا مستحق ہے۔ راستے میں سری رنگٹھم سے چپ چاپ گذر گئے۔ اسی روز شام کو یونیورسٹی میسور نے لیکچر کا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ چھ بجے مسٹر چاندی وائس چانسلر میسور یونیورسٹی کے زیر صدارت جلسہ منعقد ہوا۔ اکثر برہمن اور غیر برہمن فضلا بھی جلسے میں شریک ہوئے۔ تمام ٹاؤن ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔

اگلے دن صبح ۹ بجے کے قریب سری رنگٹھم کے دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ..... تمام دن سری رنگٹھم میں گذرا۔ ریاست کی طرف سے 'دریا دولت' میں دوپہر کے کھانے کا انتظام تھا۔ چونکہ چھ بجے مسلمانان میسور کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو ایڈریس دیا جانے والا تھا اس لیے ہم چھ سے پہلے گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔

ٹاؤن ہال میں زیر صدارت نواب غلام احمد صاحب کلامی جلسہ ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد غلام محمد صاحب عرف علی جان نے

اپنے 'آرکسٹرا' کے تمام ساز و سامان کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی دو تین نظمیں رقت آمیز سروں میں سنائیں۔ جلسے کا یہ رنگ اور یہ اہتمام بھی نہیں دیکھا۔ تقریروں کی روئداد آپ 'الکلام' میں پڑھ چکے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر بھی نہایت اہم تھی۔ میسور یونیورسٹی کے فلسفے کے پروفیسر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے بعد تقریر کی جس میں ان کے پہلے دن کے لیکچر کی دل کھول کر داد دی اور کہا کہ ''اس مضمون پر آج تک کسی نے اس قدر محققانہ نظر نہ ڈالی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کو مسلمان ہزار 'اپنا' کہیں مگر وہ سب کے ہیں کسی ایک مذہب یا جماعت کی ملکیت نہیں۔ اگر مسلمانوں کو یہ ناز ہے کہ اقبال ان کا ہم مذہب ہے تو ہم ہندوستانیوں کو یہ فخر کم نہیں کہ اقبال ہندوستانی ہے۔'' جلسہ نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔

جلسے کی روح رواں میسور کے مشہور رئیس اور تاجر سیٹھ محمد ابا تھے۔ انھوں ہی نے ایڈریس بھی پڑھا۔ صبح ۹ بجے ڈاکٹر صاحب ہزہائنس مہاراجہ صاحب بہادر سے ملاقات فرما چکے تھے۔ مہمانداری کے فرائض سپرنٹنڈنٹ مہمانخانہ کے علاوہ جناب صادق شاہ صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ہزہائنس مہاراجہ صاحب سرانجام دیتے رہے۔ ان قابل و بااخلاق اصحاب نے ہر طرح ڈاکٹر صاحب کو آرام و سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اگلے دن صبح ڈاکٹر صاحب میسور یونیورسٹی کا شعبہ 'نفسیات عملی' دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں چند دلچسپ تجربے دیکھے۔ پھر فوٹو بھی اتارے گئے۔ ۱۲ جنوری کی دوپہر کو ہم موٹر پر واپس بنگلور آ گئے۔ راہ میں چاند پٹم کے مقام پر اور دو ایک اور مقاموں پر مسلمان پھولوں کے ہار لیے کھڑے تھے۔ چاند پٹم میں نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کے پیروں کے مزار دیکھے۔ اور فاتحہ کہی۔ ۵ بجے کے قریب پھر بنگلور میں حاجی سر اسماعیل سیٹھ کی کوٹھی پہنچ گئے۔

یہ بزرگ بھی یکتائے روزگار ہیں۔ اسّی سال سے اوپر کا سن ہوگا

مگر جوانوں میں وہ قوت عمل اور زندگی کا وہ رنگ نہیں جو ان میں ہے۔ قومی امور میں ان کی سرگرمیاں مسلمان رؤسا و تجار کے دلوں میں رشک پیدا کر رہی ہیں ...... ۱۳ جنوری کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے بنگلور سے حیدر آباد کو روانہ ہوئے۔

جناب سید غوث محی الدین صاحب ایڈیٹر 'الکلام' میسور بھی ہمارے ساتھ گئے اور اب حیدر آباد بھی آئے ہیں۔ حیدر آباد میں ہم یہاں کل ۱۴ جنوری کی صبح کو پہنچے۔ ہمیں سکندر آباد کے سٹیشن پر اترنا تھا۔ ''فلک نما'' سے گذر کر حیدر آباد کے سٹیشن پر گاڑی پہنچی ہی تھی کہ مسلمان بچے قطاروں میں کھڑے صبح ہی صبح ''چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا'' گاتے سنے گئے۔ جناب اے۔ ایچ۔ انصاری رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی، سید ہاشمی فرید آبادی، سید مطابی، منشی خلیل الرحمان صاحب نیز کئی اور اصحاب سٹیشن پر موجود تھے۔ گاڑی ہی میں چائے لے آئے۔

وہیں ڈاکٹر صاحب کو یہ اطلاع دی گئی کہ آپ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی گورنمنٹ کے مہمان ہیں۔ اس لیے آپ کو گورنمنٹ کے گیسٹ ہاؤس جانا ہوگا۔ سکندر آباد سٹیشن پر پہنچے تو سر اکبر علی حیدری، مولانا عبداللہ العمادی، خلیفہ عبدالحکیم، سید ابراہیم ندوی اور دیگر اکابر علما عثمانیہ یونیورسٹی استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ ہار پہنانے کی رسم ہو چکی تو ڈاکٹر صاحب سر اکبر حیدری کے ہمراہ ہوئے اور خلیفہ صاحب ہمیں لے کر گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے...... کل شام جامعہ عثمانیہ کے اکابر فضلا مولانا عمادی، سید ابراہیم صاحب ندوی، ڈاکٹر عبدالحق صاحب، ڈاکٹر مظفرالدین صاحب، جوش ملیح آبادی اور دیگر حضرات ڈاکٹر صاحب کے پاس دیر تک بیٹھے رہے۔ یہاں بھی پروگرام وہی صورت اختیار کرتا نظر آتا ہے جو مدراس، بنگلور اور میسور میں تھا۔ آج شام پہلا لیکچر ہوگا۔ کل ڈاکٹر صاحب ہز ایکسیلینسی مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب

بالقابہ سے ملے -

رات نو بجے کے قریب امین جنگ صاحب بہادر کا رقعہ آ گیا "اعلیٰ حضرت شہر یار دکن نے ۱۸ جنوری ۱۱ بجے صبح آپ کو ملاقات کے لیے یاد فرمایا ہے - اس لحاظ سے ہم اب یہاں سے ۱۹ جنوری کی صبح کو روانہ ہو سکیں گے - میں دو ایک دوستوں کے ساتھ انشاء اللہ کل ۹ یا ۱۰ بجے صبح گولکنڈہ دیکھنے جاؤں گا - باقی حالات انشاء اللہ زبانی عرض کروں گا - ''ہم سفر''

—o—

گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کی مصروفیات

علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے ۔ کانفرنس کی مختلف کمیٹیوں میں انھیں اظہار خیال کا موقع کم ہی ملا ، کیونکہ ہندو مسلم اختلافات ایسی نوعیت اختیار کر گئے تھے کہ کمیٹیوں کے اجلاسوں کو متعدد بار ملتوی کرنا پڑا ۔ البتہ اسلامی ڈیلی گیشن کے اجلاسوں میں انھوں نے سرگرمی سے حصہ لیا اور ان کی رائے سب کے نزدیک خاص توجہ اور احترام کے لائق سمجھی جاتی تھی ۔ کانفرنس سے باہر بھی ان کی مصروفیات بہت زیادہ رہیں ۔ مختلف انجمنوں نے آپ کے اعزاز میں دعوتیں دیں جہاں آپ نے مختلف موضوعات پر تقریریں کیں ۔ متعدد رہنمایان عالم سے ملاقاتیں ہوئیں جن سے تبادلہ خیالات بھی ہوا ۔

ان مصروفیات کی روئدادیں مولانا غلام رسول مہر مدیر ''انقلاب'' لاہور نے ، جو دوسری گول میز کانفرنس میں بطور صحافی شریک ہوئے ، اپنے خطوط بنام عبد المجید سالک میں بھیجیں اور روزنامہ ''انقلاب'' میں شائع ہوئیں ۔ مولانا مہر لندن کے دوران قیام علامہ اقبال کے ساتھ رہے اور واپسی پر بھی ان کے ارشاد کے مطابق ان کی معیت میں رہے ۔ خصوصاً اس لیے کہ مہر صاحب کو بھی حضرت علامہ کی طرح اس موتمر اسلامی میں شریک ہونا تھا جو دسمبر ۱۹۳۱ء میں بمقام قدس شریف (یروشلم) منعقد ہوئی ۔

*یہاں مولانا شوکت علی کی برکت سے متعدد بزرگوں سے ملاقات ہو چکی ہے ۔ مثلاً ایک روز سید ضیاء الدین طباطبائی سے ملاقات ہو گئی جو ایران کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں ۔ یہ اصلاحی اقدام کے رہنما تھے جس میں رضا شاہ ترقی حاصل کر کے وزیر جنگ بنے ۔ بعد ازاں احمد شاہ سابق شاہ ایران سے سید صاحب کا جھگڑا ہو گیا ۔ یہ ایران سے باہر چلے گئے اور رضا شاہ نے آہستہ آہستہ تاج و تخت سنبھال لیا ۔ نو سال سے یہ ملک سے باہر ہیں ۔ سوئٹزرلینڈ میں رہتے ہیں ۔ آٹھ روز کے لیے لندن آئے ہوئے تھے کہ ہمیں زیارت کا موقع مل گیا ۔

---

* انقلاب: ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء

نو زبانیں جانتے ہیں۔ معاملات دنیا پر نہایت اچھی نظر ہے۔ پرسوں مجھے، مولانا شوکت علی، مولانا زاہد علی، حضرت علامہ اقبال اور مولانا شفیع داؤدی کو لنچ پر بلایا۔ لنچ کے بعد دو گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔

حضرت علامہ نے ''جاوید نامہ'' کے بعض اشعار سنائے۔ سید صاحب تڑپ اٹھے اور اپنے رفقا سے کہنے لگے کہ ایسی چیزیں آج تک نہیں سنیں۔ ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کلام کو ایران میں بہ کثرت شائع کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لیا کہ وہ واپسی کے وقت سوئٹزرلینڈ ٹھہریں گے۔ مجھ سے وعدہ لیا کہ واپسی میں سوئٹزرلینڈ ٹھہروں گا تو مجھے اپنی داستان حیات سنائیں گے۔ ایران کے متعلق ان سے جو باتیں ہوئیں وہ پھر کسی وقت عرض کروں گا۔

کل (۸ اکتوبر) سفارت خانہ عراق کے سیکرٹری افغان بے کے ہاں لنچ تھا۔ آن کی بیگم صاحبہ نے جس محبت، تپاک اور خلوص کے ساتھ تواضع کی وہ اندازہ بیان سے باہر ہے۔ ہمیں عربی اور ترکی کھانے کھلائے۔ حضرت علامہ سے ''مثنوی مولانا روم'' اور فرقہ مولویہ کے متعلق بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ آج (۹ اکتوبر) البانیہ کے سفیر نے بلایا تھا۔ حضرت علامہ نے اسلامیات اور سیاسیات ہند کے متعلق ایک گھنٹے تک ان سے باتیں کیں۔ جن سے سفیر صاحب بے حد محظوظ ہوئے۔ عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر بھی یہاں ہیں۔ ان کے ہاں بھی دو ایک روز میں لنچ پر جانا ہے۔ کیمبرج سے حضرت علامہ کو دعوت آ چکی ہے۔ اٹلی سے دوبارہ دعوت آئی ہے۔ یہاں کے لوگوں کی طرف سے روزانہ متعدد خطوط آتے رہتے ہیں، لیکن کانفرنس کی وجہ سے زیادہ وقت نکالنا مشکل ہے۔

— o —

*مسلمانوں میں سے ہزہائینس سر آغا خان کی مخلصانہ خدمات اسلامی و ملی کا تذکرہ سب سے پہلے ضروری ہے۔ ہزہائینس دولتمند ہیں۔ ضروریات اسلامی سے پورے طور پر آگہ ہیں اور صحیح و مناسب مواقع پر مناسب رقوم صرف کرنے پر ہمہ تن آمادہ رہتے ہیں۔ اس دور میں انھوں نے جس سچی اسلامی دردمندی سے کام کیا ہے اور کر رہے ہیں اس کا اعتراف ضروری ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے ایک روز فرمایا ''سادات نے ہر نازک وقت میں اسلام و مسلمین کی بڑی سے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔'' ہزہائینس حضرت علامہ کی اس بات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حضرت علامہ نے ابھی تک کسی کمیٹی کے اجلاس میں کوئی تقریر نہیں کی، اس لیے کہ ایسا موقع اب تک نہیں آیا۔ صرف وزیر ہند سے ملاقات کے دوران مسلمانوں کے مطالبات کو نہایت بدیع انداز میں پیش کیا تھا، جس سے وزیر ہند اس درجہ متاثر ہوا کہ دوبارہ ملاقات کی آرزو ظاہر کی۔ لیکن آٹھ دس روز سے سب لوگ انتخاب کی مصیبت میں مبتلا ہیں اس لیے ملاقات نہیں ہو سکی۔ روزانہ کوئی نہ کوئی ذی‌علم آدمی حضرت علامہ سے ملنے کے لیے آجاتا ہے۔ مختلف انجمنوں کی طرف سے ان کو دعوت نامے پہنچتے رہتے ہیں۔ ۹ کو مسٹر اور مسز پنکھرڈ کی طرف سے ایک دعوت تھی جس میں مولانا شوکت علی اور مولانا شفیع داؤدی بھی شریک ہوئے تھے۔

حضرت علامہ نے اس موقع پر نہایت پر تاثیر تقریر فرمائی۔ فلسطین کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت موصوف نے کہا ''انگریزوں کو بحیرہ مردار کے مالی ذخائر اور دوسرے معاملات کا خیال ترک کرکے اخلاقی حیثیت سے اہل فلسطین کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بالفور کا اعلان منسوخ

---

* انقلاب: ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء

کر دیا جائے۔'' دعوت دہندگان حضرت علامہ کی تقریر سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ کو کھانے کے لیے روک لیا اور دیر تک حضرت ممدوح کے خیالات سے استفادہ کرتے رہے۔

۱۳ کی شام کو سر ڈینی سن راس ملنے کے لیے آئے، جو ایک ہفتہ کے اندر اسلامیات پر لیکچر دینے کے لیے امریکہ جا رہے ہیں، اور تقریباً دو گھنٹے تک اسلامیات کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ دنیائے اسلام کی تمام مذہبی تحریکیں بالخصوص 'بہائیت' زیر بحث آئی۔ حضرت علامہ نے اسلام کی حقیقت واضح فرماتے ہوئے کہا ''اسلام ڈاگ میٹک [Dogmatic] مذہب نہیں ہے۔ اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی ایک گھرانا اور ایک خاندان بن جائے۔ شعرا اور فلسفی اس اتحاد نوع انسانی کے محض خواب دیکھتے رہے، لیکن اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عملی سکیم پیش کر دی۔ کم از کم دنیائے اسلام رنگ، نسل اور قوم کے امتیازات کو بالکل فنا کر چکی ہے۔ آج دنیا میں اسلام کے سوا اور کوئی ایسا طریق نہیں جس پر کاربند ہو کر یہ امتیازات مٹ سکیں۔ اسلام نے جو فرائض، ارکان یا طریق عبادات مقرر کیے، ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ، نسل اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دے۔'' اس ضمن میں حضرت علامہ نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے حقائق اجمالاً سر ڈینی سن کو سمجھائے۔ صاحب موصوف نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے امریکہ جانے سے قبل ایک مرتبہ پھر حضرت علامہ ملاقات کا موقع دیں . . ۔

۱۴ کی شام کو محترمہ فاطمہ العابد کی طرف سے رٹز ہوٹل میں ایک نہایت پرتکلف دعوت کا اہتمام تھا جس میں مولانا شوکت علی مسٹر زاہد علی، مولانا شفیع داؤدی، حضرت علامہ اقبال، مسز پنکھرڈ، لارڈ ہیڈلے، لیڈی لارنس، جعفر پاشا العسکری سفیر عراق، والا حضرت سردار احمد علی خان، سفیر افغانستان اور بعض دوسرے انگریز مرد اور عورتیں شریک تھیں . . . . . ۔

ایک روز چوہدری ظفراللہ خان نے متعدد مسلمانوں کو شفیع کے ریسٹوران میں ، جو لندن کا مشہور ہندوستانی ریسٹوران ہے ، دعوت دی تھی ۔ اس میں (نواب) احمد سعید خان (چھتاری) سے ملاقات ہوئی ۔ حضرت علامہ سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب حافظ قرآن ہیں اور روزانہ بالالتزام تلاوت فرماتے ہیں . . . . ۔

. . . حضرت علامہ ۴ نومبر کو ایک لیکچر دینے والے ہیں ۔ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر گب کی طرف سے دعوت آئی ہے ۔ وہاں طلبہ کے سامنے تقریر کرنی ہے ۔ موضوع تقریر حضرت علامہ نے یہ تجویز کیا ہے ''نٹشے اور حلاّج''۔ ہندوستانی طلبہ نے حضرت کے اعزاز میں دعوت کا انتظام کیا ہے ۔ یہ دعوت غالباً ۱۱ نومبر کو ہوگی ۔

— ٥ —

باسمہ سبحانہ

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۱ع*

جان برادر ، السلام علیکم ،

گذشتہ اتوار کو مولانا فرزند علی صاحب امام مسجد لندن نے بعض اصحاب کو لنچ پر مدعو کیا تھا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں :

حضرت علامہ اقبال ، مولانا شوکت علی، چوہدری ظفراللہ خان ، حافظ ہدایت حسین ، مسٹر فضل الحق ، مہر ، عبدالمتین چوہدری اور چند اور اصحاب ۔

پرتکلف لنچ کے بعد مولانا موصوف نے قرب و جوار کے انگریز نومسلموں کی ایک جماعت سے ہم سب کو ملایا . . . . . ایک انگریز نوجوان مسٹر عبدالرحمان ہارڈی کی انگریز بچی نے سورۂ فاتحہ سنائی ۔

---

* انقلاب : ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۱ع ۔

حضرت علامہ اقبال نے اسے ایک پونڈ انعام دیا ۔

حضرت موصوف نے محفل قرأت کے بعد ایک مختصر مگر نہایت پر تاثیر تقریر فرمائی ۔ آپ نے فرمایا ''دنیائے اسلام کے چالیس کروڑ فرزندان توحید آپ کے بھائی ، آپ کے ہم قوم اور آپ کے ساتھی ہیں''۔ نیز فرمایا ''یورپ کی تین زبانیں ترقی کے اوج پر پہنچ رہی ہیں ایک انگریزی ، دوسری فرانسیسی اور تیسری جرمن ۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عربی زبان (جو قرآن پاک کی زبان ہے) کا مستقبل بھی درخشاں اور روشن ہے اور آپ کو اس پر بھی توجہ کرنی چاہیے اور اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے''۔ آخر میں حضرت علامہ نے مولانا فرزند علی صاحب امام مسجد کا شکریہ ادا کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

— o —

*لندن ۲۳ اکتوبر

بھائی جان! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں کوئی بڑا اہم کام نہیں ہو رہا اور سچی بات تو یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے انتخاب اور مفاہمت ہندو مسلم کی گفتگو کے انقطاع کے بعد اب تک کوئی قابل ذکر کام ہوا ہی نہیں ۔ پارلیمنٹ کے ممبر ، علی الخصوص حکومت کے ذمہ دار ارکان اپنی مصیبت میں مبتلا ہیں ۔ مندوبین گاہے گاہے باہم مشورہ کر لیتے ہیں اور اکثر دوسرے مشاغل میں منہمک رہتے ہیں ، یعنی کبھی ٹی پارٹی کبھی ڈنر ، کبھی مختصر سا جلسہ اور کبھی پرائیویٹ گفتگو ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت علامہ اقبال اہل علم کا مرجع بنے ہوئے ہیں ۔ کبھی کوئی پروفیسر آتا ہے اور اسلامیات کے متعلق گفتگو کرتا ہے ، کبھی کوئی لیکچر دینے والا تبادلہ خیالات کرتا ہے ۔ اترسوں عرب اور

---

*انقلاب : ۵ نومبر ۱۹۳۱ء ۔

افریقہ کے بعض اسلامی ممالک کی مشہور سیاح خاتون روزیٹہ فاربیز نے مسز سروجنی نائیڈو کی وساطت سے (حضرت علامہ کو) بلایا تھا۔ وہاں قرآن حکیم کی تعلیمات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ اس روز لیڈی ہارڈنگ کے ہاں بڑی دعوت تھی اور ایک گھنٹہ وہاں گذرا۔ پرسوں لاہور کے سابق ڈپٹی کمشنر جو ترک موالات کے زمانے میں بہت مشہور تھے، یعنی کرنل فیرر آئے تھے۔ ہندوستان اور عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ یہاں لندن یونیورسٹی میں مختلف اسلامی ممالک کی تحریکات پر مختلف اصحاب لیکچر دے رہے ہیں۔ کرنل فیرر ہندوستان کی اسلامی تحریکات کے متعلق لیکچر دیں گے۔ وہ بہت سے نوٹ حضرت علامہ سے لکھوا کر لے گئے۔ کل یا پرسوں پروفیسر گب آنے والے ہیں۔ وہ غالباً افریقہ کی اسلامی تحریکات کے متعلق گفتگو کریں گے۔ خود حضرت علامہ بھی ایک لیکچر دینے والے ہیں۔ جو مذکورہ بالا سلسلے سے بالکل الگ ہے ......۔

بعض دوست لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ اقبال نے ابھی تک کوئی تقریر نہیں کی۔ سوال یہ ہے کہ وہ تقریر کہاں کرتے؟ یہاں اقلیتوں کی کمیٹی کے اب تک صرف تین جلسے ہوئے۔ پہلا اجلاس معاً دو روز کے لیے ملتوی ہو گیا، اس لیے کہ گاندھی جی اور بعض دوسرے مندوبین باہم گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا جلسہ آٹھ روز کے لیے ملتوی ہو گیا۔ اس میں بھی کسی نے اصل مسئلے پر کوئی تقریر نہ کی۔ تیسرے جلسے میں صرف ناکامی مفاہمت کا اعلان ہوا یا بعض متفرق تقریریں، کہ گاندھی جی کی تجویز کے مطابق اقلیتوں کی کمیٹی کو غیر معین مدت کے لیے ملتوی کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ وزیر اعظم نے چند تقریروں کے بعد کہا کہ کمیٹی کے ارکان کی اکثریت غیر معین مدت کے لیے التوا کی مخالف ہے۔ اس لیے التوا کی تحریک کو مسترد سمجھا جائے اور میں (وزیر اعظم) انتخابات سے فرصت پا کر خود کمیٹی کا جلسہ بلا لوں گا۔ حضرت

علامہ نے احتیاطاً مسلم مطالبات کے متعلق اپنی تقریر لکھ بھی لی تھی۔ جب وہ دنیا کے سامنے آئے گی تو یقیناً بہت سے ایسے گوشے بے نقاب ہوں گے، جو اب تک بے نقاب نہیں ہوئے۔ . . . حضرت علامہ واپسی پر غالباً روما، قاہرہ اور فلسطین ہوتے ہوئے آئیں گے۔ فلسطین کے لیے مجوزہ مؤتمر اسلامی کے منتظمین کی طرف سے دعوت آئی ہے۔ . . . والسلام۔

آپ کا

مہر

—o—

*۴ نومبر کی شام کو پانچ بجے انڈیا سوسائٹی کی دعوت پر علامہ اقبال نے اپنے فلسفے اور شاعری پر ایک عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ جلسے کے صدر تھے۔ صاحب موصوف نے نہایت موزوں الفاظ میں حضرت علامہ کا تعارف کرایا اور فرمایا کہ سر زمین مشرق کے نہایت بلند پایہ شاعر و فلاسفر آج اپنے کلام کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کریں گے۔ حضرت علامہ نے خطبہ کے آغاز میں فرمایا ''بے شک میرے اشعار میں مختلف مسائل کے متعلق فلسفیانہ خیالات موجود ہیں لیکن میرا کوئی منظم و مرتب فلسفہ نہیں ہے۔ البتہ فلسفے کے ایک مسئلے یعنی حیات بعد الممات کے ساتھ مجھے خاص دلچسپی رہی ہے۔ میں ایک انسان کے شاندار اور درخشاں مستقبل پر پختہ یقین رکھتا ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ انسان نظام کائنات میں ایک مستقل عنصر کی حیثیت حاصل کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ یہ عقیدہ میرے خیالات و افکار میں آپ کو عموماً جاری و ساری نظر آئے گا''۔ چنانچہ حضرت علامہ نے متعدد

---

*انقلاب: ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء۔

اشعار اس عقیدے کی توضیح کے سلسلے میں پیش فرمائے اور ان کا انگریزی ترجمہ سنایا:

فروغ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے
زمین از گردش تقدیر ما گردوں شود روزے

خیال ما کہ او را پرورش دادند از طوفاں
ز گرداب سپہر نیلگوں بیروں شود روزے

یکے در معنی آدم نگر از من چہ مے پرسی
ہنوز اندر طبیعت مے خلد موزوں شود روزے

چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیر او پرخوں شود روزے

......

چناں بہ زی کہ اگر مرگ ماست مرگ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

......

ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است
خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

اس کے بعد حضرت علامہ نے فرمایا ”پروفیسر آرنلڈ نے شاعری کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ زندگی کا انتقاد (Criticism of Life) ہے۔ میں اس کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔ بشرطیکہ محض ’لائف‘ نہیں بلکہ ’ڈیوائن لائف‘ کا انتقاد کہا جائے“۔ پھر حضرت علامہ نے ”ڈیوائن لائف“ کے انتقاد کے اسلوب و انداز کی وضاحت کرتے ہوئے ذیل کے اشعار مع ترجمہ سنائے:

ایں جہاں چیست صنم خانۂ پندار من است
جلوہ او گرو دیدۂ بیدار من است

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکاں شوخی افکار من است

سازِ تقدیرم و صد نغمۂ پنہاں دارم
ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تار من است
اے من از فیض تو پایندہ نشان تو کجاست؟
ایں دو گیتی اثر ماست جہان تو کجاست؟

پھر حضرت ممدوح نے اپنی نظموں سے مختلف ٹکڑے اپنی شاعری کے عام انداز و اسلوب کی وضاحت کے سلسلے میں پیش کیے ۔ سب سے پہلی اردو کی نظم ''حسن'' تھی ۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے تقریباً پچیس سال پیشتر کیمبرج میں یہ نظم لکھی گئی تھی ۔ اصل خیال جرمن شاعر سے لیا گیا تھا ، لیکن میں نے اس کو بہت وسیع کر دیا :

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگ تغیر سے جب نمود اس کی
حسیں وہی ہے حقیقت زوال ہے جس کی

حضرت نے فرمایا کہ یہاں تک جرمن شاعر کا خیال تھا ۔ آگے جو کچھ ہے وہ میرا ہے :

کہیں قریب تھا یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی اختر سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا !
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

دوسری نظم ''حور و شاعر'' سنائی ۔ تیسری نظم ''بوئے گل'' تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ تین نظمیں سنانے کے بعد حضرت علامہ نے اپنی فارسی تصانیف کی مختصر سی کیفیت بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ''میری مثنوی 'اسرار خودی' کا ترجمہ پروفیسر نکلسن انگریزی میں کرچکے ہیں، اس لیے اس کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری دوسری مثنوی 'رموز بے خودی' ہے۔ 'اسرار خودی' فرد کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ 'رموز بے خودی' میں قوموں اور جماعتوں کی زندگی کے اسرار و معارف بیان کیے گئے ہیں۔ میری تیسری تصنیف 'پیام مشرق' ہے، جو گوئٹے کے دیوان کے انداز و اسلوب پر لکھی گئی تھی۔ اس کے بعض حصوں میں جرمن شاعر ہائین اور گوئٹے کا جواب ہے۔ آغاز میں رباعیات ہیں جو مشہور صوفی شاعر بابا طاہر عریاں کے تتبع میں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً آرٹ اور نیچر کی بحث کے متعلق یہ رباعی ؎

بہ یزداں روز محشر برہمن گفت فروغ زندگی تاب شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم صنم از آدمی پاینده تر بود

گدائے جلوہ رفتی بر سر طور کہ جان تو زخود نامحرمے ہست
قدم اندر تلاش آدمے زن خدا ہم در تلاش آدمے ہست

''اس کتاب میں یورپین مسائل کے متعلق بھی نظمیں ہیں۔ مثلاً جس زمانے میں سمندروں کی آزادی پر بحث ہو رہی تھی میں نے اس مسئلے کے متعلق لکھا تھا ؎

بطے می گفت بحر آزاد گردید
چنین فرمان زدیوان خضر رفت
نہنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی
ولے از ما نباید بے خبر رفت

''پیام مشرق' کے بعد میری تصنیف 'زبور عجم' شائع ہوئی۔ جس کے تین حصے ہیں۔ اول غزلیات، دوم گلشن راز، سوم بندگی نامہ۔

حصہ اول پھر تین حصوں میں منقسم ہے۔ اول خدا، دوم انسان، سوم بزم قدرت۔ 'گلشن راز' سے آپ آگاہ ہوں گے اس لیے کہ اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ ایران کے مشہور صوفی اور فلاسفر محمود شبستری کی مثنوی ہے۔ خراسان کے باشندوں نے محمود سے تیرہ سوال کیے تھے۔ جن کا جواب ترتیب وار اس نے 'گلشن راز' میں دیا ہے۔ میں نے ان میں سے نو سوال لیے ہیں اور موجودہ زمانے کے مقتضیات و احوال کو مد نظر رکھ کر ان کا جواب دیا ہے۔ اس ضمن میں یورپ کی جمہوریت، مذہب و سیاست کی علحٰدگی اور اس قسم کے بہت سے اہم مسائل زیر بحث آ گئے ہیں۔ مثلاً جمہوریت کے متعلق میں نے لکھا ہے :—

فرنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است
گروہے را گروہے در کمین است
خدایش یار گر کارش چنین است

مذہب اور سیاست کی علحٰدگی کے متعلق لکھا ہے :—

خرد را با دل خود ہم سفر کن یکے بر ملت ترکان نظر کن
بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند میان ملک و دین ربطے نہ دیدند
بہ کف بردن جہان چار سو را مقام نور و صوت و رنگ و بو را
فزونش کم کم او بیش کردن دگرگون بر مراد خویش کردن
بہ رنج و راحت او دل نہ بستن طلسم نہ سپہر او شکستن
فرو رفتن چو پیکاں در ضمیرش نمدادن گندم خود باشعیرش
شکوہ خسروی این است این است ہمیں ملک است کو توام بہ دین است

جدید 'گلشن راز' کے بعد اردو اشعار بھی حضرت علامہ نے سنائے۔ لیکن 'بندگی نامہ' کا ذکر نہ کیا۔

آخر میں فرمایا : ''میری تازہ تصنیف 'جاوید نامہ' مطبع میں

جا چکی ہے ۔ اور غالباً ایک دو مہینے میں چھپ جائے گی ۔ یہ حقیقت میں ایشیا کی 'ڈیوائن کامیڈی' ہے ۔ جیسے ڈینٹے کی تصنیف یورپ کی 'ڈیوائن کامیڈی' ہے ۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ شاعر مختلف ستاروں کی سیر کرتا ہوا مختلف مشاہیر کی روحوں سے مل کر باتیں کرتا ہے ۔ پھر جنت میں جاتا ہے اور آخرمیں خدا کے سامنے پہنچتا ہے ۔ اس تصنیف میں دور حاضر کے تمام جماعتی ، اقتصادی ، سیاسی ، مذہبی ، اخلاقی اور اصلاحی مسائل زیر بحث آ گئے ہیں ۔ اس میں صرف دو شخصیتیں یورپ کی آئی ہیں ۔ اول کچنر ، دوم نٹشے ۔ باقی تمام شخصیتیں ایشیا کی ہیں ۔ ڈینٹے نے اپنے رفیق سفر یا خضر طریق 'ورجل' کو بنایا تھا ۔ میرے رفیق سفر یا خضر طریق 'مولانائے روم' ہیں ۔ میں اس تصنیف میں سے صرف ایک دو مثالیں ہی پیش کر سکتا ہوں ۔ مثلاً چاند میں ہندوستان کے مشہور ہندو صوفی وشوامتر سے ملاقات ہوتی ہے ، جس کا نام میں نے 'جاوید نامہ' میں 'جہاں دوست' رکھا ہے اس لیے کہ وشوامتر کے معنی جہاں دوست کے ہیں ۔ وشوامتر سے جو دو باتیں ہوئیں ۔ انہیں میں نے 'نہ تا سخن عارف ہندی' کے عنوان سے پیش کیا ہے ؎

گفت! مرگ عقل؟ گفتم ترک فکر
گفت! مرگ قلب؟ گفتم ترک ذکر
گفت! دین عامیاں ؟ گفتم شنید
گفت! دین عارفاں ؟ گفتم کہ دید
گفت! آدم ؟ گفتم از اسرار اوست
گفت! عالم؟ گفتم او خود روبروست
گفت! ایں علم و ہنر؟ گفتم کہ پوست
گفت! حجت چیست؟ گفتم روئے اوست

آپ حیران ہوں گے کہ کچنر اس ضمن میں کیسے آ گیا ۔ 'جاویدنامہ' میں کچنر اور فرعون آپس میں باتیں کرتے ہیں ۔ فرعون کچنر کو

طعنہ دیتا ہے کہ یورپ کے لوگ بڑے بے رحم اور بے درد ہیں۔ انھوں نے ہماری قبریں تک کھود ڈالی ہیں۔ کچنر جواب دیتا ہے کہ ہمارا مقصد سائنس کی خدمت اور علم الآثار کی خدمت ہے۔ قبریں اس لیے کھودی ہیں کہ معلوم ہو، آج سے تین چار ہزار سال قبل دنیا کی حالت کیا تھی۔ فرعون اس تشریح کے جواب میں کہتا ہے ؎

قبر ما را علم و حکمت بر کشود   لیکن اندر تربت مہدی چہ بود؟

''ایک مقام پر میں نے چار الواح لکھے ہیں۔ لوح بدھ، لوح مسیح [۴]، لوح زرتشت، لوح محمدؐ۔ لوح مسیح میں ٹالسٹائی کا ایک خواب ہے۔ لوح زرتشت میں اسلامی تصوف کے مشہور مسئلہ فضیلت نبوت بر ولایت یا ولایت بر نبوت کے متعلق بحث ہے۔ لوح محمدؐ کا مضمون یہ ہے کہ کعبہ میں بت لوٹے پڑے ہیں۔ ابوجہل کی روح گریہ و زاری کر رہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہی ہے کہ انھوں نے ہمارے دین کو برباد کیا، ہماری خاندانی بلند پائیگی زائل کر ڈالی اور مساوات کی تعلیم دینی شروع کر دی جو مزدکیوں سے حاصل کی گئی ہے...۔ وقت بہت کم ہے اس لیے کہ آج اسی وقت لارڈ ارون اور لیڈی ارون کی طرف سے ایک پارٹی ہے جس میں بعض دوستوں کو جانا ہے اور خود مجھے بھی جانا ہے۔ اس لیے میں اس لیکچر کو ختم کرتا ہوں......''۔

—o—

*٦ نومبر کو شام کے چار بجے اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کی طرف سے حضرت علامہ کے اعزاز میں ایک عظیم الشان ٹی پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ تقریب ہر اعتبار سے بے حد کامیاب رہی

---

*انقلاب: ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء۔

کم و بیش چار سو معزز و منتخب اصحاب اس میں شریک ہوئے۔ گول میز کانفرنس کے تقریباً تمام مندوبین شریک تھے۔ سر تیج بہادر سپرو مولانا شوکت علی، مسز سروجنی نائیڈو، سر اکبر حیدری، مرزا سر اسماعیل، گاندھی جی، سردار اجل سنگھ، مولانا شفیع داؤدی، شفاعت احمد خان، ہزہائینس سر آغا خان، سر محمد شفیع، چوہدری ظفر اللہ خان، نواب مہر شاہ، مسٹر آئینگر اور دیگر متعدد اصحاب۔ عام معززین میں سے پروفیسر ڈاکٹر نکلسن (مترجم ''اسرار خودی'')، سر مائیکل اوڈ وائر، جنرل البنی، سر ہیوبرٹ اینکسن، ایک مخلص نو مسلم، مادام فاطمہ العابد، سر عمر حیات خان ٹوانہ، نواب لیاقت حیات خان، مسٹر شعیب قریشی، ملک غلام محمد، مولوی فرزند علی صاحب امام مسجد احمدیہ لندن، مولوی عبدالمجید صاحب امام ووکنگ اور ان دونوں اصحاب کے معاونین، سر عبدالقادر، شیخ حافظ وہبہ سفیر دولت حجاز و نجد، ریورینڈ فرینک ہارٹ، مسٹر خالد شیلڈریک، مس مارگریٹ فارکہرسن، مسٹر عبداللہ یوسف علی، مسٹر زاہد علی، سید امجد علی شاہ اور بہت سے اکابر علم و فضل، جن میں خواتین بھی کافی تعداد میں شامل تھیں، جن کے اسمائے گرامی مجھے معلوم نہ ہوسکے۔ ہندوستانی اور غیر ہندوستانی طلبہ کی ایک کثیر جماعت بھی شریک تقریب تھی۔ چوہدری رحمت علی، مسٹر عبدالرحیم اور متعدد اصحاب کیمبرج سے آئے تھے۔ اسی طرح متعدد اصحاب آکسفورڈ سے تشریف لائے تھے۔ غرض ایسی تقریبات پر لندن میں اتنا بڑا اجتماع، خصوصاً منتخب اصحاب کا اتنا بڑا اجتماع، بہت کم ہوا ہوگا۔ پارٹی کا بندوبست والڈورف ہوٹل میں کیا گیا تھا، جو ایلڈچ میں لندن کا مشہور ہوٹل ہے۔ سب سے پہلے تمام اصحاب ایک بڑے کمرے میں جمع ہوتے رہے۔ سر عمر حیات خان ٹوانہ ہر آنے والے سے حضرت علامہ کا تعارف کراتے رہے۔ پھر چائے پینے کے لیے چلے گئے جس کا انتظام دو بڑے ہالوں میں جو ایک دوسرے سے

متصل تھے، کیا گیا تھا۔

سر عمر حیات خان ٹوانہ نے سر عبدالقادر کا نام صدارت کے لیے پیش کیا۔ صاحب صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا "ہم سب اس بات پر نازاں ہیں کہ آج سر زمین مشرق کا سب سے بڑا شاعر اور فلاسفر ہمارے درمیان موجود ہے، جس کے اعزاز میں ہم سب جمع ہیں۔" پھر ڈاکٹر نکلسن سے درخواست کی کہ وہ حضرت علامہ کا حاضرین سے تعارف کرائیں، اس لیے کہ حضرت ممدوح کے کلام کو سر زمین مغرب سے روشناس کرانے والے ڈاکٹر نکلسن ہیں۔

ڈاکٹر نکلسن نے ایک مختصر مگر نہایت عمدہ تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا "میں آج سے تقریباً پچیس برس پیشتر ڈاکٹر اقبال سے کیمبرج میں ملا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں کوئی شخص کسی نوجوان کے شاندار مستقبل اور آئندہ حاصل ہونیوالی عزت و شہرت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر ڈاکٹر اقبال کے متعلق اس وقت بھی یقین ہوتا تھا کہ وہ بڑے مرتبے پر پہنچیں گے۔ اور بقول سعدی

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

اس کے بعد ڈاکٹر نکلسن نے حضرت علامہ کی شاعری کے متعلق سرسری طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا "یہ فلسفے کے دقیق حقائق کو نہایت دلکشا اور دلفریب اشعار میں پیش کرتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ایک خاص پیغام پہنچا رہے ہیں، جس میں روحانیت کا پہلو غالب ہے اور جو دہریانہ مادیت کے خلاف ہے۔ ابتدا میں لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ ایک دوسرے نٹشے ہیں یا نٹشے کے خیالات و افکار کو فارسی کا جامہ پہنا رہے ہیں۔ لیکن عمیق مطالعے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر اقبال کی تعلیم دوسری ہے۔ حقیقتاً ان کی شاعری کا مقصد یہ اصطلاح

مولانائے روم 'جہاد اکبر' ہے۔''

اس کے بعد ایسوسی ایشن کے سیکرٹری مسٹر نیاز محمد خان نے درج ذیل ایڈریس پڑھا:

''بخدمت علامہ سر محمد اقبال مدظلہ العالی

ہم اس لٹریری ایسوسی ایشن کے ارکان جو جناب کے اسم گرامی سے منسوب ہے، آپ کی امروزہ تشریف آوری کی تقریب سعید پر اپنے انتہائی جذبات مسرت و امتنان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارا احساس ہے کہ جناب نے دنیا کو ایک ایسا پر امید پیغام دیا ہے، جو اسے یاس و نومیدی کی موجودہ حالت سے نجات دے سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ابھی اس پیغام کی وہ اشاعت و توضیح نہیں ہوئی جس کا وہ مستحق ہے۔ ابھی دنیا اس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچی اور اسے آپ کے پیغمبرانہ انتباہات اور ہمت افزا پہلوؤں کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا۔ اس لیے ہمارا نصب العین یہ ہے کہ اہل مشرق، بیداری کی اس صدائے پیہم کے مطالعہ اور تفہیم میں اہل مغرب کی امداد کریں۔

''جناب والا! آپ جہاں ایک عصر جدید کے بلند بانگ پیغام رساں ہیں، وہاں ماضی رفتہ کی شوکت کے افسانہ خواں بھی ہیں۔ ہمارے بہت سے رہنماؤں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے آپ کی ہدایت و رہنمائی سے 'عرفان نفس' حاصل کیا ہے۔ آپ ہمارے اہل فکر کو غفلت کی گہری نیند سے بیدار کرنے اور عام تماشائیوں میں اضطراب و ہیجان پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ نے دنیا کے سامنے اس کے ذہنی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کی کلید پیش کی ہے۔ آپ نے تخیل کی دنیا میں انقلاب پیدا کرکے اور شعر کو عمیق خیالات و جذبات کا آلہ بنا کر شاعری پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ مشرق و مغرب کا وہ فلسفہ جس کو اب تک گہرا مطالعہ کرنے

والے اشخاص نے بلا شرکت غیرے اپنی ملکیت بنا رکھا تھا ، آپ نے اس کو دلفریب اشعار اور سرود و آہنگ کے قالب میں ڈھال کر عامۃ الناس کی دلفریبی اور فکر افروزی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ آپ کی ساری حیات ادبی اس بے پناہ ملحدانہ مادیت کے خلاف ایک جرات آموز جہاد ہے جس نے قوم پرستی کے لباس میں مغرب کی تمام قوتوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور حقیقت یہ ھے کہ عصر حاضر کے کسی مصنف نے اس جہاد میں آپ سے زیادہ جسارت سے کام نہیں لیا۔ تمام جلیل القدر معلمین فکر کی طرح ، جو اپنے زمانے سے بہت آگے نظر ڈالنے کے خوگر ہوتے ہیں ، آپ نے ہمیشہ ایسے انسانوں کے فقدان پر اظہار تاسف کیا ہے جو آپ کے بلند تخیلات کے معنی سمجھ سکیں۔ لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جن اسرار حیات کا آپ نے انکشاف کیا ہے ان سے اب آہستہ آہستہ لوگ آشنا ہونے لگے ہیں۔ آپ نے اپنے اشعار میں جن بلند نظریات کو پیش کیا ہے اور اپنی نثر میں ایک فلسفی کی حیثیت سے جن افکار کو بیان فرمایا ہے وہ اپنا اثر کر رہے ہیں اور ان تخیلات کی آخری ظفر مندی میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ ہمارا فرض اور حق ہے کہ ہم ان تخیلات کی تفسیر میں اپنی قوم اور دنیا کی دوسری اقوام کی امداد کریں۔

’’آپ کے تمام مداحوں کی دلی دعا ہے کہ آپ مدت دراز تک علم و دانش کا نور پھیلاتے رہیں اور انسانی زندگی کو بہتر مدارج ارتقاء تک پہنچانے کی ہدایت کرتے رہیں۔‘‘

اس کے بعد علامہ اقبال نے اپنی تقریر میں رسمی شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا :

’’۱۹۰۵ میں میں جب انگلستان آیا تھا تو میں محسوس کر چکا تھا کہ مشرقی ادبیات اپنی ظاہری دلفریبیوں اور دلکشیوں کے باوجود اس روح سے خالی ہیں جو انسانوں کے لیے امید ، ہمت اور جرات عمل

کا پیغام ہوتی ہے اور جسے زندگی کے جوش اور ولولے سے تعبیر کرنا چاہیے - یہاں پہنچ کر یورپی ادبیات پر نظر ڈالی تو وہ اگرچہ ہمت افروز نظر آئیں لیکن ان کے مقابلے کے لیے سائنس کھڑی تھی - جو ان کو افسردہ بنا رہی تھی - اور ۱۹۰۸ع میں انگلستان سے واپس گیا تو میرے نزدیک یورپی ادبیات کی حیثیت بھی تقریباً وہی تھی جو مشرقی ادبیات کی تھی - ان حالات سے میرے دل میں کشمکش شروع ہوئی کہ ان ادبیات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنی چاہیے اور ان میں روح پیدا کرنے کے لیے کوئی نیا سرمایہ حیات فراہم کرنا چاہیے - میں اپنے وطن گیا تو یہ کشمکش میرے دل میں جاری تھی اور میں اس میں اس درجہ منہمک تھا کہ دو تین سال تک میرے عزیز دوستوں کو بھی علم نہ تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں - ۱۹۱۰ع میں میری اندرونی کشمکش کا ایک حد تک خاتمہ ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہییں - لیکن اندیشہ تھا کہ ان سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی - بہر حال میں نے ۱۹۱۰ع میں اپنے خیالات کو مد نظر رکھ کر اپنی مثنوی 'اسرار خودی' لکھنی شروع کی - اردو کو چھوڑ کر فارسی میں شعر کہنا شروع کرنے کے متعلق اب تک مختلف لوگوں نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں -

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج میں یہ راز بھی بتا دوں کہ میں نے کیوں فارسی زبان میں شعر کہنے شروع کیے - بعض اصحاب خیال کرتے رہے ہیں کہ فارسی زبان میں نے اس لیے اختیار کی کہ میرے خیالات زیادہ وسیع حلقے میں پہنچ جائیں - حالانکہ میرا مقصد اس کے بالکل بر عکس تھا - میں نے اپنی مثنوی 'اسرار خودی' ابتداً صرف ہندوستان کے لیے لکھی تھی اور ہندوستان میں فارسی سمجھنے والے بہت کم تھے - میری غرض تھی کہ جو خیالات میں باہر پہنچانا چاہتا ہوں وہ کم از کم حلقے تک پہنچیں - اس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ مثنوی ہندوستان کی سرحدوں سے باہر

جائے گی، یا سمندر چیر کر یورپ پہنچ جائے گی۔ بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد فارسی نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اسی زبان میں شعر کہتا رہا۔

''میں نے جو خیالات ظاہر کیے تھے ان پر ابتدا میں بہت سے اعتراض ہوئے۔ حتیٰ کہ میری نسبت کہا گیا کہ میں دہریت کی تبلیغ کر رہا ہوں اور یہ اعتراض مسیحی کلیسا کے ایک رئیس کی طرف سے پیش ہوا۔ سائنس کے مقابلے میں یورپی ادبیات کی کمزوری اور انحطاط کا مجھے جو احساس ہوا، اسے میں نے مختلف اشعار میں پیش کیا ہے۔ مثلاً ؎

عشق ناپید و خرد مے گزدش صورت مار
گرچہ در کاسۂ زر لعل روا نے دارد

''میں مکرر آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خوش ہوں کہ اگرچہ میرے ساتھ کوئی فوج نہیں ہے، تاہم رفقا کی ایک کثیر جماعت میرے سامنے ہے۔ آپ اپنی تعداد کو بڑھائیے۔ میں آپ کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو میں نے اپنے فرزند (جاوید اقبال اطال اللہ عمرہ) کو کی ہے۔ یعنی ؎

کم خور و کم خواب و کم گفتار باش
گرد خود گردندہ چوں پرکار باش

اور آپ کے سامنے میں وہی بات دہراتا ہوں، جو میں نے صوفیوں سے کہی ہے ؎

زمن گو صوفیان باصفا را
خدا جویان معنی آشنا را
غلام ہمت آن خود پرستم
کہ با نور خودی بیند خدا را

*... حضرت علامہ اقبال کے لیے ایک روز لائسیم کلب میں خواتین کی طرف سے جلسے کا اہتمام تھا لیکن چونکہ اسی وقت حضرت علامہ کو دوسرے مندوبین کے ہمراہ وزیر ہند سے ملنا تھا، اس لیے حضرت ممدوح اس جلسے میں شریک نہ ہو سکے... جلسے میں معزز خواتین کی بہت بڑی تعداد جمع تھی، جن میں سے لیڈی ارون، لیڈی ریڈنگ اور لیڈی منٹو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مسز سروجنی نائیڈو نے حضرت علامہ کی بعض نظموں کا انگریزی ترجمہ سنایا۔ پرسوں حضرت علامہ، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا شوکت علی کے اعزاز میں لیڈی لارنس نے ایٹ ہوم کا اہتمام کیا تھا، جس میں متعدد خواتین شریک تھیں۔ انھوں نے حضرت علامہ سے کہا کہ ہمیں کوئی خاص پیغام دیجیے۔ حضرت ممدوح نے فرمایا ''انگلستان کی عورتوں کا فرض ہے کہ آئندہ نسل کو دہریت اور مادیت کے چنگل سے بچائیں''... آج لارڈ لائیڈ سابق گورنر بمبئی، ہائی کمشنر مصر سے ملاقات کی۔ گذشتہ اتوار کو حضرت علامہ اور مولانا شفیع داؤدی، سر تھیوڈور ماریسن سے ملنے کے لیے گئے اور تقریباً تین گھنٹے تک ان سے باتیں کرتے رہے...

—o—

**کیمبرج سے حضرت علامہ اقبال کو کئی مرتبہ دعوتیں آ چکی تھیں۔ اقبال لٹریری ایسوسی ایشن نے جس روز والڈورف ہوٹل میں حضرت ممدوح کے اعزاز میں شاندار پارٹی کا انتظام کیا تھا، اس روز بھی کیمبرج سے کئی اصحاب تشریف لائے تھے اور انھوں نے خاص طور پر اصرار کیا تھا کہ حضرت علامہ کم از کم ایک روز کے لیے ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ پیہم اصرار کی بنا پر حضرت علامہ ۱۸ نومبر کو کیمبرج گئے۔ مولانا شفیع داؤدی اور راقم الحروف

---

*انقلاب : ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء۔
**ایضاً : ۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء۔

بھی ساتھ تھے۔ مولانا شوکت علی اور زاہد صاحب بھی اس روز کیمبرج جانے والے تھے لیکن مولانا شوکت علی سوء اتفاق سے نہ پہنچ سکے۔ ہم دو بجے کے قریب کیمبرج پہنچے۔ اس روز بارش ہو رہی تھی۔ چوہدری رحمت علی صاحب، خواجہ عبدالرحیم صاحب اور متعدد دیگر طلبہ و احباب نے ہمارا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ہونے پانچ بجے پارٹی کا انتظام تھا۔ حضرت علامہ نے درمیانی وقت میں اپنے استاد پروفیسر سارلے، ڈاکٹر نکلسن اور پروفیسر ڈکنسن سے ملاقاتیں کیں۔

پارٹی کا انتظام یونیورسٹی آرمز ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ بہت سے اصحاب مدعو تھے۔ پروفیسروں میں سے جو اصحاب تشریف لائے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: پروفیسر سارلے، ڈاکٹر نکلسن، پروفیسر لیوی، پروفیسر بریتھ ویٹ، پروفیسر ایلکس وڈ اور پروفیسر لیفن۔ سب سے پہلے انٹرنیشنل مسلم ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر سلیمان نے، جو مصر کے ایک نہایت پر جوش، غیور اور قابل قدر مسلم نوجوان ہیں، اس تقریب کے متعلق چند الفاظ کہے اور حضرت علامہ اقبال اور دوسرے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ بعد ازاں پروفیسر سارلے نے ایک نہایت دلکش تقریر کی اور کہا ”آج سے پچیس سال قبل جب ڈاکٹر سر محمد اقبال کیمبرج میں پڑھتے تھے، تو اگرچہ وہ زیادہ بولتے نہیں تھے اور خاموش رہتے تھے لیکن کیمبرج سے جا کر انھوں نے جو شہرت اور عظمت حاصل کی، وہ ہمارے لیے ہرگز تعجب انگیز نہ تھی۔ اس لیے کہ ہم طالب علمی ہی کے زمانے سے جانتے تھے کہ ان میں خاص جوہر موجود ہیں اور یہ جوہر ضرور چمکیں گے۔“ پروفیسر سارلے کے بعد ڈاکٹر نکلسن اور پروفیسر لیوی نے مختصر سی تقریریں کیں۔

ان کے بعد علامہ اقبال نے ایک فاضلانہ تقریر کی۔ شروع میں

آپ نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ اس صحبت میں پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر میک ٹیگرٹ موجود نہ تھے - پھر فرمایا :

''کانفرنس کے کام میں میری شرکت بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے - یہاں ہندوستان کی مختلف قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ ہو رہا تھا اور میں نے ضروری سمجھا کہ اس کام میں شریک ہو کر میں بھی اپنے رفقاء کا ہاتھ بٹاؤں - جیسا کہ سب کو معلوم ہے میں انتہائی رنج و افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ باہمی گفتگوؤں میں ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور ہم میں اتحاد نہیں ہوسکا . . .

''میں ان نوجوانوں کو ، جو کیمبرج میں اس وقت تعلیم پا رہے ہیں ، چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں - کیمبرج وہ سرچشمہ علم و فضل ہے جس نے یورپی تہذیب و تمدن کی ترکیب میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے - میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت و مادیت سے محفوظ رہیں - اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مذہب و حکومت کو علحٰدہ علحٰدہ کر دیا - اس طرح ان کی تہذیب روح اخلاق سے محروم ہو گئی اور اس کا رخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا -

''میں نے آج سے پچیس برس پیشتر اس تہذیب کی یہ خرابیاں دیکھی تھیں تو اس کے انجام کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں - میری زبان پر وہ پیش گوئیاں جاری ہو گئیں - اگرچہ میں خود بھی ان کا مطلب نہ سمجھتا تھا - یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے - اس سے چھ سات سال بعد یعنی ۱۹۱۴ء میں میری یہ پیشگوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو گئیں - ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ در اصل اہل یورپ کی اس غلطی کا نتیجہ تھی جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں - یعنی مذہب و حکومت کی علحٰدگی اور دہریانہ مادیت کا ظہور - بالشوزم مذہب و حکومت کی علحٰدگی

کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔ میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ مادیت سے بچیں۔ چند روز قبل انگریز خواتین کے ایک بہت بڑے مجمع میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں عورتوں کو کوئی نصیحت کروں۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ انگریز خواتین کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ آئندہ نسل کو دہریانہ مادیت کے چنگل سے محفوظ کریں۔

"مذہب بے حد ضروری چیز ہے۔ مذہب عرفان و ایقان کا نام ہے۔ . . ."

—o—

*روما ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ع:

جان برادر! السلام علیکم

میں نے پچھلا خط انتہائی اضطراب کی حالت میں لکھا تھا۔ ایک طرف مسلم ڈیلی گیشن کے غلط اور میری رائے میں نہایت ہی افسوسناک اور ملت کے لیے سخت نقصان رساں فیصلے کی تازگی کی وجہ سے طبیعت بے حد مکدر، محزون اور غم ناک تھی۔ دوسری طرف سفر کے ضروری انتظامات کی وجہ سے آرام سے بیٹھنے اور حالات پر مفصل تبصرہ لکھنے یا سارے واقعات کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے لیے اطمینان میسر نہیں تھا۔ اب لندن کی فضا سے کم و بیش بارہ سو میل دور ہوں۔ نسبتاً سکون بھی زیادہ ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ جو کچھ پیش آیا اسے خلاصتاً لکھ دوں تاکہ آپ اور آپ کے قارئین اپنے ڈیلی گیشن کے طرز عمل اور طریق فیصلہ کا زیادہ صحیح اندازہ فرما سکیں۔

میں نے اپنے ایک پرائیویٹ خط میں آپ کو لکھا تھا کہ مسلم ڈیلی گیشن کے بعض عناصر کی کیفیت عمل و کار کے متعلق

---

* انقلاب: ۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ع۔

مجھے جو کچھ یہاں پہنچ کر اور بڑی حد تک بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے معلوم ہوا ، وہ سخت حوصلہ فرسا ، بے حد ہمت شکن اور بدرجہ غایت اضطراب افزا تھا ۔ میری دعا ہر وقت یہ تھی کہ خدایا! ڈیلی گیشن کسی آزمائش گاہ سے دو چار ہوئے بغیر بہ خیر و عافیت ہندوستان پہنچ جائے ۔ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کو بھی میں نے ایک عریضہ میں اشارۃً و کنایتہً یہی لکھا تھا ۔ بلا شبہ ڈیلی گیشن میں بعض بے حد مخلص ، بے لوث ، بے غرض اور حقیقتاً اصلح افروز موجود تھے ۔ لیکن اولاً ان کی تعداد بہت کم تھی ، ثانیاً ان کی فعالیت کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی تھیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔ خدا کو منظور ہوا تو ہندوستان پہنچ کر یہ سب کچھ بیان کروں گا ۔ اگر آغاز سے لے کر وسط نومبر تک لندن کانفرنس میں مسلمانوں کی پوزیشن بہت محفوظ اور قابل قدر رہی تو ، جیسا کہ میں نے اپنے ایک پرائیویٹ خط میں لکھا تھا ، یہ صرف ایک اتفاق تھا یا بعض مخلص افراد کی مردانہ وار سعی و جہد کا کرشمہ تھا ۔ اسے ڈیلی گیشن کی عام صلاحیت اور اچھائی کا نتیجہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے ۔ مسلمانوں کے لیے عمل کا راستہ پہلے دن سے ہی صاف تھا ، یعنی اولاً اپنے جائز حقوق کو محفوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کی تمام قوموں اور جماعتوں کے ساتھ مخلصانہ اتحاد کی مخلصانہ کوشش اور اس کے بعد متحدہ حیثیت سے ہندوستان کے اہم آئینی مسائل کے اطمینان بخش تصفیے کے لیے حکومت سے متحدہ مطالبہ ۔ اس میں ناکام رہنے کے بعد حکومت اسے مطالبہ کردہ فرقہ وار مسائل کے متعلق اپنی پوزیشن واضح کرے اور اگر اس توضیح میں مسلمانوں کے مطالبات پورے ہو جائیں تو عام آئینی مسائل کے متعلق بحث و تمحیص کا آغاز کریں ورنہ کانفرنس کے معاملات سے ، یا بدرجہ آخر مرکزی ذمہ داری کے مباحث سے ، کامل انقطاع اور کامل علاحدگی ۔

قارئین ''انقلاب'' کو معلوم ہے کہ باہمی فرقہ وار مسائل کے تصفیے میں سکھوں اور ہندوؤں نے بے حد رنجدہ طریق اختیار کیے

رکھا اور کوئی فیصلہ نہ ہونے دیا - گاندھی جی کا طرز عمل بھی اس بارے میں عموماً افسوسناک رہا - انھوں نے پہلی غلطی یہ کی کہ ابتدا میں ڈاکٹر انصاری کی آمد کو تصفیہ حقوق کی شرط قرار دے کر دو ہفتے ضائع کر دئیے ، پھر حقوق کا اعتراف کیا لیکن نہ اس اعتراف کے لیے کانگرس سے رضا مندی حاصل کرنے کی سعی کی ، نہ اسے انفرادی اعتراف سے آگے بڑھا کر جماعتی اعتراف کا رنگ دیا ، جو بہر حال ضروری تھا - ثالثاً اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں کے لیے مستقل نیابت کی مخالفت کو اعتراف کی لازمی شرط بنا کر معاملات کی روبراہی میں موانع پیدا کر دئیے - ہندو سبھا اور اس کے کارندے یا سکھ ، نہ ہندوستان میں مسلمانوں کے جائز حقوق کے اعتراف پر متوجہ تھے ، نہ لندن میں متوجہ ہوئے اور نہ ان کی موجودہ ذہنیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ کے لیے کوئی خوش آئند توقع قائم کی جاسکتی ہے -

اس سلسلے میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ برطانوی حکومت سے فرقہ وار معاملات کے متعلق کوئی معین اعلان کرانے کی کوشش کرتے یا دیگر مباحث میں حصہ لینے سے انکار کر دیتے - ۸ اکتوبر کو اقلیتوں کی سب کمیٹی کے اجلاس میں فرقہ وار مسائل کے متعلق باہمی گفت و شنید کی ناکامی کا اعلان ہوا تھا - مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اسی وقت کہہ دیتے کہ اب حکومت اس باب میں اپنے خیالات واضح کرے ورنہ مسلمان کانفرنس کے مباحث میں حصہ نہیں لے سکیں گے - لیکن اس وقت یہ خیال تھا کہ شاید باہمی گفت و شنید کا کوئی اور موقع پیدا ہو جائے یا حکومت انتخابات سے فارغ ہو کر اعلان کرنے کے قابل ہوسکے - اس لیے بعض اصحاب نے یہ تجویز پیش کر دی کہ فیڈرل سٹرکچر کمیٹی بعض ان مسائل کو زیر بحث لے آئے جو کسی اعتبار سے بھی فرقہ وار مسائل پر اثر انداز نہیں ہوتے تاکہ انتخابات کے اختتام تک وقت ضائع نہ ہو - مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ شدید اصولی غلطی تھی ، لیکن اس وقت مختلف مسلم

ارکان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے بعد میرے دل پر یہ اثر پڑا کہ یہ معمولی معاملہ ہے اور جب تمام مندوبین یقین دلاتے ہیں کہ فرقہ وار مسائل کے تصفیے کے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے تو ایک جزوی امر پر افتراق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ مصلحتاً میں بھی خاموش رہا ۔

فیڈرل حکومت اور اس کے اجزائے ترکیبی کے مابین مالی حصہ بندی اور فیڈرل کورٹ کے مسائل پر بحث ہوتی رہی - یہ مسائل ختم ہوئے تو پھر کام رک گیا ۔ اس اثنا میں ہمارے بعض افراد نے غالباً بعض ذمہ دار انگریزوں کے ایما پر ایک آدھ مسئلہ اور نکال لیا اور اسے زیر بحث لانے کی کوشش کی لیکن پہلے ہی دن اس مسئلے کے تعلق میں بحث دوسرے اطراف و جوانب پر بھی پھیل گئی - اس لیے پھر فیڈرل سٹرکچر کمیٹی رک گئی - ۱۳ نومبر کو وزیر اعظم نے از سر نو اقلیتوں کی سب کمیٹی کا اجلاس منعقد کیا ۔ اس سے قبل مختلف قوموں کے ذمہ دار اصحاب سے مل ملا کر غالباً وزیر اعظم اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ فیصلہ نہیں ہو سکتا ۔ لٰہذا طے یہ کیا گیا کہ فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کا اجلاس ۱۶ نومبر کو منعقد کر کے اس کی کارروائی مرتب کر لی جائے اور پھر عام اجلاس منعقد کر کے کانفرنس کو ختم کر دیا جائے ۔

۱۶ نومبر کو فیڈرل کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا تو سب کو خیال تھا کہ چند منٹ میں کارروائی ختم ہو جائے گی - ۱۵ نومبر کو مسلم ڈیلی گیشن نے وزیر ہند سے ملاقات کی تھی تو اس ملاقات میں بھی اکثر ارکان نے وزیر ہند کی گفتگو سے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ ۱۶ نومبر کے اجلاس میں کہہ دیا جائے گا کہ کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اور چونکہ مسلمان اور بعض ضروری جماعتیں فرقہ وار مسائل کا فیصلہ کیے بغیر کسی بحث میں حصہ لینے سے انکاری ہیں لٰہذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ کھلا اجلاس منعقد کر کے حکومت اپنے

مسلک کا اعلان کر دے - ۱۶ کے اجلاس میں وزیر اعظم بھی آئے۔ چند منٹ کی تقریروں کے بعد معلوم ہوا کہ رنگ کچھ بدلا ہوا ہے اور برطانوی ڈیلی گیشن ناکامی مفاہمت کے اعتراف اور بہ صورت عدم تصفیہ مرکزی ذمہ داری کے مباحث میں حصہ لینے سے مسلمانوں اور بعض دوسری جماعتوں کے انکار کے اعلان کے بجائے چاہتا ہے کہ مباحث کو آگے بڑھائے - چنانچہ لارڈ سینکی نے اپنے خاص ساحرانہ انداز میں یہ فرمانا شروع کیا کہ فوج اور معاملات خارجہ اور فنانس وغیرہ کے متعلق ہندوستانیوں کی رائے معلوم کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور اگر ان معاملات کے متعلق رائے نہ معلوم ہوئی تو ہمیں بڑا افسوس ہوگا - لارڈ ریڈنگ نے بھی اس کی تائید کی - مسٹر ویجوڈبین نے بڑی تیز تقریر کی اور کہا کہ حکومت کانفرنس کو اس طرح ختم نہیں کرسکتی اور اس کی گردن پر بڑی ذمہ داری ہے -

محفل کا رنگ یوں بدلا ہوا دیکھ کر بڑا اضطراب پیدا ہوا - لیکن یقین تھا کہ مسلمان ان مباحث میں شرکت سے انکار کردیں گے اور قصہ ختم ہوجائے گا ، دفعتاً مسٹر جناح ...... نے فرمایا کہ ہم (یعنی فیڈرل کمیٹی کے مسلمان ممبر) تنہا کچھ نہیں کرسکتے - ہمیں اپنے دوسرے رفقاء سے مشورے کا موقع دیا جائے - لارڈ سینکی نے پھر کہا کہ آپ مباحث کو چلنے دیں - مسٹر جناح نے پھر دوسرے رفقاء سے مشورے پر زور دیا...... تقریباً دو گھنٹے کے لیے اجلاس برخواست ہوا - وہیں سے ٹیلیفون کرکے مسلم ارکان کو رٹز ہوٹل میں جمع کیا گیا - میں جن اصحاب سے مل سکتا تھا ان سے مل کر ساری پوزیشن سمجھائی - بعض سے یہ بھی کہا کہ اگر بہ درجہ آخر پہلے فیصلے کو بدلنے اور مسلم کانفرنس کی قرار داد کے خلاف عمل پیرا ہونے کی حالات و مصالح کے اعتبار سے ضرورت پیش آ گئی ہے تو مسلم کانفرنس کی ہیئت عاملہ سے اجازت منگا کر کچھ کیجیے - لیکن اس وقت کی فضا میں ، جو لارڈ سینکی ، لارڈ ریڈنگ، مسٹر رامزے میکڈانلڈ

اور نہیں معلوم کس کس کی خوشنودی حاصل کرنے کے ہنگامہ خیز جذبات نے پیدا کی تھی، عام قومی مصالح، قومی حالات، قومی فیصلوں، اپنے مہینے بھر کے مستقل عمل اور قومی عزت کو کون پوچھتا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اجلاس ختم ہو گیا۔ پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ فیصلہ یہی ہے کہ ہم کانفرنس کو توڑنے کا الزام اپنی گردن پر نہ لیں۔ لہٰذا کانفرنس میں اعلان کر دینا چاہیے کہ مرکز کی ذمے داری کے معاملات کے متعلق مباحث جاری رہیں لیکن مسلمان کسی ایسے دستور کو قبول نہ کریں گے، جس میں ان کے مطالبات شامل نہ ہوں گے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ ...... میاں سر محمد شفیع نے اس فیصلے کو کامیاب بنانے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ جب مسٹر جناح نے فیڈرل کمیٹی کے اجلاس میں جا کر یہ فیصلہ سنایا تو میاں سر محمد شفیع ...... نے خود بھی ایک تقریر فرمائی جو محض ان کی گذشتہ سال کی بعض تقریروں کے حوالوں پر مشتمل تھی۔ لارڈ سینکی نے مسٹر جناح اور سر محمد شفیع کا شکریہ ادا کیا اور سارا قصہ ختم ہو گیا۔ اس شکریہ کے بعد قوم، یا اس کے فیصلوں، یا اس کی قراردادوں، یا اس کی مصلحتوں، یا اس کے مطالبات کی تکمیل کی ضرورتوں کا خیال کسے رہ سکتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی پوزیشن یہ تھی کہ آئندہ مباحث سے قطعی بے تعلقی و علاحدگی کا اعلان کیا جائے اور اگر کمیٹی کے مباحث میں حصہ لیا جائے تو کامل و مکمل درجہ مستعمرات کی تائید کی جائے ...... [لیکن کمیٹی میں اس تجویز پر غور نہ ہوا] ...... لہٰذا ۱۶ نومبر کو ڈاکٹر صاحب نے مسلم ڈیلی گیشن کے صدر سر آغا خان کو لکھ دیا کہ ان حالات میں انھیں ڈیلی گیشن سے کوئی سروکار نہ ہوگا[1] اور اسی روز سے وہ ڈیلی گیشن سے عملاً

۱۔ خط کا متن *Letters and Writings of Iqbal*, Ed. by B. A. Dar, pp. 8-9 میں چھپ چکا ہے۔

علحٰدہ ہو گئے ۔ ۱۹ کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کی قرار داد پہنچی تو ڈاکٹر صاحب نے ۲۰ کو سیکرٹری آف سٹیٹ کو لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے اس فیصلے کے بعد میرا یہاں رہنا قطعاً سود مند معلوم نہیں ہوگا ۔ لہذا میں ۲۱ کو جا رہا ہوں . . .

—o—

*روما ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء

۱۰ نومبر کو ٹکٹوں کا انتظام ٹامس کک کے ذریعے سے کر لیا تھا ۔ چونکہ راستے میں روما ، قاہرہ اور قدس شریف [یروشلم] ٹھہرنے کا ارادہ تھا ، اس لیے اپنے پروگرام کے مطابق ہر مقام کے ٹکٹ بنوا لیے تھے اور مختلف مقامات پر پہنچے ۔ روانہ ہونے کی تاریخوں کے مطابق ٹامس کک کو ہدایات دے دی تھیں ۔ ۲۱ نومبر کی صبح کو اٹھ کر وکٹوریہ سٹیشن پر پہنچ گئے ۔ اگرچہ ہماری ٹرین ٹھیک نو بجے صبح روانہ ہونے والی تھی اور لندن میں نو بجے لوگ عموماً گھروں سے باہر نہیں نکلتے پھر بھی متعدد اصحاب ہمیں رخصت کرنے کے لیے سٹیشن پر موجود تھے جن میں سے غازی رؤف پاشا ، عبدالرحمن پشاوری ، مولوی محمد یار صاحب نائب امام مسجد پٹنی اور عبدالعزیز اسماعیل صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ٹرین نو بجے روانہ ہوئی ۔ تقریباً دو گھنٹے میں ہم انگلستان کی بندرگاہ فوک سٹون پر پہنچ گئے ۔ جہاز تیار تھا ، دس منٹ میں اس پر پہنچے ، رودبار اللہ کے فضل و کرم سے اس روز بھی پر سکون تھی ۔ ساڑھے بارہ بجے فرانس کی بندرگاہ بولون پر پہنچ گئے ۔ حضرت علامہ فیصلہ فرما چکے تھے کہ راستے میں کسی مقام پر سفر منقطع کیے بغیر سیدھے روما پہنچیں گے ۔ میرا فیصلہ ان کے فیصلے کا تابع تھا ۔ لیکن مولانا شفیع داؤدی نے چونکہ پیرس نہیں دیکھا تھا

---

*انقلاب : ۱۳ دسمبر ۱۹۳۱ء ۔

اس لیے ان کا فیصلہ یہ تھا کہ ایک دو روز کے لیے پیرس میں اتر جائیں گے۔

حضرت علامہ اور میں بولون سے 'پل مین کار' میں سوار ہوگئے۔ ... دو بجے کے قریب بولون سے روانہ ہوئے اور چار بجے پیرس کے سٹیشن 'گاردی نورو' پہنچ گئے۔ لندن ہی میں حضرت علامہ نے سردار امراؤ سنگھ کو تار دے دیا تھا، وہ سٹیشن پر موجود تھے۔ 'گاردی نورو' سے ٹرین پیرس کے دوسرے سٹیشن 'کاردی لیان' پہنچی۔ وہاں اقبال شیدائی بھی پیرس نہ ٹھہرنے کی وجہ سے شکووں کا طومار لیے موجود تھے۔ پانچ بجے کے قریب ہماری ٹرین پیرس سے روانہ ہوئی۔ .. شام کے پونے آٹھ بجے روما پہنچ گئے ... روما بھی پہلے سے اطلاع دی جا چکی تھی۔ حضرت علامہ کے عزیز دوست ڈاکٹر سکارپا جو ہندوستان میں اٹلی کے قونصل جنرل ہیں، سٹیشن پر موجود تھے۔ ''انقلاب'' کے قارئین آگاہ ہیں کہ حضرت علامہ نے روما کا سفر اٹلی کی ''رائل اکاڈیمی'' کی درخواست پر اختیار کیا۔ اس لیے اکاڈیمی کی طرف سے پروفیسر اپرستاکو، جو روما کی یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر ہیں، حضرت علامہ کے استقبال کے لیے ڈاکٹر سکارپا کے ساتھ تھے۔ ایک نہایت عالیشان موٹر کار میں بٹھا کر ہمیں ایک عالی شان ہوٹل میں پہنچایا گیا۔ رات کا کھانا ڈاکٹر سکارپا کے ساتھ کھایا۔ دیر تک مختلف مسائل کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ ۲۲ نومبر کی صبح کو ڈاکٹر سکارپا حضرت علامہ کو بعض ارباب علم سے ملانے کے لیے لے گئے۔ ایک بجے اکاڈیمی کے وائس پریذیڈنٹ صاحب تشریف لائے جن کا اسم گرامی پروفیسر نالیکی ہے اور جو سنسکرت کے بہت بڑے عالم ہیں اور چھ ماہ تک ڈاکٹر ٹیگور کے مدرسہ شانتی نکیتن میں سنسکرت پڑھاتے رہے ہیں۔ دو گھنٹے تک ان کے ساتھ مختلف علمی، مذہبی، اخلاق اور سیاسی مسائل کے متعاق باتیں ہوتی رہیں اور فیصلہ ہوا کہ حضرت علامہ ۲۶ نومبر شام کے پانچ بجے اکاڈیمی میں لکچر دیں۔ تین بجے ایک نہایت قابل و فاضل اطالوی

خاتون سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے ۔ شام کو ایک بہت بڑے اطالوی بینکر کی بیوی ملنے کے لیے تشریف لائیں ، جو وسط ایشیا کے مختلف حصوں کی سیاحت کر چکی ہیں اور واپسی کے وقت ہندوستان سے گذرتے ہوئے لاہور میں لالہ ہر کشن لال کے مکان پر چند گھنٹے کے لیے ٹھہری تھیں ۔ اس خاتون کے ساتھ زیادہ تر وسط ایشیا اور بالشویک روس کے متعلق گفتگو ہوتی رہی ۔ پھر وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر تشریف لے آئے اور یورپی ایشیائی سیاسیات کے متعلق دیر تک تبادلہ خیالات کرتے رہے ۔

۲۴ کی صبح کو بعض پرانے مقامات کے دیکھنے کا پروگرام تھا ۔ ڈاکٹر سکارپا نے آثار قدیمہ کے ایک پروفیسر کا انتظام کر دیا ۔ چونکہ پروفیسر صاحب زیادہ انگریزی نہیں جانتے تھے اس لیے ایک جرمن خاتون کو بھی ساتھ کر دیا تھا ، جو برما اور ہندوستان کی سیر کر چکی ہیں ۔ انگریزی جانتی ہیں اور چند روز کے لیے یہاں آئی ہوئی تھیں ۔ میں جب جاتے وقت روما ٹھہرا تھا تو قیاصرہ روما کے شاہی محلات اور قدیم چوک کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا ۔ ہم ہوٹل سے نکل کر سیدھے ایلفی تھیٹر گئے ۔ تھوڑی دیر تک اسے دیکھا ۔ پھر قیصر آگسٹس کے باب فتح سے ہوتے ہوئے خورم میں داخل ہو گئے ۔ اس کے مختلف حصوں کی سیر کی ۔ بعد ازاں قیاصرہ کے بعض حصے دیکھے ۔

میری طرح حضرت علامہ بھی روما کے آثار قدیمہ کی عظمت ، جبروت ، جلال اور وسعت و رفعت سے بے حد متاثر ہوئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی عظمت اور ایسے جلال والی عمارتیں کسی دوسرے حصہ ارض میں ملنی مشکل ہیں . . شام کو بعض کٹیا کومب دیکھے جن سے حضرت علامہ بہت متاثر ہوئے ۔ کٹیا کومب کے محافظوں نے بتایا تھا کہ یہ زمین دوز اور پرپیچ راستے مسلسل آٹھ میل تک چلے گئے ہیں ۔ حضرت علامہ کہنے لگے : ”مذہب بھی کیا چیز ہے کوئی دوسری قوت عقیدے اور ایمان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ یہ جو

کچھ ہوا سب مذہبی عقائد کے جوش میں ہوا۔ عقیدہ غلط بھی ہو لیکن جب مذہب کے رنگ میں دل پر قبضہ پا لیتا ہے تو انسان کے عمل میں عجیب و غریب حرارت پیدا کر دیتا ہے۔"

شام کے پانچ بجے اٹلی کے مشہور پروفیسر جنٹیلی سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جنٹیلی آجکل 'انسائیکلوپیڈیا اطالیانہ' کی ترتیب کا انچارج ہے۔ انگریزی سے ناواقف ہے اس لیے ڈاکٹر سکارپا گفتگو کے دوران ترجمہ کرتے رہے۔ ملاقات تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی جس میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ ۲۳ کو جنٹیلی کی صدارت میں اطالویوں کی ایک خاص علمی کانفرنس ہوئی، جس میں ایک صاحب نے تجویز پیش کی تھی کہ موسیقی اور شعر وغیرہ کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیے۔ سلسلہ گفتگو کے دوران یہ موضوع بھی زیر بحث آ گیا۔ حضرت علامہ نے فرمایا "قوم کی تعمیر و ترتیب کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تجویز نہایت مفید معلوم ہوتی ہے"۔ جنٹیلی نے کہا کہ یہ چیزیں لوگوں کو ... کھینچ لانے کا اچھا ذریعہ ہیں اور اس کے بعد اچھی اور مفید باتیں ان کے ذہن نشین کی جا سکتی ہیں۔ حضرت علامہ نے فرمایا: "اس اعتبار سے بھی یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے ہاں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ لوگ خوش گلو شاعروں کے اشتہار دے دے کر لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب اگر . . . علمیات کے لیے دعوت دی جائے تو کوئی بھی نہیں آتا۔"

اسی سلسلہ میں حضرت علامہ نے اسلام کی مثال دی جس میں ان چیزوں کو دبایا گیا تھا۔ پھر فرمایا "شعر شعر میں اور موسیقی موسیقی میں فرق ہے۔ اگر کوئی ایسا شاعر پیدا ہو جائے جو دنیا کو حقیقی زندگی، عمل اور حرکت کا مؤثر پیغام دے سکے یا کوئی ایسا موسیقی دان پیدا ہوجائے جو حیات اقوام کے اصول کو ملحوظ رکھ کر نئی راگنیاں پیدا کر سکے تو خیر لیکن جو کچھ اس وقت

ہمارے سامنے ہے اس سے قوت عمل میں ضعف و انحطاط پیدا ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ۔''

چونکہ اسی روز صبح کے وقت حضرت علامہ نے روما کے آثار قدیمہ کو دیکھا تھا ۔ اس لیے ان کے متعلق بھی گفتگو شروع ہو گئی ۔ حضرت علامہ نے فرمایا ''مسلمانوں کے طرز تعمیر کو دیکھیے اس کے اندر اسلامی روح کا ظہور سب سے زیادہ بہتر صورت میں ہوا ۔ اس لیے کہ عمارتیں زیادہ دیر تک قائم رہتی ہیں اور قوم کی روح عمل اور انداز و اسلوب فکر کی زیادہ مدت تک آئینہ داری کر سکتی ہیں ۔''

یورپی تہذیب کی موجودہ حالت اور اس کے مستقبل کے متعلق بھی گفتگو ہوئی ۔ جس سے جنٹیلی بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے اچھوتے ، نادر اور لبریز حقائق خیالات کا آدمی میں نے نہیں دیکھا ۔ بعد ازاں حضرت علامہ سے کہنے لگا کہ آپ کی تحریر کو باعث فخر سمجھوں گا ۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ یہ فرصت پر موقوف ہے ۔ ڈاکٹر سکارپا اطالوی جرائد کے لیے حضرت علامہ کی سیرت اور تصانیف کے متعلق ایک آرٹیکل لکھ رہے ہیں . . ۔

— ٥ —

ضمیمہ

تحریک خلافت*

تحریک خلافت کے دوران مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دیگر حضرات ترک موالات کی تحریک کو پھیلانے کے لیے لاہور آئے۔ علی برادران کے ایماء پر انجمن حمایت اسلام کی مجلس عامہ کا ایک اجلاس ۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء کو زیر صدارت نواب سر ذوالفقار علی خان منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مجلس عامہ کے ۵۰ ارکان نے شرکت کی۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:

''مسٹر محمد علی، مسٹر شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد او، اور دوسرے اصحاب لاہور آئے ہوئے ہیں۔ ان کے خیالات سننے کے لیے ارکان انجمن کے دو جلسے ہو چکے ہیں۔ اسلامیہ کالج میں جو جلسہ ہوا تھا اس میں مجلس عامہ کے ۲۱ ارکان شریک تھے جن میں سے ۱۹ ارکان نے انجمن کے غور و فکر کے لیے ذیل کی دو تجاویز پیش کیں:

'۱۔ اسلامیہ کالج اور سکولوں کے لیے حکومت سے جو سالانہ عطیات اور امدادی رقوم لی جاتی ہیں انہیں ترک کر دیا جائے۔

'۲۔ اگر اسلامیہ کالج کے طلبہ کی اکثریت موجودہ نظام تعلیم پر عدم اطمینان کا اظہار کرے تو کالج کا رشتہ الحاق پنجاب یونیورسٹی سے منقطع کرلیا جائے . . .

''حامیان ترک موالات نے [حکومت کی مالی امداد کے بجائے] انجمن کو سالانہ گیارہ ہزار روپے کی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے . . . نیز متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں اسلامیہ کالج کو یونیورسٹی سے علحدہ کر لینے کا مطالبہ کیا گیا ہے''۔ اس کے بعد علامہ اقبال

---

*زمیندار : ۹ جولائی ۱۹۲۶ء۔

نے ان مذہبی فتووں کا ذکر کیا جو زیر بحث موضوع کے متعلق شائع ہوچکے تھے - اپنی رائے دیتے ہوئے آپ نے فرمایا : ''میرا یہ عقیدہ ہے کہ انجمن الحاق اور حکومت سے امداد لینے کے مسائل کا فیصلہ مذہبی علماء سے مشورہ لیے بغیر اور دینی احکام[1] معلوم کیے بغیر نہیں کرسکتی'' ـ[2]

— o —

علامہ اقبال کا شکریہ*

''جناب ایڈیٹر صاحب 'زمیندار' السلام علیکم

آج آپ کے پرچے میں یہ خبر پڑھ کر کہ ملک محمد حسین صاحب صدر بلدیہ لاہور پنجاب کونسل کی امیدواری سے میرے حق میں دست بردار ہو گئے ہیں، مجھے بہت مسرت ہوئی - میں ملک صاحب کی اس عنایت فرمائی کا تہ دل سے شکر گذار ہوں اور ان کے اس جذبے کو بے انتہا قابل تعریف سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں میں برادریوں کے افتراق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور اتحادالمسلمین کے مقصد عزیز کے لیے انتہائی ایثار سے کام لے سکتے ہیں - اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسی قسم کی درد مندی اور ایسے ہی ایثار کی توفیق بخشے -''

لاہور - ۳ اکتوبر ۱۹۲۶ع محمد اقبال

۱- انھی دنوں علامہ اقبال نے ''زمیندار'' میں ایک مضمون لکھا جس میں علمائے کرام کو ایک مقام پر جمع کرنے اور ان سے فتویٰ لینے کے اصول اور طریقوں کی وضاحت کی -

۲- علامہ اقبال کی تجویز منظور نہ ہوئی - اس کے بعد خان بہادر میاں فضل حسین نے یہ تجویز پیش کی کہ اسلامیہ کالج اور سکول بدستور پنجاب یونیورسٹی سے ملحق رہیں - یہ تجویز کافی بحث کے بعد منظور کر لی گئی - ۳۶ ارکان نے اس کے حق میں رائے دی - علامہ اقبال اور ۱۵ دوسرے حضرات نے رائے دینے میں حصہ نہ لیا -

*زمیندار : ۵ اکتوبر ۱۹۲۶ع -

انتخابی منشور*

درج ذیل اصول پنجاب خلافت الیکشن بورڈ کی طرف سے علامہ اقبال کی خدمت میں اکتوبر ۱۹۲۶ء میں پیش کیے گئے جن سے اتفاق کرتے ہوئے آپ نے دستخط ثبت فرمائے:

''۱۔ ہمیشہ قومی مفاد کو ذاتی اغراض اور حکومت کی خوشنودی پر ترجیح دینا۔

۲۔ مسلمانوں کے تمام حقوق کی حفاظت کے علاوہ ہندوستان کی مکمل آزادی کا نصب العین پیش نظر رکھنا اور خلافت کمیٹی جب تک اس نصب العین کو سامنے رکھ کر کام کر رہی ہے، اس کی مخالفت کونسل کے اندر یا باہر نہ کرنا۔

۳۔ عام اسلامی مفاد کی حفاظت کے علاوہ جب تک ہندوستان کے حالات بدل نہ جائیں، اس وقت تک مسلمانوں کے لیے فرقہ وار نیابت کی جدوجہد جاری رکھنا۔

۴۔ کونسل کے اندر اس جماعت کی ہم نوائی کرنا جو مندرجہ بالا اصول پر کاربند ہو۔''

(دستخط) اقبال

—o—

جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے لیے اپیل**

علامہ اقبال نے جامعہ ملّیہ کی امداد کے لیے ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ۵ مسلم رہنماؤں کے ہمراہ مندرجہ ذیل اپیل شائع کرائی:

''جامعہ ملّیہ اسلامیہ (نیشنل مسلم یونیورسٹی) کی بنیاد اگرچہ

---

*زمیندار: ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۶ء۔
**ایضاً : ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء۔

تحریک خلافت کے سلسلے میں پڑی لیکن وہ اول دن سے ایک مستقل تعلیمی نصب العین رکھتی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۲۴ء میں اس کے تمام ارکان نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اسے خلافت کمیٹی سے الگ کر کے ایک مستقل اور خالص تعلیمی مرکز کی شکل دے دی جائے اور اس کے لیے جس قدر مالی اعانت کی ضرورت ہو اس کا بطور خود انتظام کیا جائے۔ چونکہ علی گڑھ کے قیام میں اس کا اندیشہ کیا جا سکتا تھا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اس کی رقیبانہ چشمک باقی ہے اس لیے گذشتہ سال اس کا محل قیام بھی علی گڑھ سے دہلی میں بدل دیا گیا، جو ہر حیثیت سے ایک مرکزی 'انسٹی ٹیوشن' کے لیے موزوں مقام ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ ہندوستان کے لیے ایک ایسے قومی تعلیمی مرکز کی ضرورت وقت کی اصولی اور بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور اگر ملک کی بے اتفاقی سے یہ مرکز تکمیل تک نہ پہنچ سکا تو ایک نہایت قیمتی تعلیمی مرکز سے ملک کا مستقبل محروم ہو جائے گا۔ اگرچہ جامعہ کی مطلوبہ تکمیل کے لیے ایک بڑے سرمائے کی ضرورت ہے لیکن اگر بالفعل پانچ ہزار روپیہ ماہوار آمدنی کا انتظام ہو جائے تو اس کی بنیاد اس حد تک مضبوط ہو جائے گی کہ بہتر تعلیمی نتائج فوراً حاصل کیے جا سکیں۔ یہ پانچ ہزار روپیہ نہایت آسانی سے فراہم ہو سکتا ہے۔ اگر ملک کے لاکھوں مستطیع اشخاص میں سے سو اہلِ خیر ایسے نکل آئیں جو پچاس روپے ماہوار اس عظیم کام کے لیے فراہم کر سکیں تو یہ کام آسان ہو سکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں ایسے سو اہلِ خیر و استطاعت حضرات کا نکل آنا کچھ دشوار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ اس کارِ عظیم کی اہمیت اور اس کے نتائج محسوس کریں۔ ہم تمام ایسے حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ جامعہ ملّیہ کے لیے کم از کم اتنا ضرور کریں۔ ہم نے یہ اپیل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کر لی ہے۔ ہم ملک کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر جامعہ ملّیہ کی موجودہ حالت اور اس کے

مستقبل کی طرف سے ہمیں پورا اطمینان نہ ہوتا تو ہم اس نئی اپیل کی ذمہ داری ہرگز قبول نہ کرتے۔ ہم یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اب اس 'انسٹی ٹیوشن' کو ملک کی کسی پولیٹیکل تحریک سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور یہ کامل معنوں میں ایک خالص تعلیمی درس گاہ ہے۔''

(ڈاکٹر سر) محمد اقبال۔(نواب سر) ذوالفقار علی خان۔(صاحبزادہ) آفتاب احمد خان۔(مولانا) ابوالکلام آزاد۔ اجمل (امیر جامعہ)۔ مختار احمد انصاری (معتمد جامعہ)۔

—o—

خواتین مدراس کے سپاسنامے کا جواب*

علامہ اقبال کا مکتوب

''جناب ایڈیٹر صاحب 'انقلاب' السلام علیکم

خواتین مدراس کے سپاسنامے کے جواب میں جو تقریر میں نے کی تھی وہ آج آپ کے اخبار میں میری نظر سے گذری ہے۔ افسوس ہے کہ جن صاحب نے تقریر مذکور کے نوٹ لیے ان سے بعض ضروری باتیں چھوٹ گئیں۔ خیر اس وقت ان باتوں کا ذکر مطلوب نہیں ایک دو اغلاط کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ فقہ اسلامی میں بیوی بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کرسکتی ہے، نہ کہ بچہ جننے کی، جیسا کہ نوٹ لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے۔ میں نے تقریر میں اسی کا ذکر کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ان کے حافظہ سے اتر گئی۔ علیٰ ہذا القیاس لالہ لاجپت رائے آنجہانی کی کتاب میں جس سرکار کا حوالہ ہے وہ ترکوں کا نہیں بلکہ غالباً انگلستان کا ہے۔ مہربانی کرکے ان چند سطور کو شائع فرما دیجیے کہ غلط فہمی (بالخصوص امر اول کے متعلق) پیدا نہ ہو۔ والسلام''

مخلص
محمد اقبال

---

* انقلاب: ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء۔

اشاریہ

الف

آرنلڈ، پروفیسر: ۲۳۰ -
آریہ سماج: ۲۰، ۳۵ -
آسٹریلیا: ۲۱۹ -
آسٹریلیا مسجد، لاہور: ۲۰۶ -
آسن، پروفیسر: ۱۶۵ -
آغا خان، ہزہائنس سر: ۵۷، ۵۸، ۷۲، ۸۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۶۰ -
آفتاب احمد خان، (صاحبزادہ): ۲۷۲ -
آکسفورڈ: ۲۳۶ -
آگرہ: ۱۲۶ -
آگسٹس: ۲۲۵، ۲۶۳ -
آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ: ۶۹—۷۲ -
آل پارٹیز مسلم کانفرنس: ۷۲ -
آئینگر: ۲۳۶ -
آئینی کمشن: ۴۹—۵۶، ۵۷، ۶۱—۶۴ -
آئینی کمشن رپورٹ: ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۶—۱۰۹، ۱۱۴ -
ابراہیم ندوی، سید: ۲۳۰ -
ابن سعود، سلطان: ۱۰، ۱۱، ۱۲ -
ابوالکلام آزاد، مولانا: ۲۶۸، ۲۷۲ -
ابوجہل: ۲۴۵ -
ابو ظفر داؤدی، مولوی سید: ۲۱۷ -
اپرسٹاکو، پروفیسر: ۲۶۲ -
اتحاد کانفرنس: ۵۱ -
اتحاد ہندو مسلم: دیکھیے فرقہ وار اتحاد -
اٹلی: ۱۴۵، ۱۵۳، ۲۳۳، ۲۶۴ -
اجل سنگھ، سردار: ۲۴۶ -
اجمل خان، حکیم محمد: ۵۸، ۲۷۲ -
احمد سعید خان چھتاری، نواب: ۱۴۳، ۲۳۶ -
احمد شاہ (قاچار): ۲۳۲ -
احمد علی، مولوی: ۵۶ -
احمد علی خان، سردار: ۲۳۵ -
احمد یار خان، نواب: ۶۵، ۶۶ -
ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور: ۱۶۹—۱۷۳ -
"ادبی دنیا" (لاہور): ۱۶۶ -
ارون، لارڈ: ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۴۵ -
ارون، لیڈی: ۲۴۵، ۲۵۲ -
"اسرار خودی": ۸۳، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۵۰ -
اسلام: ۲—۳، ۵—۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۳، ۳۸، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۷—۷۸، ۷۹—۸۱، ۸۶، ۹۱، ۹۵، ۹۸، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۸، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸—۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۶، ۱۷۸، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۳۵، ۲۳۶ -
اسلامی آئیڈیل: ۲۵ -
اسلامی اخوت: ۱۷۳، ۲۲۲ -
اسلامی تہذیب و تمدن: ۷۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۲۲۱ -
اسلامی عدالتیں: ۸۰ -
اسلامیہ کالج لاہور: ۳، ۲۶۸، ۲۶۹ -

اسماعیل، امین الملک دیوان مرزا: ۲۲۷ -

اسماعیل، سیٹھ ہاشم: ۲۱۵ -

اسماعیل، عبد العزیز: ۲۶۱ -

اسماعیل، مرزا سر: ۲۴۶ -

اسماعیل پاشا (خدیو مصر): ۱۴۱ -

اسماعیل خان، نواب سر محمد: ۵۱، ۸۹، ۱۱۰، ۱۱۹ -

اسماعیل سیٹھ، حاجی سر: ۲۱۵، ۲۲۷، ۲۲۹—۲۳۰ -

اسماء الرجال: ۱۷۱ -

اشاعت اسلام: ۱۲، ۱۷۳ -

اشبیلیہ: ۱۶۷ -

اشتراکیت: دیکھیے بالشوزم

اشرف، حکیم مخدوم: ۲۱۸ -

"اصلاح": ۹۸ -

اطالیہ: دیکھیے اٹلی -

افریقہ: ۲۲۵، ۲۳۸ -

افضل حق خان، چوہدری: ۴۳، ۴۶، ۴۷ -

افغان بے: ۲۳۳ -

افغانستان: ۴۷، ۸۴—۸۶، ۹۸—۱۰۰، ۱۶۹، ۱۸۱، ۲۲۴، ۲۳۵ -

اقبال، علامہ سر محمد: ۱، ۲، ۳، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۶۱، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۵، ۸۴، ۸۶، ۸۷، ۹۱، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸—۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲ -

اقبال شیدائی: ۲۶۲ -

اقبال لٹریری ایسوسی ایشن (لندن): ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۵۲ -

اکبر علی، شیخ: ۲۰۶ -

"الاسلام" (کتاب): ۱۱ -

البانیہ: ۲۳۳ -

البنی، جنرل: ۲۴۶ -

"الکلام": ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰ -

امان اللہ خان، غازی: ۸۴، ۸۵، ۹۸ -

امپیریل لیجسلیٹو کونسل: ۳ -

امجد علی شاہ، سید: ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۴۶ -

امداد امام، مولانا نواب: ۱۴۲ -

امراؤ سنگھ، سردار: ۲۶۲ -

امرتسر: ۴۵، ۵۸ -

امریکہ: ۱۱، ۲۱۹، ۲۳۵-
امیر شیخ: ۱۳۰-
امیر علی، سید: ۵۵، ۶۲، ۱۲۸-
امین جنگ: ۲۳۱-
انٹرمیڈیٹ کالج بنگلور: ۲۲۸-
انجمن اتحاد و ترقی دہلی: ۱۳۵-
انجمن اردو پنجاب: ۲۰۷-
انجمن ترقی اردو مدراس: ۲۲۶-
انجمن تیموریہ دہلی: ۱۳۵، ۱۳۷-
انجمن حمایت اسلام (لاہور): ۸-۱۰، ۲۴، ۱۵۴، ۲۰۹، ۲۶۸-۲۶۹-
انجمن خواتین اسلام مدراس: ۷۵، ۲۲۶-
انجمن رفیق المسلمین دہلی: ۱۳۵-
انجمن ہلال احمر مدراس: ۷۴-
اندلس: دیکھیے سپین-
انڈیا بل، گورنمنٹ آف: ۱۹۰-۲۰۲-
انڈیا سوسائٹی: ۲۳۹-
انڈین سنٹرل کمیٹی: ۱۰۵-
انڈین فرنچائز کمیٹی: ۱۵۱-
"انسائیکلوپیڈیا اطالیانہ": ۲۶۴-
انصاری، اے- ایچ-: ۲۳۰-
انصاری، ڈاکٹر مختار احمد: ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۹۰، ۲۵۷، ۲۷۱-
"انقلاب" لاہور (۱۹۲۲ع): ۵-
"انقلاب" لاہور (۱۹۲۷ع): ۲۶، ۳۴، ۳۱، ۳۸، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۶۱، ۶۴، ۶۹، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۹۱، ۹۴، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۷۲-
انگلستان: ۱، ۲، ۴۷، ۵۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۹۴، ۹۷، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۴۰، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۲۵، ۲۴۹، ۲۷۲-
انگلستان، شہنشاہ: ۱، ۲، ۱۰۱، ۲۵۰، ۲۵۲-
"انوار اقبال": ۷۵-
اودھ: ۱۴۳-
اوڈوائر، سر مائیکل: ۲۴۶-
اورئینٹل کانفرنس، آل پارٹیز: ۱۶۹-
اوسائی: ۱۴۴-
اوکوی: ۳۶-
ایڈورڈ کالج پشاور: ۶-
ایران: ۷۴، ۱۶۹، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۳-
ایشیا: ۳، ۹، ۱۱، ۲۱، ۷۴، ۸۵، ۱۳۱، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۴۴-
ایلڈچ (لندن): ۲۴۶-
ایلکس وڈ، پروفیسر: ۲۵۳-
اینکسن، سر ہیوبرٹ: ۲۴۶-

ب

باسن برج : ۲۱۷ -
بالشوزم : ۵-۸ ، ۲۵۳ -
بالشویک سازش (لاہور ۱۹۲۳ع) : ۵ -
بالفور اعلان : ۱۷۹ ، ۲۳۳ -
بٹلر کمیٹی رپورٹ : ۱۱۳ -
بچہ سقہ : ۸۳ ، ۹۸ -
بحر احمر : ۱۳۱ -
بحر روم : ۱۳۱ -
بحیرہ مردار : ۲۳۳ -
بخارا : ۱۳۵ -
بدھ ، لوح : ۲۳۵ -
بدھ مت : ۲۲۶ -
براؤن ، پروفیسر ای - جی - : ۱۷۸ ، ۲۲۶ ، ۲۵۳ -
برطانیہ : دیکھیے انگلستان -
برطانیہ ، حکومت : ۳۹ ، ۹۶ ، ۱۵۱ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۶۳ -
برکت علی ، ملک : ۵۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۷ ، ۲۰۵ ، ۲۰۹ -
برکت علی اسلامیہ ہال ، لاہور : ۲۶ ، ۳۹ ، ۴۳ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۵ ، ۱۱۲ -
برکن ، لارڈ : ۵۳ -
برگسان : ۱۷۲ -
"برلا" : ۲۱۸ -
برما : ۶۸ ، ۲۶۳ -
بروس ، پروفیسر جے - ایف - : ۱۵۲ ، ۱۵۳ -
بریتھ ویٹ ، پروفیسر : ۲۵۳ -
بشیر احمد ، میاں : ۲۰۷ -
بشیر الدین محمود ، مرزا : ۲۲ ، ۱۷۳ -
بلوچستان : ۱۰۸ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ -
بمبئی : ۱۳ ، ۶۱ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۱ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۲۰۳ ، ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۷ ، ۲۱۹ -
"بمبئی کرانیکل" : ۱۷۷ -
بنارس : ۱۲۶ -
"بندگی نامہ" : ۲۳۲ -
بنگال : ۵۴ ، ۵۸ ، ۶۰ ، ۶۵ ، ۶۷ ، ۷۱ ، ۹۶ ، ۱۰۷ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۵۱ ، ۱۵۸ ، ۱۶۱ -
بنگال مسلم لیگ : ۶۰ -
بنگلور : ۲۱۵ ، ۲۲۳ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۳۰ -
"بنگلور ٹائمز" : ۲۲۸ -
بوسوٹو ہوٹل ، مدراس : ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۲۰ -
بولون : ۲۶۲ -
"بوئے گل" (نظم) : ۲۳۱ -
بہار : ۱۹۷ -
بھوپال : ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۲۱ -
بھوپال ، نواب : ۱۱۸ ، ۱۲۰ -
بھوپال ، کانفرنس : ۱۱۸—۱۲۱ -
بھیرہ : ۲۰۶ -
بھیل : ۱۱۸ -
بیدل ، مرزا عبدالقادر : ۲۰۷ -
بین ، ویجوڈ : ۲۵۹ -
بین الملی درسگاہ : ۱۲ -

پ

پاشا ، مسٹر اے - ایس - : ۱۵۸ -
پٹنہ : ۱۸۳ ، ۱۸۴ -
پراونشل اٹانمی : ۱۳۶ -

"پرتاب" (لاہور) : ۲۰ ، ۳۸ ، ۴۵ -
پردہ : ۲۲۶ -
پنجاب : ۱ ، ۹ ، ۱۳ ، ۲۶ ، ۲۹ ، ۳۴ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۳ ، ۵۴ ، ۵۶ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۵ ، ۶۷ ، ۶۸ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۷۲ ، ۷۸ ، ۸۴ ، ۱۰۱ ، ۱۰۷ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹—۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۸ ، ۱۶۱ ، ۱۶۳ ، ۱۷۳ ، ۱۹۷ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۱۸ -
پنجاب ، حکومت : ۱۲۳ ، ۱۲۵ -
پنجاب ، گورنر : ۳۹ ، ۱۳۰ -
پنجاب پراونشل پارلیمنٹری بورڈ : ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۰۵ -
پنجاب پراونشل مسلم لیگ : ۲۶ ، ۲۹ ، ۵۱ ، ۵۲ -
پنجاب خلافت الیکشن بورڈ : ۲۶۹ -
پنجاب شیعہ کانفرنس : ۲۰۶ -
پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی : ۲۰۵ -
پنجاب لیجسلیٹو کونسل : ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۹ ، ۳۲ ، ۳۸ ، ۴۶ ، ۱۷۷ -
پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن : ۲۰۹ -
پنجاب ہائیکورٹ : ۳۵ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۴ ، ۴۵ -
پنجاب یونیورسٹی : ۱۵۱—۱۵۴ ، ۱۷۰ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸ -
پنڈدادن خان : ۲۰۶ -
پنکھرڈ ، مسٹر : ۲۳۴ -
پنکھرڈ ، مسز : ۲۳۴ ، ۲۳۵ -
پورٹ سعید : ۱۳۷ ، ۱۴۰ -
پونا پیکٹ : ۱۵۷—۱۵۸ ، ۱۶۳ ، ۱۹۲ -
"پیام مشرق" : ۶ ، ۲۴۲ -
پیرس : ۲۶۲ -
پیغمبر اسلام صلعم : دیکھیے رسول اللہ صلعم -
"پین اسلامزم" : ۱۷۷—۱۷۹ ، ۲۲۶ -

ت

تاج دین ، پیر : ۲۰۶ -
تاج ہوٹل (بمبئی) : ۲۱۶ -
تاریخ اسلام : ۱۵۱—۱۵۴ -
تجاویز دہلی : دیکھیے دہلی تجاویز -
تحریک خلافت : ۲۸ ، ۱۷۴ ، ۲۶۸—۲۶۹ -
تحریک سول نافرمانی (۱۹۲۷ع) : ۳۹—۴۶ -
تحریک کشمیر : ۱۷۴ -
ترک موالات : ۲۸ ، ۲۳۸ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸ -
ترک : ۷۷ ، ۷۸ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۱۶۹ ، ۲۲۵ -
تصدق حسین ، سید : ۲۰۶ -
تعزیرات ہند : ۳۵ -
تقسیم بنگال : ۱ -

ٹ

ٹالسٹائے : ۲۴۵ -
ٹامس کک : ۲۶۱ -
"ٹروتھ" : ۲۰۸ -
"ٹریبیون" : ۳۰ ، ۸۵ ، ۱۳۳ -
ٹیپو ، سلطان : ۲۲۹ -
ٹیگور ، ڈاکٹر : ۲۶۲ -

ج

جاپان : ۲۱۹ -
جالندھر : ۱۴۰ -
جامع مسجد دہلی : ۱۳۵ -
جامعہ ازہر : ۱۴۶ -
جامعہ ملیہ اسلامیہ ، دہلی : ۱۸۹— ۱۹۰ ، ۲۷۰—۲۷۲ -
جاوا : ۱۴۵ -
جاوید اقبال : ۱۶۵ ، ۲۵۱ -
''جاوید نامہ'' : ۲۳۳ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ -
جداگانہ طریق انتخاب : ۲۶—۲۷ ، ۵۷ ، ۶۰ ، ۶۲ ، ۶۷ ، ۷۰— ۷۱ ، ۱۱۰ ، ۱۱۶ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۲۱ ، ۱۴۷ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸—۱۵۹ ، ۱۶۳— ۱۶۴ ، ۱۹۴ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ -
جدہ : ۱۸۰ -
جرمنی : ۸۰ ، ۲۱۶ -
''جسٹس'' (مدارس) : ۲۲۴ ، ۲۲۶ -
جعفر پاشا العسکری : ۲۳۵ -
جماعت احمدیہ : ۵۶ -
جمال الدین ، ڈاکٹر : ۲۱۸ -
جمال محمد ، حاجی سیٹھ : ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۷ -
جمعیت اقوام : ۱۸۲ -
جمعیۃ الاسلام : ۱۶۶ -
جمعیۃ العلماء : ۲۰۶ -
جمہوریت : ۱۰۳—۱۰۴ ، ۱۳۴ ، ۲۴۳ -
جناح ، (قائد اعظم) محمد علی : ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۴ ، ۵۶ ، ۵۸ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۹۰ ، ۱۱۵ ، ۱۳۴ ، ۱۶۳ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۰۸ ، ۲۱۰ ، ۲۱۶ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ -
جناح لیگ : ۵۷ ، ۶۹ ، ۸۷ -
جنٹیلی ، پروفیسر : ۲۶۴ ، ۲۶۵ -
جنگ عظیم (۱۹۱۴ع) : ۹۳ ، ۲۵۴ -
جنوبی ہند : ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۲۳ -
جوش ملیح آبادی : ۲۳۰ -
''جہاد اکبر'' : ۲۴۸ -
جہلم : ۲۰۶ -

چ

چاندپٹم : ۲۴۹ -
چاندی ، مسٹر (وائس چانسلر میسور یونیورسٹی) : ۲۲۸ -
چراغ دین ، خان بہادر میاں : ۴۴ -
چنتامنی ، (سی- وائی -) : ۱۳ ، ۱۴ -
چودہ نکات (مارچ ۱۹۲۹ع) : ۸۷ ، ۱۱۵ -
چین : ۷۴ ، ۸۵ -

ح

حبیب اللہ خان ، سردار : ۱۱۲ -
حبیب شاہ ، مولانا سید : ۶۵ ، ۶۶ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ -
حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور : ۳ ، ۳۲ -
حجاز : ۱۰ ، ۱۱ ، ۷۴ -
حدیقۃ الزہرا : ۱۶۸ -
حرم پاک : ۱۰ -
حسام الدین ، شیخ : ۴۱ -
حسرت موہانی ، مولانا : ۵۹ -
''حسن'' (نظم) : ۲۴۱ -
حسینؓ ، (امام) : ۸۳ -
حسین میر ، علامہ : ۴۱ -
حضر موت : ۱۳۹ -
حضور سرور عالم صلعم : دیکھیے رسول اللہ صلعم -

حق نواز، میاں: ۱۱۱ -
حکومت ہند: ۱۱۱، ۱۷۴ -
حلاّج: ۲۳۶ -
حلمی پاشا، عباس (خدیو مصر): ۲۳۳ -
حمید حسن: دیکھیے عبدالحمید حسن -
"حور و شاعر" (نظم): ۲۴۱ -
حویلی کابلی مل، لاہور: ۲۹، ۳۱، ۴۱ -
حیدر آباد (دکن): ۲۱۵، ۲۲۳، ۲۳۰ -
حیدر علی، نواب: ۲۲۹ -
حیدری، سر اکبر علی: ۲۳۰، ۲۴۶ -
حیدری، سید کریم بخش: ۲۰۶ -

خ

خاقانی: ۱۳۸ -
خاندان عثمانیہ: ۱۲ -
خراسان: ۲۴۳ -
"خضر راہ": ۶ -
خلافت اسلامیہ: ۷۶ -
خلیل الرحمان، منشی: ۲۳۰ -
خیر الدین، خان صاحب: ۱۱۲ -

د

داغ دہلوی: ۱۳۶ -
داؤد غزنوی، مولانا: ۱۲۳ -
دربار کشمیر: ۱۳۰ -
درّانی: ۲۰۸ -
دستور ہند: ۲۷ -
دلیپ سنگھ، جسٹس: ۴۵ -
دنیائے اسلام: ۹، ۱۰، ۱۱، ۶۷، ۸۶، ۱۰۴، ۲۱۹، ۲۳۵، ۲۳۷ -
دہلی: ۲۶، ۳۰، ۵۸، ۶۰، ۷۲، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۱۱۹، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۶۳، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۱۵ -
دہلی تجاویز: ۲۶، ۶۰ -
دہلی دربار: ۱ -
دہلی لیگ: ۸۸، ۸۹ -
دہلی مسلم کانفرنس: دیکھیے مسلم کانفرنس -
"دیوار گریہ" (فلسطین): ۹۳ -

ڈ

ڈار، بشیر احمد: ۷۵، ۱۰۳، ۱۷۷، ۲۶۱ -
ڈبی بازار، لاہور: ۲۹، ۳۲ -
ڈریپر، ڈاکٹر ولیم جان: ۲۳ -
ڈکنسن: ۲۵۳ -
"ڈیلی ایکسپریس" (مدراس): ۲۲۴ -
ڈیموکریسی: دیکھیے جمہوریت -
ڈی مونٹمورنسی، آنریبل سر جیوفرے: ۴۸ -
ڈینٹے: ۱۶۵، ۲۴۴ -
"ڈیوائن کامیڈی": ۲۴۴ -
"ڈیوائن کامیڈی اور اسلام": ۱۶۵ -

ذ

ذوالفقار علی خان، نواب سر: ۲۹، ۳۰، ۵۶، ۶۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۵۸، ۲۶۸، ۲۷۲ -

ر

راجپال : ۴۲ -
راجن شاہ ، سید : ۵۶ -
راس ، سرڈینی سن : ۲۳۵ -
راگھون ، مسٹر : ۱۳۳ -
راول سوسائٹی (پورٹ سعید) : ۱۳۰ -
رائل اکیڈیمی اٹلی : ۲۶۲ -
راؤنڈ ٹیبل کانفرنس : دیکھیے گول میز کانفرنس -
رٹز ہوٹل (لندن) : ۲۳۵ ، ۲۵۹ -
رحمت علی ، چوہدری : ۲۴۶ ، ۲۵۳ -
رحیم بخش ، خان بہادر حاجی : ۱۳۸ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ -
رسول اللہ صلعم : ۷ ، ۱۸ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۷ ، ۷۳ ، ۷۹ ، ۹۲ ، ۱۱۷ ، ۱۲۲ ، ۱۲۴ ، ۱۴۳ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ ، ۲۴۵ -
رشید احمد ، میاں : ۲۱۱ ، ۲۱۴ -
رشید علی خان ، نوابزادہ : ۲۰۶ -
رضا شاہ : ۲۳۲ -
"رموز بے خودی" : ۲۴۲ -
"رنپورہ" (جہاز) : ۱۴۰ -
رنگیلا رسول ، مقدمہ : ۳۵ ، ۳۸ ، ۳۹ -
روس : ۲۶۳ -
روما : ۳ ، ۲۴۵ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ -
روما ، قیاصرہ : ۲۶۳ -
رومن کیتھولک : ۲۳ -
رؤف پاشا ، غازی : ۲۶۱ -
ریڈنگ ، لارڈ : ۲۵۹ ، ۲۶۰ -
ریڈنگ ، لیڈی : ۲۵۲ -

ز

زاہد علی : ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶ ، ۲۵۳ -
"زبور عجم" : ۲۴۲ -
زر تشت ، لوح : ۲۴۵ -
"زرد خطرہ" : ۲۲۶ -
زکوٰۃ : ۷ -
زمان مہدی خان ، خان بہادر ملک : ۲۰۵ -
"زمیندار" (لاہور) : ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۴ ، ۳۱ ، ۱۱۷ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰ -
"زوال مغرب" : ۱۷۲ -
زہرا : ۱۶۸ -

س

سارلے ، پروفیسر : ۲۵۳ -
سالک ، مولانا عبد المجید : ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۶۸ ، ۲۳۲ -
سائمن ، سرجان : ۴۹ ، ۵۳ ، ۱۰۷ ، ۱۱۴ -
سائمن کمشن : دیکھیے آئینی کمشن -
سائمن کمشن رپورٹ : دیکھیے آئینی کمشن رپورٹ -
سبرائن ، ڈاکٹر : ۲۱۵ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ -
سپرو ، سرتیج بہادر : ۲۴۶ -
سپین : ۶۹ ، ۱۶۵ ، ۱۶۷ ، ۱۶۸ -
سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ : ۱۰۲ ، ۱۰۳ -
"سٹیٹسمین" : ۱۱۹ ، ۱۹۲ ، ۱۹۷ -

سرحد ، صوبہ (شمال مغربی سرحدی صوبہ): ۵۶ ، ۱۰۸، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۴۷ ، ۱۶۳ ، ۱۷۵ ، ۱۷۷ ، ۱۹۷ -

سردول سنگھ ، سردار: ۳۱ -

سرمایہ داری : ۶ ، ۷ ، ۱۰۶ -

سرورکائنات صلعم : دیکھیے رسول اللہ صلعم -

سری رنگٹھم : ۲۲۸ -

سری نگر : ۱۳۷ -

سعادت علی خان ، خان : ۹۸ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ -

سعدی ، شیخ : ۴۹ ، ۲۴۶ -

سکارپا ، ڈاکٹر: ۲۶۲ ، ۲۶۳ -

سکندر آباد : ۲۳۰ -

سلیمان ، ڈاکٹر: ۱۴۰ ، ۲۵۳ -

سلیمان قاسم مٹھا ، سردار: ۱۶۱ -

سمجھوتہ پونا: دیکھیے پونا پیکٹ۔

سنتانم ، پنڈت : ۳۱ -

سندھ: ۶۸ ، ۱۰۸ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۳۹ ، ۱۴۷ ، ۱۵۸ ، ۱۶۱ ، ۱۶۳ -

سواسمدرم : ۲۲۸ -

سوراج : ۴۶ -

سوراج پارٹی : ۱۴ ، ۱۸۳ ، ۱۸۴ -

''سوراجیہ'' (مدراس) : ۲۲۴ ، ۲۲۵ -

سورہ ''دھر'' : ۱ -

''سورہ مثل القرآن'' : ۴۵ -

سوشل ڈیمو کریسی : ۱۱۷ -

سوشلزم : ۶ -

''سول اینڈ ملٹری گزٹ''(لاہور) : ۱۴۵ ، ۱۵۱ -

سول نافرمانی (۱۹۲۱ع) : ۴۶ -

سوئٹزر لینڈ : ۲۳۲ ، ۲۳۳ -

سویز کنال : ۱۴۱-۱۴۲ -

سہارنپور: ۱۵۴ -

سہروردی ، ڈاکٹر عبداللہ : ۱۰۶ ، ۱۴۳ -

''سیاست'' (لاہور) : ۶۵ ، ۶۶ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ -

سیالکوٹ : ۹۷ ، ۱۸۹ ، ۲۱۲ ، ۲۱۵ -

سیتلواڈ ، سرچمن لال : ۲۱۶ -

سیمول ہور ، سر: ۱۴۶ ، ۱۵۰ -

سینکی ، لارڈ: ۲۵۹ ، ۲۶۰ -

سید احمد ، شمس العلماء مولانا : ۱۳۵ -

سید احمد خان ، سر: ۴۷ -

ش

شاردا ایکٹ : ۹۵ ، ۹۷ -

شاردا بل : ۹۴ ، ۹۵ -

شام : ۴۷ ، ۱۴۵ -

شانتی نکیتن : ۲۶۲ -

شاہ پور: ۲۰۶ -

شاہجہان : ۱۳۵ -

شاہنواز ، میاں : ۱۰۱ -

شاہی مسجد (لاہور) : ۴۱ ، ۴۳ -

شبان المسلمین : ۱۴۰ -

شپنگر: ۱۷۲ -

شجاع الدین، ڈاکٹر خلیفہ : ۱۰۱، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۴۸ ، ۱۵۸ ، ۱۷۰ ، ۲۰۶ -

شردھانند ، سوامی : ۲۰ -

شروانی ، تصدق احمد خان : ۵۱ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ -

شریعت اسلامی: ۷۵، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۹۳، ۹۵، ۹۷-
شعیب قریشی: ۱۱۱، ۱۲۰، ۲۴۶-
شفاعت احمد خان، سر: ۱۵۸، ۲۴۶-
شفیع، میاں سر محمد: ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۵۲، ۵۷، ۵۸، ۶۰، ۷۲، ۸۸، ۱۰۱، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۰۸، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۶۰-
شفیع داؤدی، مولانا: ۸۹، ۱۵۸، ۱۸۴، ۱۹۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۶۲-
شفیع لیگ: ۵۷، ۶۹، ۸۷، ۸۹-
شمالی ہند: ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲-
شمس الدین، حاجی: ۱۷، ۱۸، ۱۱۱-
شمس الدین حسن: ۵، ۶-
"شملو": ۱۴۵، ۱۷۷، ۱۸۴-
شملہ: ۹، ۴۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۵۸، ۱۶۰-
شور بازار، حضرت: ۸۶-
شوکت علی، مولانا: ۷۰، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۹، ۱۶۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۸-
شہید گنج: ۲۰۳-
شیخوپورہ: ۱۸۹-
شیلڈرک، خالد: ۲۴۶-

ص

صادق شاہ: ۲۲۹-
صدیق محمد، حاجی حکیم: ۱۳۷، ۱۴۰-
صلاح الدین سلجوق، سلطان (قونصل افغانستان): ۱۳۸-
صوبجاتی خوداختیاری: ۱۰۷، ۱۰۸-
صیہونیت: ۱۴۵-
صیہونی تحریک: ۹۴-

ض

ضیاء الدین احمد، ڈاکٹر: ۵۹، ۱۵۸-
ضیاء الدین طباطبائی، سید: ۲۳۲، ۲۳۳-

ط

طاہر عریاں، بابا: ۲۴۲-
طلعت یزدی، مرزا: ۱۳۸۔

ظ

ظاہر شاہ، محمد: ۱۸۰، ۱۸۱-
ظفر اللہ خان، چوہدری: ۲۳۶، ۲۴۶-
ظفر علی خان، مولانا: ۲۳، ۳۱، ۴۷، ۱۱۷-

ع

عالم، ڈاکٹر محمد: ۹۰-
عائشہؓ، حضرت: ۷۶-
عبد الحفیظ، سید: ۱۵۸-
عبد الحق، ڈاکٹر: ۲۱۷، ۲۳۰-
عبد الحکیم، خلیفہ: ۲۳۰-
عبد الحمید حسن: ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۳-
عبد الحنان، مولوی: ۲۰۶-

عبد الحی ، میاں : ۵۶ -
عبد الرحمان ، منشی : ۱۰ -
عبد الرحمان اول : ۱۶۸ -
عبد الرحمان پشاوری : ۲۶۱ -
عبد الرحمان غازی ، خواجہ : ۴۰ -
عبد الرحیم ، خواجہ : ۲۴۶ ، ۲۵۳ -
عبد الرحیم ، سر : ۵۵ -
عبد العزیز ، خان صاحب : ۸ -
عبد العزیز ، میاں : ۱۵ ، ۱۶ ، ۳۱ ، ۱۰۱ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ -
عبد العزیز بادشاہ ، خان بہادر : ۲۱۷ -
عبد العزیز حسن : ۲۱۸ -
عبد الغفور ، حاجی : ۲۲۷ -
عبد الغنی ، شیخ : ۱۲۳ -
عبد القادر ، سر : ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۸۷ ، ۲۴۶ -
عبد القیوم خان ، نواب سر : ۵۶ -
عبد الکریم ، حاجی جلال : ۲۱۸ -
عبد المجید خان ، خلیفۃ المسلمین : ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۳ -
عبد المجید سندھی ، شیخ : ۱۵۹ ، ۱۶۱ -
عبد المجید ، مولوی (امام مسجد ووکنگ) : ۲۴۶ -
عبد اللہ ، شیخ محمد : ۱۳۹ -
عبد اللہ ، مسٹر : ۵۹ -
عبد اللہ العمادی ، مولانا : ۲۳۰ -
عبد اللہ چغتائی ، (ڈاکٹر) محمد : ۲۱۵ ، ۲۲۰ ، ۲۲۳ ، ۲۳۱ -
عبد اللہ قصوری ، مولانا : ۱۴ -
عبد اللہ ہارون ، حاجی سیٹھ : ۲۹ ، ۱۹۱ ، ۲۵۶ -
عبد المتین چوہدری : ۲۳۶ -
عبید اللہ : ۱۱۲ ، ۱۱۳ -

عثمانیہ یونیورسٹی : ۲۱۵ ، ۲۳۰ -
عدن : ۱۳۹ -
عراق : ۱۴۵ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵ -
عرب : ۲-۳ ، ۱۲ ، ۱۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۴ ، ۱۴۶ ، ۲۲۴ ، ۲۳۷ -
عرفان ، مولوی محمد : ۴۷ ، ۴۸ -
عزیز الدین ، خان بہادر میر : ۱۱۲ ، ۱۱۳ -
عصائے کلیم : ۱۴۱ -
عطاء اللہ شاہ بخاری ، مولوی سید : ۴۰ -
عطیہ بیگم : ۱۳۸ -
عقیق یمنی : ۱۳۹ -
علی امام ، سر سید : ۵۰ ، ۷۱ ، ۱۱۷ ، ۱۴۲ ، ۱۴۳ -
علی بخش : ۱۳۹ ، ۱۴۴ -
علی پور : ۲۰۶ -
علی خیل : ۹۸ -
علی گڑھ : ۵۹ ، ۱۰۲ ، ۲۷۰ -
عمر حیات خان ٹوانہ ، سر : ۲۴۶ ، ۲۴۷ -
عمر فاروق رض ، حضرت : ۹۲ -
عہد نامہ ویسٹ فیلیا : ۸۰ -
عیسیٰ ؑ ، حضرت : ۱۴۵ -
عیسائیت : ۱۴۵ ، ۲۲۶ -

غ

غالب : ۲۰۷ -
غدر (۱۸۵۷ع) : ۱۲۶ -
غرناطہ : ۱۶۷ -
غضنفر علی خان ، راجہ : ۲۰۶ -
غلام احمد ، نواب : ۲۲۸ -
غلام احمد خان ، سردار (قونصل جنرل افغانستان) : ۲۱۶ -

غلام حسین ، پروفیسر : ۵ -
غلام رسول خان : ۲۰۶ -
غلام محمد ، ملک : ۲۴۶ -
غلام محمد عرف علی جان : ۲۲۸ -

ف

فاربیز ، روزیٹا : ۲۳۸ -
فارکیھرسن، مس مارگریٹ : ۲۴۶ -
فاطمۃ الزہرا رض ، حضرت : ۸۳ -
فاطمۃ العابد، مادام : ۲۳۵ ، ۲۴۶ -
فرانس : ۱۴۵ ، ۲۶۲ -
فرزند علی ، مولانا : ۲۳۶ ، ۲۳۷ ، ۲۴۶ -
فرعون : ۴۴ ، ۲۴۵ -
فرقہ معتزلہ : ۲۳ -
فرقہ مولویہ : ۲۸ ، ۸۷ ، ۱۰۶ ، ۲۳۳ -
فرقہ وار اتحاد : ۲۷ ، ۱۳۶ ، ۱۵۹ -
''فرقہ وار اعلان'' : ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۸۳—۱۸۴ ، ۱۹۰ ، ۱۹۲ ، ۱۹۳—۱۹۶ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ -
فرقہ وار کشیدگی : ۲۶ ، ۲۸ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۵۶ ، ۶۹ -
فرقہ وار مسائل : ۷۰ ، ۱۵۰ ، ۱۶۰—۱۶۱ ، ۱۶۵ ، ۲۵۶ ، ۲۵۸ -
فرینک بارٹ ، ریورینڈ : ۲۴۶ -
فسادات کانپور : ۱۲۵—۱۲۹ -
فسادات لاہور : ۳۷ -
فضل الحق ، اے - کے - : ۲۳۶ -
فضل حسین، سر : ۱۷۷ ، ۱۷۸ -
فضل حسین ، ملک : ۸۸ -
فضل دین ، مولوی : ۸ ، ۶۴ ، ۱۱۱ -
فضل کریم : ۱۱۲ -
فقہ اسلامی : ۲۲۶ -
فکری ایرانی ، آغا : ۱۳۹ -
فلسطین : ۹۱ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۱۴۵ ، ۱۵۲ ، ۱۷۹—۱۸۰ ، ۱۸۲ ، ۲۳۴ ، ۲۳۹ -
''فوسٹ'' : ۲۱۶ -
فیرر ، کرنل : ۲۳۸ -
فیروزخان نون ، ملک : ۵۷ ، ۸۷ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ -
فیروز الدین ، خواجہ : ۱۶۶ -
فیروز الدین ، میاں : ۱۱۲ -

ق

قانون ازدواج صغر سنی : ۹۴—۹۷ -
قانون میراث : ۶ -
قاہرہ : ۱۴۰ ، ۲۶۱ -
قدس شریف : دیکھیے یروشلم -
قدوائی ، شیخ مشیر حسین : ۱۴۳ -
قرآن کریم : ۶ ، ۷ ، ۲۱ ، ۲۳ ، ۴۳ ، ۷۵ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۸۴ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۲۷ ، ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۳۸ ، ۱۶۲ ، ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۲۱۳ ، ۲۱۹ ، ۲۲۱ ، ۲۲۸ ، ۲۳۶ ، ۲۳۷ ، ۲۳۸ -
قرآنی تعلیم : ۸ -
''قرطاس ابیض'' : ۱۸۳ ، ۱۹۱ ، ۱۹۶ -
قرطبہ : ۱۶۵ ، ۱۶۷ -
قندھار : ۸۵ -
قوم پرست جماعت : ۱۳ -
قوم پرستی : ۱۱۷ -
قومیت متحدہ : ۲۲ ، ۲۹ ، ۱۵۵ -

ک

کارل مارکس : ۶ -
کانپور : ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۱۳۷ -

کالپور مسلم ریلیف کمیٹی: ۲۸ -
کانگرس، آل انڈیا نیشنل: ۵۵، ۶۰، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۴، ۲۰۲ -
کٹیا کومب: ۲۶۳ -
کچلو، ڈاکٹر سیف الدین: ۱۷، ۵۷، ۵۸، ۹۰ -
کچنر، (لارڈ): ۲۴۴، ۲۴۵ -
کراچی: ۷۵، ۱۰۳، ۱۷۷ -
کربلائے معلیٰ: ۱۴۳ -
کرم دین، خان صاحب ملک: ۸، ۹ -
کشمیر: ۱۲۹—۱۳۳، ۱۷۳—۱۷۶، ۱۸۲ -
کشمیر کمیٹی، آل انڈیا: ۱۳۳، ۱۷۳—۱۷۶، ۱۷۷ -
کشمیری بازار لاہور: ۴۸ -
کشن پرشاد، مہاراجہ سر: ۲۳۰ -
کعبہ: ۲۴۵ -
ککے زئی: ۲۰ -
کلکتہ: ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۲۱۰، ۲۱۹ -
کلکتہ کنونشن: ۸۷ -
کمال پاشا، مصطفیٰ: ۷۸، ۸۲، ۲۲۵ -
کمال الدین، خواجہ: ۴ -
کمیونزم: دیکھیے بالشوزم -
کمیونل اوارڈ: دیکھیے فرقہ وار اعلان -
کولابا، (بمبئی): ۲۱۵ -
کومتے: ۲۲۵ -
کیتانی، پرنس: ۱۵۳ -
کیفی، پنڈت برجموہن: ۲۰۷ -
کیلکر، (این - سی -): ۲۶ -
کیمبرج: ۲۲۶، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴ -

گ

گاردی نورو: ۲۶۲ -
گاندھی، مہاتما: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۳، ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۵۷ -
گب، پروفیسر: ۲۳۶، ۲۳۸ -
گرینز ہوٹل (بمبئی): ۲۱۶ -
"گلشن راز": ۲۴۲، ۲۴۳ -
گوجرانوالہ: ۱۸۹ -
گوکھلے: ۳، ۴ -
گوکھلے ہال، مدراس: ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۱ -
گولکنڈہ: ۲۳۱ -
گول میز کانفرنس: ۵۵، ۵۶، ۱۰۰—۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۸۳، ۲۳۲، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۹ -
گونڈ: ۱۱۸ -
گونٹے: ۲۱۶، ۲۴۲ -

ل

لاجپت رائے، لالہ: ۶۷، ۸۲، ۲۷۲ -
لارنس، لیڈی: ۲۳۵، ۲۵۲ -
لاہور: ۱، ۲، ۳، ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۷، ۵۷، ۶۰، ۸۷، ۹۱، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۶، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۶۹ -

لائسیم کلب لندن : ۲۵۲ -
لائل پور: ۱۸۹ -
لائیڈ ، لارڈ: ۲۵۲ -
لطفی -.: ۱۳۰ -
لکھنؤ : ۶۹ ، ۱۵۴ ، ۱۵۹ -
لکھنؤ کانفرنس : ۱۱۷ ، ۱۵۹— ۱۶۱ ، ۱۶۳ -
لندن : ۱۰۰ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۵ ، ۱۳۴ ، ۱۳۶ ، ۱۶۲ ، ۲۳۲ ، ۲۳۷ ، ۲۴۶ ، ۲۵۵ ، ۲۶۱ -
"لندن ٹائمز": ۵۵ ، ۱۸۲ -
لندن یونیورسٹی: ۲۳۶ -
لیاقت حیات خان ، نواب : ۲۴۶ -
لیبر یونین لاہور: ۸ -
لیفن ، پروفیسر: ۲۵۳ -
لیگ کانگرس معاہدہ (۱۹۱۶ع): ۱۹۴ ، ۲۰۲ -
لیوی ، پروفیسر : ۲۵۳ -

م

ماریسن ، سرتھیوڈور: ۲۵۲ -
مانٹیگو چمسفورڈ رپورٹ : ۶۳ -
مبارز خان ٹوانہ ، آنریبل ملک : ۱-
متحدہ قومیت : دیکھیے قومیت متحدہ -
"مثنوی مولانائے روم" : ۲۳۳ -
مجلس احرار: ۱۴۷—۱۴۸ -
مجلس خلافت پنجاب : ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۴۶ -
مجلس خلافت ہند: ۶۹ -
مجید ملک (ایڈیٹر "مسلم آؤٹ لک"): ۱۱۲ ، ۱۱۳ -
محبوب النہی: ۱۱۲ -
محبوب الرحمان ، مولوی : ۱۱۳ -
محسن شاہ ، سید : ۱۰۱ ، ۱۱۱ ، ۱۳۲ ، ۱۴۸ -
محمد ، لوح : ۲۴۵ -
محمد اقبال : ۱۷۲ -
محمد امین اندرابی : ۳۱ -
محمد دین ، ملک : ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۱۲ -
محمد حسین، چوہدری : ۱۶، ۲۱۵ -
محمد حسین ، خان صاحب شیخ : ۲۰۶ -
محمد حسین ، خان بہادر: ۲۱۸ -
محمد حسین ، ملک: ۱۷ ، ۲۶۹ -
محمد شریف ، حکیم: ۱۱۱ ، ۱۱۳ -
محمد صادق : ۹۰ -
محمد عربی صلعم : دیکھیے رسول اللہ صلعم -
محمد علی ، مولانا : ۸۹ ، ۲۶۸ -
محمد علی ، مولانا (امیر جماعت احمدیہ): ۵۶ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ -
محمد علی سولسٹر ، مرزا: ۲۱۶ -
محمد معظم قریشی ، شیخ : ۱۵۸ ، ۲۰۶ -
محمد نعمان : ۲۱۰ -
محمد یار ، مولوی : ۲۶۱ -
محمد یعقوب ، مولانا : ۵۱ ، ۸۹ -
محمد یعقوب ، سر: ۱۵۸ -
محمود خان ، سردار شاہ : ۱۸۱ -
محمود شبستری : ۲۴۳ -
محی الدین ، جمال : ۲۱۸ -
محی الدین ، سید غوث : ۲۳۰ -
محی الدین ، مولانا غلام : ۱۰ ، ۱۰۱ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۴۸ -
مخلوط طریق انتخاب : ۲۶—۲۷ ، ۵۰—۵۱ ، ۶۰ ، ۶۳ ، ۱۱۱ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۲۱ ،

۱۵۶ ، ۱۵۹ ، ۱۶۳ ، ۱۹۴ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ -
مدراس : ۵۸ ، ۶۰ ، ۶۴ ، ۷۵ ، ۲۱۵ ، ۲۱۷ ، ۲۲۰ ، ۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۳۰ ، ۲۷۲ -
مدراس پریس بیورو : ۲۱۸ -
"مدراس میل" : ۲۲۴ -
مدراس ہائیکورٹ : ۲۱۹ -
مدرسہ جمالیہ ، مدراس : ۲۱۹ -
مدرسہ عالیہ ، دیو بند : ۱۵۴ -
مدن موہن مالوی ، پنڈت : ۱۶۳ -
مدیر "انقلاب" : ۳۴ ، ۶۵ ، ۱۶۵ -
مدینہ : ۱۴۳ -
مراتب علی شاہ گیلانی ، سید : ۱۱۲ -
مراکش : ۱۴۵ -
مرزا پور : ۱۲۶ ، ۱۳۷ -
مری : ۱۳۰ -
مزنگ (لاہور) : ۳۴ -
مسجد اقصیٰ : ۹۲ ، ۹۳ -
مسجد قرطبہ : ۱۶۵ -
"مسلم آؤٹ لک" (لاہور) : ۱۰ ، ۳۱ ، ۳۴ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ -
مسلم انڈیا سوسائٹی : ۲۰۸ -
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس : ۶۰ -
مسلم ایسوسی ایشن ، انٹرنیشنل : ۲۵۳ -
مسلم ایسوسی ایشن ، مدراس : ۲۱۵ ، ۲۲۱ -
مسلم بنک آف انڈیا، لاہور : ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۷۶ -
مسلم ریسرچ انسٹیٹیوٹ ، لاہور : ۱۵۲ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ -
مسلم ریلیف کمیٹی لاہور (۱۹۲۷ع) : ۳۴ -
مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ، آل انڈیا : ۲۱۰ -
مسلم سٹوڈنٹس یونین بمبئی : ۱۳۴ -
مسلم فیڈریشن بمبئی : ۲۱۶ -
مسلم کانفرنس ، آل انڈیا : ۸۷ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۱۷ ، ۱۲۱ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۸۴ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ -
مسلم کانفرنس ، اپر انڈیا : ۱۰۹ — ۱۱۶ -
مسلم کانفرنس دہلی ، صوبہ : ۱۳۵ -
مسلم لائبریری ، بنگلور : ۲۲۷ -
مسلم لیگ ، آل انڈیا : ۵۵ ، ۵۷ — ۶۰ ، ۶۵ ، ۶۶ ، ۶۹ ، ۸۷ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸ ، ۲۱۰ -
مسلم یوتھ لیگ دہلی ، سنٹرل : ۱۳۵ -
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ : ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۲۱۵ ، ۲۷۱ -
مسودہ تعلیم لازمی : ۳—۵ -
مسیح ، لوح : ۲۴۵ -
مصر : ۱۳۷ ، ۱۴۰ ، ۱۴۵ ، ۱۵۲ ، ۱۶۹ ، ۲۵۲ -
مصر ، فراعنہ : ۱۴۱ -
مطلبی ، سید : ۲۳۰ -
مظفر الدین ، ڈاکٹر : ۲۳۰ -
مظفر علی خان قزلباش، نواب زادہ : ۲۰۶ -
"معارف" : ۱۴۳ -
معراج مبارک : ۹۲ -
"معرکہ مذہب و سائنس" : ۲۳ -
مغربی ہند : ۱۱۱ -

مغلپورہ انجینئرنگ کالج ، لاہور:
۱۲۲—۱۲۵ -
مکہ: ۱۸۰ -
''ملاپ'' (لاہور): ۲۰ -
ملتان: ۲۰۶ -
''ملوجا'' (جہاز): ۱۳۷ ، ۱۳۸ ،
۱۳۹ ، ۱۴۱ -
منٹو ، لارڈ: ۱۱۷ -
منٹو ، لیڈی: ۲۵۲ -
مؤتمر اتحاد شملہ: ۶۲ -
مؤتمر اسلامی (۱۹۲۴ع): ۱۱-
مؤتمر عالم اسلامی (۱۹۳۱ ع):
۱۴۴—۱۴۶ ، ۱۵۲ ، ۲۳۹ -
موسیٰ کلیم اللہ: ۲۴ ، ۲۵ -
مولانائے روم: ۲۴۴ ، ۲۴۸ -
مہاسبھا ، آل انڈیا ہندو: ۲۶ ،
۴۴ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۶۲ ، ۸۷ ،
۱۱۰ ، ۱۲۶ -
مہدی: ۲۴۵ -
مہر ، مولانا غلام رسول: ۱۱۱ ،
۱۱۳ ، ۲۱۷ ، ۲۳۲ ، ۲۳۶ ،
۲۳۹ -
مہرشاہ ، نواب: ۲۴۶ -
مہر صوبہ ، حضرت: ۱۷ -
میثاق لکھنؤ: ۱۰۸ -
میڈرڈ: ۱۶۵ ، ۱۶۷ -
میسور: ۲۱۵ ، ۲۲۴ ، ۲۲۸ ،
۲۳۰ -
میسور یونیورسٹی: ۲۱۵ ، ۲۲۸ ،
۲۲۹ -
میک ٹیگرٹ ، ڈاکٹر: ۲۵۴ -
میکڈانلڈ ، رامزے: ۲۵۹ -

ن

نادر خان ، جنرل: ۹۸ ، ۹۹ ،
۱۰۰ ، ۱۸۰—۱۸۱ -
نادر خان ہلال احمر فنڈ: ۹۸—
۱۰۰ -
نالیکی ، پروفیسر: ۲۶۲ -
نائیڈو ، مسز سروجنی: ۲۳۸ ،
۲۳۶ ، ۲۵۲ -
نبی اکرم صلعم: دیکھیے رسول اللہ
صلعم -
نٹشے: ۲۳۶ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ -
نجد: ۱۱ -
نرندر ناتھ ، راجہ: ۱۴۳ -
''نظام نامہ'': ۸۶ -
نکلسن ، پروفیسر ڈاکٹر: ۲۴۶ ،
۲۵۳ -
نور الدین ، حکیم: ۸۸ -
نہرو ، پنڈت جواہر لال: ۱۸۴ -
نہرو کمیٹی رپورٹ: ۶۶—۷۲ ،
۸۷ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۱ ، ۱۱۳ -
نیاز محمد ، شیخ: ۱۰۱ -
نیاز محمد خان: ۲۴۸ -
نیرنگ ، غلام بھیک: ۱۵۸ -
نیشنلسٹ کانفرنس: ۱۳—۱۴ -
نیشنل لبرل لیگ لندن: ۱۳ -
نیشنل لیگ لندن: ۱۸۲ -

و

والڈورف ہوٹل ، لندن: ۲۴۶ ،
۲۵۲ -
''وائٹ پیپر'': دیکھیے ''قرطاس
ابیض'' -
وٹیکر ، پرنسپل کیپٹن: ۱۲۲ ،
۱۲۳ ، ۱۲۴ -
''ورتمان''، مقدمہ: ۴۵ -
''ورجل'': ۲۴۴ -
ورنیکلر اخبارات: ۲۴ -

وسط ایشیا: ۸۵، ۲۶۳ -
وشوامتر: ۴۴۴ -
ولنگڈن، لارڈ: ۱۸۷ -
وہبہ، شیخ حافظ (سفیر دولت حجاز و نجد): ۲۴۶ -

ہ

ہارڈنگ، لیڈی: ۲۳۸ -
ہارڈی، عبد الرحمان: ۲۳۶ -
ہاشمی فرید آبادی، سید: ۲۳۰ -
ہائین: ۲۴۲ -
ہدایت حسین: ۱۴۳، ۲۱۶، ۲۳۶ -
ہرات: ۸۵، ۱۳۸ -
ہرکشن لال، لالہ: ۲۶۳ -
ہسپانیہ: دیکھیے سپین -
''ہمدم'' (لکھنؤ): ۱۶۲، ۱۶۳ -
''ہم سفر'': دیکھیے عبداللہ چغتائی:
''ہندو'' (مدراس): ۲۲۴ -
ہندو دھرم: ۱۵۷ -
ہندوستان: ۱، ۲، ۹، ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۲۹، ۳۹، ۴۱، ۴۶، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۶۱، ۶۲، ۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۸۰، ۸۵، ۸۹، ۹۶، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۴، ۲۲۰، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۷۰ -
''ہندوستان ٹائمز'': ۶۲، ۶۳ -
ہندو مہاسبھا: دیکھیے مہاسبھا -
ہندی پرچار سبھا مدراس: ۲۲۶ -
''ہندی قومیت'': ۷۰ -
ہنگامہ افغانستان: ۸۴-۸۶، ۹۸-۱۰۰ -
ہیکل سلیمانی: ۹۲ -
ہیلشیم، لارڈ: ۱۴۷ -
ہیلی، سرمیلکم (گورنر پنجاب): ۴۴ -

ی

یروشلم: ۹۲، ۱۳۲، ۱۳۶، ۲۳۲، ۲۶۱ -
یو-پی: ۵۹، ۱۹۷ -
یورپ: ۳، ۷، ۸، ۲۳، ۲۵، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۹۳، ۱۰۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۱۹، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۱، ۲۵۴ -
یمن: ۱۳۹، ۱۴۵ -
ینگ ہسبنڈ، سر فرانسس: ۲۳۹ -
یوسف، سید: ۲۱۸ -
یوسف سبحانی، حاجی: ۲۱۶ -
یوسف علی، عبداللہ: ۲۴۶ -
یوم اقبال: ۲۱۱ -
یوم غالب: ۲۰۷ -
یوم کشمیر: ۱۲۹، ۱۳۰-۱۳۲ -
یونینسٹ پارٹی: ۲۰۴ -